مولفہ

سید انشاء اللہ خان

مرتبہ

ڈاکٹر آمنہ خاتون

ام۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (علیگ)

مہاراجہ کالج میسور

1955

طبع اول | کوشر پریس بنگلور | قیمت ۵ روپے

ملنے کا پتہ

نمبر 3391 فسٹ عیدگاہ

میسور

قیمت ۵ رپے

مطبوعۂ
کوثر پریس بنگلور

(از)

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، پروفیسر اردو، پرنسپل چادرگھاٹ کالج (جامعہ عثمانیہ) معتمد اعزازی
(ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد، دکن)

ڈاکٹر آمنہ خاتون کی پہلی کتاب "تحقیقی نوادر" کے بارے میں آج سے پانچ سال قبل یعنے ۲۷ راپریل سنہ ۱۹۵۰ء کو آل انڈیا ریڈیو کے حیدرآباد اسٹیشن سے ایک تقریر نشر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ :-

"انشا کے حالات اور تصنیفات کا آمنہ خاتون صاحبہ نے اپنے مضامین اور تصنیفات کی ضروریات کے پیش نظر بہت گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس خصوص میں ان کی تحریریں ماہرانہ حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔"

اب جوان کی جدید کاوش "لطائف السعادت" پیش نظر ہوئی تو میری رائے میں نہ صرف مزید استحکام ہوا بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ڈاکٹر آمنہ خاتون انشا اور ان کے عہد پر ایک خصوصی ماہر کا مرتبہ حاصل کر چکنے کے ساتھ ساتھ اردو کے تحقیقی ادب میں ایک معیاری اضافہ کرنے کی فطری صلاحیت بھی رکھتی ہیں۔

کچھ عرصے سے اردو کے شاعروں اور ادیبوں کے بارے میں بلند پایہ کی تحقیقی کتابوں اور مقالوں کی ترتیب و اشاعت کم ہو گئی ہے، تعارفی اور تنقیدی مضامین البتہ چھپتے رہتے ہیں، بڑی تشویش ہوتی ہے۔ جب یہ دکھائی دیتا ہے کہ بھارت اور پاکستان کی بعض جامعات میں پی ایچ، ڈی کے لئے جو مقالے ان دنوں لکھائے جا رہے ہیں وہ بھی زیادہ تر اسی تعارفی یا تالیفی نوعیت کے ترتیب پا رہے ہیں، ان حالات میں آمنہ خاتون صاحبہ کا اس قسم کی اعلیٰ علمی و ادبی اور بظاہر بے لطف تحقیق میں مصروف رہنا بہت غنیمت ہے، اور اردو کے بعض اساتذہ اور طلبہ کے لئے سبق آموز نمونہ،

واقعہ یہ ہے کہ ہماری زبان اور ادب کے بہت سے گوشے اور پہلو اب بھی ایسے ہیں جن پر

تحقیق

تحقیق و تلاش سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے، حقائق ظاہر ہوتے ہیں۔ غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔ اور صحیح اور معتبر معلومات کی اشاعت کرنی ہے۔ میری نظر میں باکمال اساتذہ اور محسنین اردو کی خدمات کو منظر عام پر لانا ان کی غیر مطبوعہ کتابوں اور تحریروں کو مرتب کر کے چھپوانا اور ان کو اس طرح روشناس کرنا کہ ان کے دور کا ماحول، سماجی محرکات اور علمی و ادبی قدریں واضح ہو سکیں اردو کی ایک ترقی پسندانہ اور قابل قدر خدمت ہے، اور ڈاکٹر آمنہ خاتون نے لطائف السعادت کو قابل فخر انداز میں مرتب کر کے ایک ایسی ہی خدمت انجام دی ہے۔

لطائف السعادت ایک نادر کتاب ہے جس میں انشاء اللہ خان نے نواب اودھ سعادت علیخان کے لطیفے جمع کر دئے ہیں، ان لطائف سے اس زمانے کے مذاق، معاشرت اور خود نواب اور انشا دونوں کی زندگی اور مصروفیات اور رجحانات کے بارے میں مفید معلومات بہم ہوتی ہیں، ساتھ ہی انشا کی نسبت بعد کے تذکرہ نگاروں اور ادیبوں کی پھیلائی ہوئی بہت سی غلط فہمیاں بھی دور ہو جاتی ہیں

اس کی ترتیب و اشاعت کے لئے آمنہ خاتون صاحبہ ہی بہت موزوں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس موضوع سے خاص لگن ہے۔ اور انشا ان کے خیال میں ایک ایسا مظلوم و مجروح ہیرو ہے جس کے کردار اور شخصیت پر اب تک طرح طرح کے بہتان اس فن کاری اور چابکدستی کے ساتھ وارد کئے گئے اور مشہور و معروف ہو چکے ہیں جن کو رد کرنا وہ اپنا ایک ادبی اور تحقیقی فریضہ سمجھتی ہیں، سچ تو یہ ہے کہ اس دھن میں وہ ایسے ایسے گوشے تلاش کرتی ہیں اور ایسے ایسے نکتے پیدا کرتی ہیں کہ تحقیقی ادب کے واقفکار اس کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے، اس سلسلے میں وہ ایسی پر پیچ راہوں پر گامزن اور ایسی عمیق گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے سے نہیں جھجکتیں جس کی دوسروں کو نہ ہمت ہوتی ہے اور نہ جرأت

ان کی اس سعی و جستجو میں انشاء اللہ خان کے ساتھ ساتھ اس دور کے کئی دوسرے شاعروں اور ادیبوں کی نسبت بھی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے، چنانچہ مصحفی، رنگین، قتیل، خان آرزو وغیرہ کی شخصیتوں اور کاوشوں کے بعض تاریک پہلو بھی روشنی میں آتے جا رہے ہیں، اور ادبی تحقیق کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، آزاد، شیفتہ، عاشقی، قاضی ودود اور دیگر مولفوں اور محققوں کی نفسی کیفیتوں اور ذہنی تراوشوں کے طلسم ٹوٹ رہے ہیں، لکھنؤ کی سخن طرازی اور

بزم آرائی کی جھلکیں پھر سے نظر آنے لگی ہیں اور لطائف السعادت جو ایک معمولی فارسی نوشتہ ہے اور جس کے ذریعے سے سید انشا نے ایک مطلق العنان حکمران کے شگفتہ جملوں اور چلتے ہوئے فقروں کو لطیفوں کی صورت میں پیش کر کے اپنے ان داتا کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی، ڈاکٹر آمنہ خاتون کے ترجمے اور حاشیوں اور مقدمے اور تشریحوں کے باعث اب ایک اہم تحقیقی وثیقے اور توثیقی سند کا درجہ حاصل کر چکی ہے، اس کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملے سے آمنہ خاتون صاحبہ نے فائدہ اٹھانے کی سعی بلیغ کی ہے، اور یوں تو بعض جگہ وہ حد تجاوز سے کچھ آگے ہی نکل گئی ہیں، تاہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ بعض اوقات تنکے ہی سہارے کا کام دے جاتے ہیں، اور اس گر کو سمجھتی ہیں کہ بے جان لفظوں سے کیوں کر جانداروں کا کام لیا جا سکتا ہے۔

بہر حال یہ کتاب اردو کے جدید تحقیقی ادب میں اور لکھنؤ کے عروجی دور کی تاریخ میں اضافے کا باعث ہوگی اور وہی اصحاب ذوق اس کی خاطر خواہ قدر کر سکیں گے جن کو تلاش و تحقیق کا چسکہ ہے اور جو اس راہ دشوار میں گامزن ہیں یا کبھی قدم رکھ چکے ہیں، دبستان لکھنؤ کے تاریخ نویس اور اردو شعر و سخن کے تذکرہ نگار اس سے استفادہ کئے بغیر اپنی تالیفوں کو مکمل اور اپنی تحریروں کو مستند نہ بنا سکیں گے۔ (مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۵۵ء)

مخدومی رشید احمد صدیقی صاحب پروفیسر اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

"لطائف السعادت پر آپ نے جس شوق محنت اور قابلیت سے کام کیا ہے اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ ایسے سنجیدہ علمی کاموں سے غیر معمولی شغف رکھتی ہیں، میں آپکا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے گھر والوں کا تذکرہ کتاب کے دیباچہ میں اس خلوص اور محبت سے فرمایا" گرامی نامہ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء۔

جناب آل احمد سرور صاحب، پروفیسر اردو، لکھنؤ یونیورسٹی۔

"آپ نے واقعی تحقیق و تلاش، تنقید و تبصرہ سب کا حق ادا کر دیا ہے۔ اصل لطائف تو دراصل زیادہ دلکش نہیں ہیں، ان کی اہمیت تاریخی ہے لیکن ان کا ترجمہ، ان پر حواشی اور پھر انشاپر تمام ضروری مسائل کی شرح، یہ آپ کا کارنامہ ہے، مجھے واقعی اس کارنامے کے شایع ہونے پر بڑی مسرت ہے، اور آپ کی داد دینے کے لئے الفاظ نہیں ملتے، اس بات سے اور خوشی ہے کہ آپ پی ایچ ڈی کرنے کے بعد آرام کرنے کے بجائے برابر تحقیق علم و ادب میں لگی ہوئی ہیں اور اپنی زندگی بالکل اس کام کے لئے وقف کر رکھی ہے، کتاب پر تفصیل سے اردو ادب میں ریویو کروں گا جس میں کچھ وقت لگے گا" گرامی نامہ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۵۵ء

اُردو

جنوری ۱۹۵۶ء

مرتبہ

عبدالحق

انجمن ترقی اُردو پاکستان

لطائف السعادت

یہ مختصر کتاب اردو کے نامور شاعر انشاء اللہ خاں کی تالیف ہے جسے ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ مصنفہ "تحقیقی نوادر" نے مرتب کیا ہے، یہ کتاب اب تک نایاب تھی، خاتون موصوف نے برٹش میوزیم لندن سے اس کا فوٹوگراف حاصل کر کے ترجمے، حواشی اور دیگر متعلقہ معلومات کے ساتھ مرتب کر کے شایع کیا ہے، یہ دراصل نواب سعادت علی کے ۵۵ لطیفوں کا مجموعہ ہے، اصل کتاب کی ضخامت دو جز سے زیادہ نہیں، لیکن انھوں نے انشا کے متعلق بہت سی ضروری معلومات بڑی تحقیق سے جمع کی ہیں، اور بعض تذکرہ نویسوں اور مصنف آبِ حیات نے انشا کے بارے میں جن حالات اور خیالات کا اظہار کیا ہے ان کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر غلط بیانیوں کا پردہ چاک کیا ہے، مختصر رسالہ ان ملحقات کے ساتھ ۱۰۸ صفحہ تک پہنچا ہے، لطیفوں میں کوئی خاص بات نہیں، یہ سب کے سب رعایت لفظی، تجنیس لفظی ایہام، ضلع

جگت پر مبنی ہیں اس تفریح کا رواج اب تک لکھنؤ کی صحبتوں میں پایا جاتا ہے، البتہ ان لطیفوں سے ایک بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ نواب سعادت علی خان ایک خوش طبع، لطیفہ گو اور زندہ دل انسان تھے، اس کتاب کی اشاعت کا اصل مقصد یہی معلوم ہوتا ہے تاکہ اس الزام کو رفع کیا جائے جو آزاد اور دیگر اصحاب نے نواب اور انشا کے خلاف عائد کیا ہے۔

کتاب کا اصل متن ایک صفحہ پر ہے اور اس کا ترجمہ مقابل صفحہ پر اور صفحے کے ذیل میں ضروری نوٹ ہیں، یہ صفحہ ۶۷ پر ختم ہو جاتے ہیں، اس کے بعد ملحقات ہیں جو اصل کتاب کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہیں اور ان کے لکھنے میں پوری تحقیق و تنقید سے کام لیا گیا ہے اور انشا کے خلاف تمام غلط بیانیوں اور الزامات کی تردید کرنے کی کوشش کی گئی ہے، (ا۔ب)

فہرست مضامین

صفحہ

تمہید . . . . ۱ تا وی

فہرست لطائف قلمی . . . . ۱ تا ۴

مطالب کے اعتبار سے لطیفوں کی تقسیم . . . . ۵ تا ۷

رسم خط . . . . ۸ تا ۱۱

فہرست رجال . . . . ۱۲ تا ۱۴

لطائف السعادت متن اور ترجمہ . . . . ۱۶ تا ۶۷

لطائف السعادت . . . . ۶۸ تا ۸۰

وجہ تالیف، خطبۂ کتاب دریائے لطافت (۶۸) ایک شبہہ (۷۵)

انشا کی شرافت نسبی، حیثیت عرفی اور فضیلت علمی . . . . ۸۱ تا ۸۳

دربار کی زبان اور آداب . . . . ۸۳ تا ۸۷

انشا کی بعض عادتیں . . . . ۸۷ تا ۸۸

انشا "آب حیات" میں . . . . ۸۸ تا ۱۱۵

تعلیم و تربیت (۸۸) شاعری کیوں اختیار کی، انشا ناشناسی کا ردّعمل، کثیر الالسنہ (۸۹) اردو دانی فارسی عربی دانی (۹۰) آزاد کا احساس کمتری (۹۱) شیفتہ کی غیر ذمہ داری (۹۴) گلشن بے خار کی وجہ تصنیف (۹۷) قواعد کے پابند مصحفی تھے یا انشا (۱۰۶) مصحفی کے انشا پر اعتراض (۱۰۸) "دو مگر" پر انشا کا اعتراض (۱۰۸) انشا کی زبان دانی پر محمد یحییٰ صاحب تنہا کے اعتراض (۱۱۰) صاحب جلوہ خضر (۱۱۲)

آب حیات میں انشا کے لطیفوں کی حقیقت . . . . ۱۱۵ تا ۱۳۰

ہجر اور ہجر کا لطیفہ (۱۱۵) قایق کے ساتھ لطیفہ (۱۱۸) میر علی صاحب مرثیہ خواں (۱۲۰) سعادت علی خان اور جان بیلی (۲۳) آزاد کے دل و دماغ کی تخلیقی صلاحیتیں (۱۲۶) "انشا کا روزنامہ" از عرشی رامپوری (۱۲۸)

قتیل کے خلوص میں اشتباہ . . . . ۱۳۰ تا ۱۶۳

کیا انشا بے گناہ گوشہ نشینوں اور بزرگوں اور اشرافوں کی ہجو کیا کرتے تھے (۱۳۳) مولوی حیدر علی سندیلوی سے ملاقات (۱۳۶) بعض نصیحتوں پر تنقید میر اور سودا (۱۴۱) صاحب مخزن الغرائب اور انشا (۱۴۵) انشا کی تنقیص (۱۴۵) مصطلحات رنگین کے بارے میں عرشی صاحب کی رائے (۱۴۹) رنگین، انشا اور نوادر الالفاظ کے مصطلحات کا تقابلی مطالعہ (۱۵۳) سوال از آسمان جواب از ریسماں (۱۶۱) رشتہ داروں سے بدسلوکی (۱۶۱) شرم حاضراں و ضبط جزع و فزع انشا کی طبیعت میں کم تھا (۱۶۳)

انشا کے لڑکے . . . . ۱۶۴ تا ۱۷۱

"تحقیقی نوادر" کے متعلق دنیائے اردو کے مشاہیر کی آرا . . . . ۱۷۲ تا ۱۷۷

غلط نامہ ۱۷۸

مآخذ . . . . ۱۷۹ تا ۱۸۰

CATALOGUE

OF THE

PERSIAN MANUSCRIPTS

IN

THE BRITISH MUSEUM

BY

CHARLES RIEW PH. D.

VOL. III

OR. 2021

Foll 16; 9¾ in. by 6; 13 lines, 4⅛ in. long written in Nestalik, with ' Unvan and ruled margins, in the 19th Century.

Witty Sayings of the navvab of Oude, Sa'adath Ali Khan (A. H. 1212—1229) Collected by Sayyid Insha Allah B. Mir Masha Allah Jafari-ul-Husaini-un Najafi.

Beg.

The Collector describes himself as a Murid or disciple of His Highness. A table of the Lathifahs fifty-three in number is prefixed.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"لطائف السعادت" اس مطبوعہ نسخے میں صفحہ ۱۶ سے شروع ہو کر ۶۷ پر ختم ہوتی ہے، یہ جملہ ۵۲ صفحے ہوئے، ان میں سے دائیں طرف کے آدھے صفحوں میں متن اور بائیں طرف کے آدھے صفحوں میں اس کا اردو میں ترجمہ ہے، یعنے لطائف السعادت کے فارسی متن کے ۲۶ صفحے ہوئے۔

لطائف السعادت کے روٹوگراف میں پہلے ورق کا پہلا صفحہ سادہ ہے اور دوسرے صفحے پر ناپ اور نمبر ہے جو حسب ذیل ہے:-

1	2	3	4	5
BRITISH 1		MUSEUM 2		

OR. 2021
P. 16065

دوسرے ورق کے پہلے صفحے پر جو اصل کتاب کا پہلا صفحہ ہے بائیں طرف ہندسوں میں چار سو پینسٹھ اور اس کے نیچے ایک کا ہندسہ لکھا ہوا ہے، پھر ایک انگریزی تحریر اور اس کے نیچے برٹش میوزیم کی مہر ہے:-

465
1

A MODERN WORK, NAME DOUBTFUL
CONTAINS A SERIES OF FACETIOUS
ANECDOTES DEDICATED TO NAWAB
SAADAT ALI KHAN (OF LUCKNOW)

یعنی "ایک جدید تصنیف ہے، نام مشتبہ ہے، مسلسل ظریفانہ لطائف پر مشتمل ہے اور لکھنؤ کے نواب سعادت علی خان کے نام پر معنون ہے"۔

یہ کتاب کا ورق ۱ الف ہے، دوسرے صفحے سے (ورق ۱ ب) فہرست لطائف شروع ہو کر تیسرے صفحے (ورق 2 الف) پر ختم ہوتی ہے، چوتھا صفحہ سادہ ہے اور پانچویں صفحے پر انگریزی کا ایک لفظ MANUSCRIPT (مخطوطہ) لکھا ہوا ہے، چھٹے صفحے (3 ب) سے کتاب کا متن شروع ہو کر ورق 16 الف پر ختم ہوا ہے، یہ ۲۶ صفحے ہوئے۔

لیکن فہرست کے صفحوں کو یعنی پہلے کے دو ورق کو چھوڑ کر ورق ۳ الف یعنی صفحہ ۵ پر ہندسے حج کے برابر ہندسہ (۱) بھی لکھا ہوا ہے۔ اس لحاظ سے کتاب کا متن ورق ۱ب سے شروع ہو کر ورق ۱۴ الف پر ختم ہوتا ہے، مطبوعہ نسخے میں لطائف السعادت کا متن (۲۰) التزام سے لکھا گیا ہے کہ ہر سطر کی ابتدا اسی لفظ سے اور انتہا اسی لفظ پر ہوتی ہے جو اصل نسخے میں ہے، اور متن کے پہلے صفحے کا عکس اصل سائز میں اس لئے کتاب میں شامل کر دیا ہے کہ قارئین کو ردو گراف کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچانے میں کوئی کسر نہ رہ جائے، علاوہ برٹش میوزیم کی فہرست کتب کی انگریزی عبارت بھی اس کتاب میں شامل کر دی گئی ہے۔

ترجمہ اردو ترجمہ تقریباً تحت اللفظ ہے تاکہ فارسی متن سے قریب تر رہے، میں نے ترجمہ بالکل اس قصد سے نہیں لکھا کہ قارئین کو فارسی کے سمجھنے میں آسانی ہو گی، بلکہ میرا تجربہ ہے کہ غیر ملکی زبانوں کے ادب عالیہ کے متعلق مجھے اس وقت تک اعتماد نہیں ہوتا کہ میں اسے جیسا کہ چاہیے سمجھ چکی ہوں جب تک کہ میں اس کا اپنی مادری زبان اردو میں ترجمہ کر کے نہ سمجھ لوں، مثلاً بعض وقت فارسی عبارتیں پڑھ کر مجھے بظاہر اطمینان ہو جاتا ہے کہ میں ان کے مطالب پر حاوی ہو گئی ہوں

لیکن جب ان کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو وہ مہمل ہوتا ہے، یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اگر میں فارسی عبارت کے مطلب کو صحیح طور پر سمجھی ہوتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ترجمہ مہمل ہوتا، اس میں بعض وقت اپنی ناسمجھی یا فارسی عبارت کی بے ربطی کا حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے، چنانچہ یہ ترجمہ میں نے اپنے اطمینان کے لئے کیا ہے، جو قارئین میرے اس اطمینان سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ ترجمے پر بھی ایک نظر ڈال لیں، میں نے ترجمے کی ابتدا میں صفحہ ۷ پر اعتراف کیا ہے کہ "جن ترجموں کے متعلق مجھے شبہہ ہے کہ شاید وہ اصل مفہوم کو صحیح طور پر ادا نہیں کر رہے ہیں، ان پر خط کھینچ دئے ہیں"۔ یعنے جن ترجموں پر خط نہیں کھنچے ہوئے ہیں ان کو میں صحیح ترجمے سمجھتی ہوں، اختیار ہے کہ قارئین انھیں غلط سمجھیں لیکن التماس ہے کہ براہ کرم ان صحیح صورتوں کو میرے استفادے کے لئے لکھ بھیجیں یا شائع کریں۔

ایسے لوگ بھی ضرور ہوں گے جو فارسی کو اپنی مادری زبان اردو سے بالکل بے نیاز ہو کر سمجھ سکتے ہیں اور ایسے بھی جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن وہ فارسی سمجھتے ہیں، انھیں ترجمے کی ضرورت نہیں۔

جو لوگ صرف اردو جانتے ہیں، وہ اطمینان رکھیں کہ مجھ سے فارسی متن کے سمجھنے میں ایسی غلطیاں نہیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے میری فارسی دانی مشکوک ہو گئی ہو یا لطائف السعادت کا مطلب خبط ہو گیا ہو۔

اس کتاب میں بہت سے ایسے مضمون ہیں جن کا تعلق براہ راست "لطائف السعادت" سے نہیں ہے لیکن ان کا تعلق انشا سے ضرور ہے، تذکرۂ آب حیات کی اشاعت کے زمانے سے تاریخ ادب اردو میں سید انشا پر جو ظلم ڈھائے گئے ہیں ان کی نظیر دنیائے اردو میں نہیں ملتی، بعض انشا کے حالات لکھنے والے جن کی نظر میں یا تو صرف آب حیات کی روایتیں قابل سند ہیں یا "تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا"[1] کے بیان کردہ واقعات صحیح ہیں انشا کے معاصرین کے انشا کے بارے میں موافق اور مخالف اقوال اور خود انشا کی تحریروں سے واقعات فراہم کر کے بطور خود ان سے صحیح

---

[1] خوش معرکۂ زیبا: سعادت خان، ناصر تخلص، خلف و تلمیذ مرزا احسن (شاگرد سودا) کے شاگرد تھے ان کا تذکرہ ۱۲۶۳ھ میں مکمل ہوا، لیکن کچھ اضافہ اس کے بعد بھی ہوا ہے، اس میں حکایات بہت ہیں، لیکن ناصر میں تحقیقات کا مادّہ نہیں، راست گفتار ہے یا نہیں اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ نوائے ادب بابت جنوری 1951ء ص ۳۶ حاشیہ

اور بے لاگ نتائج اخذ کرنے سے شاید اس لئے کتراتے ہیں کہ ایک مستند شاعر اور مسلّم ادیب کو ٹھٹول ہنسوڑ اور پھکڑباز کہنے کے مواقع جو غیروں کی ذمے داری پر ہاتھ آئے ہیں، انھیں ہاتھ سے جانے نہ دیں اور اگر کسی نے انشا کے حالات زندگی کو میں وعن جانچنے کی کوشش کی تو اصرار کرتے ہیں کہ انشا کو بے چوں وچرا اپنے زمانے کا سب سے بڑا ٹھٹول، ہنسوڑ اور پھکڑباز مان لینا چاہیے، عام طور پر جب کبھی دنیا میں کسی سنجیدہ اور معقول انسان کا اضافہ ہوتا ہے تو اس کی مخالفت بلکہ شدید ترین مخالفت ہوتی ہے لیکن کسی مسخرے کا اضافہ ہوتا ہے تو دریغ نہیں ہوتا۔

یہ کتاب میں نے اس لئے مرتب کی ہے کہ انسان کو اپنے مفروضات کتنے ہی عزیز کیوں نہ ہوں پھر بھی اس کی فطرت سے حقایق اور شواہد کو تسلیم کر لینے کی صلاحیت مفقود نہیں ہوتی، میں نے انشا کی شخصیت، ان کی شاعری اور ادب کے بارے میں انشا اور انشا کے معاصرین کی تصانیف کا آب حیات اور اس کے بعد کی تصانیف سے موازنہ اور مقابلہ کر کے صحیح فیصلوں تک پہنچنے کی کوشش کی ہے، قارئین میرے دلائل کو پڑھے بغیر انھیں "انشا کی تیج" اور وکالت فرض کر لینے کی بجائے انھیں اول سے آخر تک ضرور پڑھیں، اس کے بعد بھی اگر وہ محسوس کریں کہ انھیں اپنے فیصلے کو بدلنے کی ضرورت نہیں تو مجھے شکایت نہ ہوگی کہ ان کا فیصلہ میری ان تحقیقات کے متعلق "بات کی تیج" اور غیر سنجیدہ اور بے بنیاد ہے۔

مولوی عبدالباری آسی نے "تذکرۂ خندۂ گل" میں لکھا ہے کہ انھوں نے لطائف السعادت دیکھی تھی، لیکن ان کا بیان غمازی کر رہا ہے کہ انھیں مغالطہ ہوا ہے، مرزا محمد عسکری مترجم "تاریخ ادب اردو" اور مرتبین "کلام انشا" نے لطائف السعادت کے بارے میں قیاس آرائیاں کی ہیں، یہاں تک کہ خود پنڈت کیفی دہلوی کا خیال ہے کہ لطائف السعادت کے حرف مرتب کرنے کا خیال انشا کے ذہن میں تھا اور یہ کتاب موجود نہیں، میں نے یہ چاروں اقتباس ذیل میں نقل کئے ہیں:-

(۱) تذکرۂ خندۂ گل از مولوی عبدالباری آسی لکھنوی۔

"انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگین کر دیا تھا، مگر فطرۃً نواب نہایت ہی سادہ مزاج، خاموش متین اور سنجیدہ تھے، اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے سید انشا جدا نہ ہوتے تھے، ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں

لطائف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی یہ انشا کی تصنیف تھی اور اس میں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں، یہ کتاب مدتوں میرے کتب خانے میں رہی اور اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے، اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی، وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ ہنسوڑ، شوخ مزاج اور رند لا ابالی، چنانچہ اس افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہنچی کہ ...."

آسی کا یہ قیاس بالکل غلط ہے کہ (۱) لطائف السعادت میں انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں اور (۱) نواب کے مزاج میں یہ رنگینی انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ ہنسوڑ، شوخ مزاج اور رند لا ابالی" وغیرہ

صفحہ ۵ پر" مطالب کے اعتبار سے لطیفوں کی تقسیم" کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ جملہ ۵۵ لطیفوں میں سے ۲۵ کا انشا سے کوئی تعلق نہیں اور صرف ۷ لطیفے ایسے ہیں جن میں انشا نے پہل کی ہے اور ان کا تعلق بھی صرف انشا اور سعادت علی خان سے نہیں بلکہ ان میں دوسرے مصاحب بھی شریک ہیں، بلکہ کل لطیفوں کے مصنف خود جناب عالی ہیں" انشا لکھتے ہیں کہ "محرر داعی لطائف حضور را جمع نمودہ کتابے جداگانہ ترتیب می نماید" (دریائے لطافت ص ۳۸) تفصیل کے لئے دیکھیں صفحہ ۷۹ - ۸۰ لطائف السعادت

اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ نواب کے مزاج میں رنگینی انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی یا معاملہ برعکس تھا خود لطائف السعادت موجود ہے، کسی اور کی رائے کی احتیاج نہیں ہے۔

(۲) تاریخ ادب اردو از مرزا محمد عسکری، لکھنوی ص ۲۲۰

"ان مطبوعہ کتابوں کے علاوہ دو کتابیں قلمی ابھی دستیاب ہوتی ہیں جن کو سید انشا نے

نے نواب سعادت علی خان کے حکم سے ان کی دلچسپی کے واسطے لکھا تھا، ایک کا نام لطائف السعادت اور دوسری کا نام بحر السعادت ہے، آخر الذکر کا دریائے لطافت سے بھی کچھ تعلق معلوم ہوتا ہے، ممکن ہے کہ اس کا نقش اول ہو"

دریائے لطافت کے چار ناموں "دریائے لطافت، حقیقت اردو، مجوزۂ قتیل اور ارشاد ناظمی و بحر السعادت، مجوزۂ انشا کے نظر میں نہ ہونے کی وجہ سے مرزا عسکری کو جو مغالطہ ہوا ہے وہ ظاہر ہے۔

(۳) "کلام انشا" صفحہ ب ل

"لطائف السعادت ایک مختصر رسالہ جس میں وہ لطائف ہیں جو ان کے اور سعادت علی خان کے درمیان خلوت میں ہوتے تھے"۔

صفحہ ب ک

"سنا گیا ہے کہ انشا نے اس زمانے کے واقعات کو ایک کتاب کی صورت میں جس کا نام "لطائف السعادت" ہے جمع کیا تھا، افسوس کہ وہ ہماری نظر سے نہیں گزری مگر معلوم ہوا ہے کہ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ جامعہ دہلی میں موجود ہے"!

مرتبین کلام انشا کا ایک قیاس کہ "لطائف السعادۃ" ایک مختصر رسالہ ہے غلط نہیں لیکن دوسرا قیاس کہ لطائف السعادت میں وہ لطیفے ہیں جو انشا اور نواب کے درمیان خلوت میں ہوتے تھے بالکل غلط ہے، اور اس کا ماخذ "تذکرہ خندۂ گل" ہے۔

(۴) کیفی صاحب نے "محرر داعی لطائف حضور را جمع نمودہ کتابے جداگانہ ترتیب می نماید" کا ترجمہ کیا ہے۔ "راقم دعا گو کا ارادہ ہے کہ حضور کے لطائف جمع کر کے ایک مستقل کتاب میں مرتب کرے۔" تفصیل کے لئے دیکھیں صفحہ ۹۷

میرے محسن

(جن کے احسانوں کا اگر میں شکریہ ادا نہ کروں تو میری یہ تالیف ناتمام رہ جائیگی)

علی گڑھ میں:-

۱۵- اگست ۱۹۵۰ء کو یوم آزادی ہند کے دن میں پہلی مرتبہ علی گڑھ پہنچی،

میرے ساتھ میرے شوہر محمد خان صاحب بھی تھے، پروفیسر رشید احمد صاحب نے اپنی جبلی مہمان نوازی سے ہماری پذیرائی کی، چار دن ہم رشید صاحب کے مہمان رہے، پھر محمد خان صاحب میسور واپس ہو گئے اور میرے قیام کا انتظام رشید صاحب نے گرلز کالج ہاسٹل میں کرادیا۔

علی گڑھ کے قیام کے زمانے میں (۱۵ر اگست ۱۹۵۰ء تا ۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء) رشید صاحب اور ان کے اہل و عیال نے میرے ساتھ جس ہمدردی اور شفقت سے سلوک کیا اس کی ہمیشہ احسان مند رہوں گی، رشید صاحب باتیں کم کرتے ہیں اور کام بہت بناتے ہیں، کبھی بشیر صاحب مہتمم لٹن لائبریری سے سفارش فرما رہے ہیں کہ کُل ضروری کتابیں مجھے دی جائیں کبھی خود جابجا سے کتابیں فراہم کر رہے ہیں، انشا کے روزنامچے کو جو ترکی زبان میں ہے پڑھوانے کے لئے ترکی سفارت خانے کو وائس چانسلر کے خط کے ساتھ بھیج رہے ہیں، کبھی شعبۂ عربی کے استاد محمد المامون صاحب سے سفارش کر رہے ہیں کہ ہو سکے تو اس ترکی روزنامچے کا اردو میں ترجمہ کردیں، کبھی مسلم گرلز کالج کی پرنسپل صاحبہ کو ہوسٹل میں آسانیاں بہم پہنچانے کے لئے خط دے رہے ہیں، پی ایچ ڈی کے مقالے کی جلد بندی اپنے نوکر سے کروا رہے ہیں، غرض آپ کے احسان گنانے کی کوشش کرنا انھیں محدود ثابت کرنے کی کوشش کرنا ہے، مختصر یہ کہ علی گڑھ میں میرے معاملات کی نگرانی معظمی رشید صاحب کے سپرد تھی اور انھوں نے اپنی فطری ذہانت اور رسوخ سے مجھے بڑا آرام پہنچایا، بیگم رشید صاحب نے بڑی محبت اور شفقت سے میری خبر گیری اور سرپرستی کی بلاناغہ ہفتے میں ایک بار مجھے اپنے یہاں بلالیتیں، دن دن بھر اپنے یہاں ٹھہراتیں، پرتکلف کھانے کھلاتیں، علی گڑھ کے قصے سناتیں، مجھے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے روشناس کراتیں، شہر لے جاتیں، نہایت ہمدردی سے کہتیں، کبھی کبھی سیر و تفریح بھی کر لو، ہمیشہ پڑھتی ہی رہتی ہو، غرض ہر حال میں وہ میری شفیق اور بزرگ تھیں، میں ان کی نہایت ممنون ہوں، رشید صاحب کی تیسری بیٹی منّی بڑی پیاری اور بڑی سادہ مزاج ہیں، ان کا برتاؤ بڑا شریفانہ اور دل موہ لینے والا رہا۔

سید بشیر الدین صاحب علی گڑھ میں علمی کام کرنے والوں کے مربی اور محسن ہیں، وہ مقررہ

اوقات میں ضرور کتب خانے میں ملیں گے، دوستوں کی جماعت ساتھ ہوگی، جس میں اکثر و بیشتر جامعہ کے پروفیسر ہوں گے، یہ ہر ایک کی ضرورتوں کو سنیں گے اور انھیں امکان بھر پورا کرنے کی کوشش کریں گے، مجھ پر انھوں نے بڑے بڑے احسان کئے، علی گڑھ پہنچنے کے دس بارہ دن بعد میں اپنے ڈائرکٹر ڈاکٹر عزیز صاحب کو دکھانے کے لئے انشا سے متعلق تحقیقات لے گئی، وہ دیکھ کر خوش ہوئے میں نے کتب خانے سے واپسی کے وقت بشیر صاحب کو بھی وہ کاغذات دکھائے، فرمایا کہ آپ بڑا تعمیری کام کر رہی ہیں، ہمارے کتب خانے میں آپ کو ہر طرح کا آرام ملے گا اور سب سہولتیں میسر ہوں گی، میرے قیام کے پورے زمانے میں آپ نے ان الفاظ کو حقیقت کر دکھایا، میرے لئے کمیٹی میں یہ طے کرایا کہ مطبوعہ کتابوں کے ساتھ مخطوطے بھی اپنی قیام گاہ پر لے جاسکتی ہوں، لیکن لائبریری میں مخطوطوں کی تعداد چھ سوا چھ ہزار ہے اور انھیں کتب خانے سے باہر لے جانے کی اجازت نہیں، اس کے علاوہ بشیر صاحب نے رامپور کی رضا لائبریری برٹش میوزیم اور سکول آف اورینٹل سٹڈیز سے نایاب قلمی نسخوں کی نقلیں، مبکرو فلم اور روٹوگراف میرے لئے منگوائے۔

لطائف السعادت کا پیش نظر مطبوعہ نسخہ برٹش میوزیم سے منگوائے ہوئے روٹوگراف کی نقل ہے، ۸ر فروری ۱۹۵۱ء میں برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست دیکھ رہی تھی، اس کے نمبر 1/ 2 0 2 1 . ۰۷ میں لطائف السعادت مرتبہ انشا پر نظر پڑی، بشیر صاحب نے میری استدعا پر اسی دن ہوائی ڈاک سے برٹش میوزیم کو خط لکھا اور تقریباً سوا سال بعد ۲۲ر اپریل ۱۹۵۲ء کو مجھے روٹوگراف مل گیا۔

دریائے لطافت میں ہندوستان کے جن مقامات کے نام آئے ہیں ان کا نقشہ میں بنا رہی تھی، بشیر صاحب نے ازراہ کرم دیکھ کر فرمایا کہ شعبۂ جغرافیہ میں میرے لئے فنی نقشہ بنے گا اور بنوا کے دیا اور دہلی میونسپلٹی سے میرے لئے دہلی کا نقشہ منگوایا۔ ڈاکٹر مظفر صاحب شعبۂ جغرافیہ کے صدر ہیں، علمی معاملات میں ان کی تائید کی ضرورت ہوئی اور ان کے پاس پہنچے تو بڑے احترام سے پیش آئیں گے، اور بڑی مستعدی سے مدد کریں گے، اپنے شعبے کی طرف سے تائید چاہنے والے کی ضرورت کی چیزیں تک خریدنے میں دریغ نہ کریں گے، چنانچہ بشیر صاحب

نے ان سے میرا تعارف کرایا، مجھے ایک میکرو فلم پڑھنا تھا، ڈاکٹر مظفر صاحب نے PROJECTING (عکس ڈالنا) کا انتظام کرایا، لیکن میکرو فلم دھندلا اور بلب طاقتور ہونے کی وجہ سے تجربہ کامیاب نہ ہوا، شعبۂ جغرافیہ کے ایک اور استاذ ڈاکٹر یونس صاحب نے اس مشکل کو حل کیا، کہا کہ (SIGHT - SEER) سیٹ سیر سے میکرو فلم پڑھا جاسکتا ہے، صدر شعبہ نے انھیں اسی وقت "سیٹ سیر" خریدنے کے لئے کہا دوسرے دن ہی گئی تو "سیٹ سیر" نہایت مہربانی سے میرے حوالے کیا، فلم پڑھ چکنے کے بعد میں نے "سیٹ سیر" شکرے کے ساتھ واپس کر دیا۔

لطائف السعادت کے اس مطبوعہ نسخے میں میں نے رقعات قتیل قلمی کے حوالے دئے ہیں، یہ نسخہ مجھے کتب خانہ حبیب گنج میں ملا، ۳۰ اگست ۱۹۵۲ء کو معظمی عبید الرحمٰن صاحب کے اہل وعیال کے ساتھ حبیب گنج گئی اور تقریباً ایک ہفتے وہاں قیام کیا اور کتب خانے کی بہت سی نایاب کتابیں دیکھنی نصیب ہوئیں، معظمی عبید الرحمٰن صاحب کی بیگم صاحبہ کا سلوک اور آپ کی رئیسانہ مہمان نوازی کی میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

رامپور میں :۔

مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم رضا لائبریری رامپور نے سید احمد علی یکتا کی دستور الفصاحت کو اپنے مقدمے اور خاتمے کے ساتھ ۱۹۴۳ء میں شائع کیا۔ میں نے یہ کتاب خود عرشی صاحب سے ۱۹۴۶ء کے اوائل میں منگوائی، یہی پہلا خط تھا جو میں نے عرشی صاحب کو لکھا تھا، انھوں نے کتاب بھیجی اور ساتھ ہی خط لکھا کہ میں کتاب کے بارے میں اپنی رائے لکھ بھیجوں، میں نے جو رائے بھیجی تھی اس کو خود عرشی صاحب نے رسالہ "برہان" دہلی بابت اپریل ۱۹۴۷ء میں "دستور الفصاحت (اس کی ترتیب اور حواشی پر ایک تنقیدی نظر)" کے عنوان سے شایع کرایا، پھر یہ تبصرہ ۲۱ دسمبر ۱۹۴۹ء میں "تحقیقی نوادر" میں شایع ہوا، عرشی صاحب اپنے خط مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۴۷ء میں لکھتے ہیں:۔

"آپ نے جس محنت اور دیدہ ریزی سے اس تبصرے کو لکھا ہے اس کی قدر و قیمت اور کوئی جانے یا نہ جانے میں خوب جاننا پہچانتا ہوں آخر میرا کام ہی دن رات

کا یہ ہے .... یہ مضمون رکھا کیوں رہا حالانکہ میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اسے
پاتے ہی رسالہ برہان دہلی کو بھیجوں گا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے تبصرہ کرتے
وقت مجھے مخاطب بنایا اور اس تعلق کی بنا پر جو ہم قومی اور ہم ذوقی نے میرے
آپ کے درمیان پیدا کر دیا ہے، کچھ ایسی کھری کھری بھی سنا دیں جو عالم آشکار
ہونے کے قابل نہ تھیں، آپ فوراً سوچیں گی اور کہیں گی کہ دیکھا نہ سچی بات برداشت
نہ ہو سکی اور میں نے جو ایک ایک کر کے میاں کی غلطیاں نکال کر رکھ دیں تو لگے کونے
جھانکنے اور باتیں بنانے۔

حاشا و کلا کہ یہ بات ہو، میں تو اپنی کوتاہیاں اجاگر ہونے سے خوش ہوتا ہوں،
چنانچہ مضمون آج بھیج رہا ہوں اور انشاء اللہ وہ سب باتیں خود بھی پڑھوں گا اور
دوسروں کے پڑھنے کا باعث بنوں گا۔ اصل میں آپ نے اس میں میری بعض ایسی
کوتاہیاں پکڑی ہیں جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں ..... پہلے میں نے سوچا
کہ ان حصوں کو قلم زد کر دوں، مگر یہ بد دیانتی تھی، خیال کیا کہ آپ کو لکھ کر اجازت
حاصل کر لوں، اتفاق دیکھئے کہ اس عرصے میں تقریباً ایک ہفتہ یا اس سے کچھ زیادہ
ایک انگریزی مضمون کی تیاری میں لگ گیا اور یہ مسئلہ ذہن سے نکل گیا، اب جو یاد
آیا تو دیر ہو چکی تھی، آخر آج میں نے یہی طے کر لیا کہ مضمون جوں کا توں اشاعت
کے لئے روانہ کر دوں، سوچا یہ کہ اگر آپ کے سوا[1] کوئی اور یہ باتیں لکھتا تو مجھے اشاعت
کے بعد خبر ہوتی اس وقت میں کس طرح اسے روک سکتا تھا، اب کہ آپ نے

---

[1] حالی نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:- (قطعات حالی)

لایق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید ٭ عیب ان کے دوست کیوں نہ جتائیں گے بے خطر
اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب ٭ وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہوں گے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یہاں ٭ موقوف عبرت ان کی نہ دشمن نہ دوست پر

ازراہِ لطف قبل اشاعت مجھے تبصرہ بھیج دیا ہے، کیوں اپنے رشتۂ وداد سے فائدہ اٹھاؤں، غلطی دانستہ ہو یا نادانستہ، مجبوراً سرزد ہوئی ہو یا اختیار سے بہرحال غلطی ہے اور اس کے مرتکب کو اس کی مناسب سزا بھی بھگتنا چاہیئے، چنانچہ تبصرہ آج روانہ کردیا اور مدیر رسالہ کو لکھ دیا ہے کہ اشاعت والی کاپی آپ کی خدمت میں بھی ارسال کی جائے ...."

پھر خط مورخہ ۲ر فروری ۱۹۶۷ء میں لکھتے ہیں :۔

"میں نے آپ کا تبصرہ رسالہ برہان دہلی کو بھیج دیا تھا، ۲۴ر جنوری کو اس کی رسید بھی آگئی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم۔ اے، مدیر برہان نے آپ کے متعلق جو لکھا ہے اس کے جستہ جستہ فقرے سنانے کو دل چاہا ...... اچھا اب ان کی سنئے :۔

'مقالہ دیکھ کر بڑی مسرت اسی احساس سے ہوئی کہ ہمارے ملک میں اور خصوصاً مسلمان خواتین میں افسانہ نگار اور ادب لطیف پر خامہ فرسائی کرنے والی ہی نہیں بلکہ ایسی بھی ہیں جو ایک مشہور ادبی کارنامے پر سنجیدہ اور متین تنقید بھی کرسکتی ہیں کثر اللہ امثالہا۔'

عرشی صاحب نے اپنے ان خطوط میں حق بینی، حق شناسی اور حق گوئی کا جو معیار اپنے قول اور عمل سے پیش کیا ہے، میرا یہ دعویٰ نہیں کہ یہ دنیائے اردو میں عدیم النظیر ہے، لیکن بعض دوسرے ادیبوں کے تاثرات میرے تبصروں کے بارے میں جو میں نے ان کی تحریروں پر لکھے اور انھیں کو بھیجے تھے عرشی صاحب کے تاثرات سے بالکل مختلف تھے، انھوں نے جواباً یہ تو نہیں لکھا کہ میرے تبصرے غلط ہیں، لیکن دنیائے اردو کو ان سے فائدہ بھی اٹھانے نہ دیا۔

ان کی مثال ایسی ہے کہ کسی طبیب نے ایک معجون بنائی لیکن ترکیب غتربود ہوگئی اور قوام بگڑ گیا، اب جس کو بھی وہ معجون کھائی جاتی ہے اس پر اس کا اثر الٹا ہوتا ہے، سب سے پہلے طبیب ہی کو معجون کے اس نقص کی طرف توجہ ہونی چاہیئے تھی لیکن وہ خود توجہ نہ کرسکا، کسی دوسرے نے جب ہر طرح سے طبیب ہی کو یقین دلایا کہ معجون زہر بن گئی ہے تو طبیب نے کہا کہ اس معجون پر میری اتنی محنت اور اتنا روپیہ خرچ ہوا ہے، مریض مرجائیں تو طبابت کے عیب کو مٹی چھپالیتی ہے لیکن معجون دفن کردی

جائے تو اس میں شہرت اور روپے کا خون ہوتا ہے، البتہ جب دوبارہ بنے گی تو اپنی طرف سے بھی احتیاط برتی جائے گی اور آپ کے بتائے ہوئے نقائص کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ یعنے" دوسرے اڈیشن کے موقع پر اس سے استفادہ کیا جائیگا" اب بمصداق کس بِرتے پر تتا پانی چوں کہ پہلے اڈیشن کے زہر کے ایک ایک قطرے کو پوری احتیاط کے ساتھ ضایع ہونے سے بچا لیا گیا تھا اور دی یا تقلیدی طور پر اس کتاب کی شہرت اس قدر گھٹ جاتی ہے کہ دوسرے اڈیشن کی نوبت ہی نہیں آتی، اب اگر وہ کتاب جو شایع کی گئی تھی خود شایع کرنے والے کی تصنیف یا تالیف ہے تو وہ اکیلا ڈوبا اور اگر کسی دوسرے کی تھی تو اس کو بھی لے ڈوبا۔ لیکن یہ مثال کوئی کلیہ نہیں، ظاہر ہے کہ عرشی صاحب اس سے مستثنیٰ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس صفت میں عرشی صاحب منفرد نہیں ممکن ہے کہ مجھے اپنی آئندہ ادبی زندگی میں ایسے کئی اور ادیبوں کا پتا چلے، اب تک اردو کے اکثر ادیبوں کی تحریروں پر مذکورہ قسم کے تبصرے لکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور اگر ہوئی تو لا محالہ دنیاے اردو عرشی صاحب کے سے راست گفتار اور راست کردار ادیبوں سے واقف ہو سکے گی، قارئین سے میری استدعا ہے کہ اگر وہ اردو ادب میں عرشی صاحب کے سے معاصرین سے واقف ہیں تو ان کی راست گفتاری اور راست کرداری کو شایع کریں، تاکہ ادبی دیانت داری اور خود پرستی کے مقابلے میں حق پرستی کا معیار ایسی قابل رشک مثالوں سے دنیاے اردو میں اپنی موجودہ سطح سے بہت بلند ہو جائے، جس کی شدید ضرورت ہے۔

میں نے قارئین سے یہ استدعا اس لئے کی ہے کہ مجھے تجربہ اور یقین ہے کہ کوئی اول درجے کا ادیب بھی اپنے آپ کو غلطیوں سے مبرّا نہیں سمجھ سکتا، لیکن اس امر کے ثبوت ملنے مشکل ہیں کہ معاصرین میں سے واقعی کتنے ادیبوں کو اس انسانی کمزوری کے اعتراف کے مواقع حاصل ہوئے ہیں، سب جانتے ہیں کہ ادیب کی زندگی کا مقصد دنیا میں حقیقتوں کو تلاش کرنا اور دنیا والوں کو ان سے روشناس کرانا ہے ان پر پردہ ڈالنا یا اپنی شخصیت کو حقیقت پر فوقیت دینا نہیں، اس ضمن میں عرشی صاحب کی یہ تحریر یاد رکھنے کے قابل ہے :-

" میں بہر حال انسانی سہو و نسیان کو ایک پائندہ اور رواں دواں حقیقت مانتا ہوں اور ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ خدا نے اپنے فیض کے سوتے بند نہیں کئے، یہی وجہ ہے کہ جب کچھ

لکھتا ہوں اپنے مخلص احباب سے خواہش کرتا ہوں کہ مجھے اغلاط پر متنبہ کریں، اور خدا نے انھیں جو علم عطا کیا ہے اس کی زکوۃ اس طرح ادا کریں کہ نئے معلومات سے میں بہرہ یاب ہو جاؤں"

(مکتوب مورخہ ۱۷ جون ۱۹۴۶ء)

اس مقام پر حالی نے "یادگار غالب" میں مرزا کی "حق پسندی" کے ضمن میں جو آخری پیراگراف لکھا ہے اس کا نقل کرنا ناگزیر ہے :—

"ان باتوں کے بیان کرنے سے مرزا کی لغزشیں خلقت کو دکھانی مقصود نہیں بلکہ انصاف اور حق پسندی کی شریف خصلت اور وہ ملکہ جس کے بغیر انسان کبھی ترقی نہیں کر سکتا مرزا کی ذات میں دکھانا مقصود ہے، جن لوگوں میں اپنی غلطی تسلیم کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی ان کا اپنے فن میں ترقی کرنا ناممکن ہے"

اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی فن میں ترقی کے اس درجے پر پہنچ چکے ہیں جس سے اونچا کوئی درجہ نہیں ہو سکتا وہ نہ حالی کے مخاطب ہیں نہ میرے۔

یہ عرشی صاحب کے غائبانہ سلوک کا تذکرہ ہے، ان سے ملاقات کر کے دیکھئے، وہ شرافت انسانی اور اس کے جملہ لوازم کا مجسمہ ثابت ہوں گے، میں اور محمد خان صاحب مئی ۱۹۵۲ء کے آخری ہفتے میں رامپور گئے اور دو ہفتے وہاں قیام کیا۔

رضا لائبریری میں دریائے لطافت کے تین نسخے ہیں :—

(۱) تکملہ بلاغت فارسی نمبر ۶۶ - دریائے لطافت (ق)

(۲) " " - نمبر ۶۷ - دریائے لطافت میر انشاء اللہ خان قلمی (انشا و قتیل)

(۳) بلاغت فارسی - نمبر ۷۰ - لطائف السعادت، میر انشاء اللہ خان مرحوم، ہذا کتاب لطائف السعادت من المملوکات احقر الطالبین زین العابدین عفی عنہ العبد - (مولفہ: یہ اصل میں دریائے لطافت کے دردانۂ اول کی نقل ہے)

میں نے دریائے لطافت کے مرشد آبادی نسخے سے ان تین نسخوں کو مطابق کیا اور اختلاف نقل کر لئے، اس کے علاوہ انشا کے ترکی روزنامچے کی بھی نقل لی ہے۔

علی گڑھ سے میں نے عرشی صاحب کو لکھا کہ کسی عمدہ ہوٹل میں ہمارے ٹھہرنے کا انتظام کر دیں عرشی صاحب کا جواب آیا کہ :۔

محترمہ بہن۔ آپ کے قیام کا انتظام خود میرے یہاں ہوگا، مگر افسوس یہ ہے کہ حالات کی ناسازگاری کے باعث مردانہ مکان نہ بن سکا، اس لئے بھائی صاحب کو میرے ایک عزیز کی نشست گاہ میں جو میرے مکان سے ۲۰، ۲۵ قدم کے فاصلے پر ہے قیام کرنا پڑے گا، یہ صورت میرے لئے بہت ہی ذہنی اذیت کا باعث ہے کہ انھیں دوسری جگہ اتار رہا ہوں مگر کیا کروں کہ کوئی دوسری صورت اس سے بہتر نہیں۔

اب آپ پہلے مجھے یہ اطلاع دیجئے کہ آپ کا پردہ رواجی ہے یا شرعی، اگر رواجی ہو تو ویسا انتظام کیا جائے، نیز روانگی سے قبل یہ بھی بتایئے کہ آپ کس وقت اور کس تاریخ کو کون سی گاڑی سے رامپور پہنچ رہی ہیں، تاکہ آپ کا بھتیجا اکبر علی آپ کے استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچ جائے، اس کا حلیہ یہ ہے، قد اوسط، چھریرا بدن، گندمی رنگ، چھوٹی چھوٹی مونچھیں، قدرے بڑی آنکھیں، سیاہ سرج کی ٹوپی رامپوری اوڑھتا ہے، اور سر پر انگریزی بال رکھتا ہے، اب آپ بھائی صاحب کی کوئی خاص پہچان لکھ بھیجئے تاکہ اسے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو، میں خط کا منتظر رہوں گا، آپ کی بھاوج دعا کہتی ہیں اور مشتاق ملاقات ہیں، بھتیجیاں اور بھتیجے آداب عرض کرتے ہیں۔ مخلص عرشی (۱۹ مئی ۱۹۵۲ء)

ہم نے دو چار دن کے لئے سفر ملتوی کر دیا تو عرشی صاحب کا دوسرا خط وصول ہوا :۔

محترمہ بہن۔ سلمک اللہ، تمہارے خط کا جواب دوسرے ہی دن دے چکا ہوں اور اپنے بیوی بچوں سمیت منتظر ہوں کہ کس دن کونسی ٹرین سے آ رہی ہو، مگر ہنوز تمہاری طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی اس سے یہ خطرہ دل میں گزر رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ میرا خط نہ پہنچا ہو چنانچہ اس خط میں اس کا مفہوم دہراتا ہوں ..... یہاں ہم سب برابر انتظار کر رہے ہیں، بیوی اپنی نند کو، اور بچے اپنی پھوپی اور میرے ماموں صاحب اپنی بھانجی کو دیکھنے کے مشتاق ہیں، مخلص عرشی (۲۴ مئی)

یہ خطوط اس امر کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں کہ عرشی صاحب نے ہماری کس خلوص سے پذیرائی اور

مہمانداری کی، رمضان کا مہینہ تھا موسم اور سفر کے لحاظ سے ہم روزہ نہیں رکھتے تھے، اور عرشی صاحب کا گھر کا گھر روزہ دار، عرشی صاحب خود علی الصباح ہمارے لئے پر تکلف ناشتے کا اہتمام کرتے اور سات بجے سے پہلے ہم ناشتے سے فارغ ہو جاتے، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ علمی گفتگو رہتی پھر ہم قلعے کو جہاں رضا لائبریری ہے روانہ ہو جاتے، اور حامد منزل کے پرسکون اور پر فضا برآمدے میں بیٹھے ہوتے، کتب خانہ دس بجے کھلتا ہے اور شام کے چار بجے بند ہوتا ہے، عرشی صاحب ٹھیک دس بجے تشریف لاتے اور ہم ان کیساتھ کتب خانے میں داخل ہو جاتے اور چار بجے کے بعد نکلتے تھے، ہم دونوں کا دوپہر کا کھانا گھر سے کتب خانہ پہنچ جاتا تھا، شام کا کھانا مغرب کی نماز کے بعد بجے، عرشی صاحب محمد خان صاحب اور میں ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔

عرشی صاحب نے اپنی زیر تصنیف و تالیف جو کتابیں ہمیں بتائیں ان میں غالب کے فارسی قطعات کا ایک ضخیم مجموعہ بھی ہے، میرے نقطۂ نظر سے یہ نہایت اہم ہے اور اس کو جلد از جلد طبع ہو جانا چاہیے۔

حاصل یہ کہ عرشی صاحب نے علم و ادب میں جیسی حق بینی حق شناسی اور حق گوئی کا ثبوت دیا تھا ویسی ہی مخلصانہ اور بزرگانہ شفقت کا انھوں نے مہمانداری میں ثبوت دیا، اللہ جل شانہ انھیں اور ان کے اہل و عیال کو دین و دنیا میں کامیاب کرے، آمین

الہ آباد میں:۔

آزاد آب حیات میں انشا کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

"باپ کیلئے مثال دے سکتے ہیں کہ عزیز بیٹے کو اس خوبصورتی سے تعلیم کیا، مگر بیٹا جو جوہر دار طبیعت اپنے ساتھ لایا تھا اس کی مثال نہیں"۔

آزاد کے اسلوب بیان کے تتبع میں میں یہ کہتی ہوں کہ "مخدومی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کے شاگرد جو جوہر دار طبیعتیں اپنے ساتھ لائے ہیں ان کیلئے مثالیں دے سکتے ہیں، مگر صدیقی صاحب نے عزیز شاگردوں کو جس خوبصورتی سے تعلیم کیا ہے، فی زمانہ اس کی مثالیں شاذونادر ہیں، جہاں تک میرا اپنا معاملہ ہے صدیقی صاحب کی مجھ پر پدرانہ شفقتیں اور عنایتیں رہی ہیں

میں نے سب سے پہلے ۱۹۴۵ء میں "انشا اور قواعد اردو" سے متعلق میرے مضامین صدیقی صاحب

کو بھیجے تھے۔ انھوں نے اپنے گرامی نامے مورخہ ۸ رجون ۱۹۴۵ء میں تحریر فرمایا کہ:-

"آپ کے بھیجے ہوئے اوراق میں نے پڑھے بہت جی خوش ہوا کہ ایسے خشک مضمون سے آپ کو دلچسپی ہے اور اس میں آپ کی نظر گہری ہے۔"

اس جملے نے میرا دل بڑھایا، اور میں دو سال تک اپنے مضامین صدیقی صاحب کو بھیجتی اور آپ کی اصلاحوں اور مشوروں سے مستفید ہوتی رہی، لیکن ۱۵ ر اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد تقریباً دو سال تک صدیقی صاحب سے میری مراسلت بند رہی لیکن اس عرصے میں انھیں میری خیریت دریافت کرنے کا برابر خیال رہا۔ ۱۹۴۹ء میں جب پروفیسر رشید احمد صدیقی اور پروفیسر آل احمد سرور کو جامعۂ میسور نے مہاراجا کالج میسور کے لئے ایک پروفیسر کا انتخاب کرنے کے لئے مدعو کیا تھا اور وہ میسور آرہے تھے تو صدیقی صاحب نے ان پروفیسروں سے خواہش کی کہ وہ میرے حالات دریافت کرتے آئیں، چنانچہ یہ دونوں پروفیسر ۲۹ رمئی ۱۹۴۹ء کو شہر میسور میں میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور صدیقی صاحب کو جا سنایا کہ میں نے دو سال کے عرصے میں دریائے لطافت کے متعلق کافی تحقیقات کرلی ہیں، چناں چہ صدیقی صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ ۲۹ ر اگست ۱۹۴۹ء میں لکھا کہ:-

"...... اردو زبان پر کام کرنے والوں کے لئے آپ کی کتاب بہت بیش بہا ہوگی"

پھر میں نے صدیقی صاحب سے دریافت کیا کہ میری یہ سعی پی ایچ ڈی کی سند کے لئے پیش ہوسکتی ہے یا نہیں، آپ نے مشورہ دیا کہ:-

"آپ علی گڑھ یونی ورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کی سند حاصل کریں ...... یہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں کہ آپ دریائے لطافت پر کام کریں وہی آپ کا مقالہ فضیلت قرار پاسکتا ہے (مورخہ ۲۶ ر ستمبر ۱۹۴۹ء)

میری پہلی تصنیف کا نام "تحقیقی نوادر" صدیقی صاحب ہی کا عطیہ ہے۔ علی گڑھ میں قیام کے زمانے میں صدیقی صاحب نے دریائے لطافت کو اڈٹ کرنے میں جو نادر اور بے نظیر مشورے مجھے دئے ہیں ان کے بارے میں ان اصحاب سے کچھ کہنا غیر ضروری ہے جو صدیقی صاحب کے تبحر علمی سے واقف ہیں اس قسم کے تحقیقی کاموں میں صدیقی صاحب کی امداد اور اعانت حاصل کرچکے ہیں۔

صدیقی صاحب کی اس ادبی اعانت اور پدرانہ شفقت کا سلسلہ میرے حق میں آج تک بحال ہے اور انشاءاللہ بحال رہے گا۔ میں نے لطائف السعادت کے متن کے جن مشکل اور مبہم مقامات کی تشریح اور وضاحت میں صدیقی صاحب سے استفادہ کیا ہے ان کا ذکر حواشی میں کر دیا ہے۔

آمنہ خاتون

مورخہ ۱ ر نومبر ۱۹۵۵ء

فہرست لطائف قلمی

مسلسل اعداد	فہرست کے اعداد قلمی نسخے میں	
۱	۱	درباب مُسرف روغن خوشبو شعرا بلے کو
۲	۲	در شکایت آب شور دہلی گفتن دال نہ گلی ہوگی
۳	۳	در بزرگی قلمدان کنایہ گفتن
۴	۴	سیدے امام باغ را امام باپ گفتن و سیدامان دادن
۵	۵	اجارہ را بامالی گفتن مناسبت بنام
۶	۶	کنایہ بر مدچشم اعنی چشم حضرت
۷	۷	معنی نقیر فخیر نکر آیہ و حدیث
۸	۸	درباب مداخلت گفتن خط غلط املا غلط انشا غلط
۹	۹	درباب ناسدانی ناس کا سیتاناس قل اعوذ
۱۰	۱۰	بمعنی لم یرحم الصغیر لم یرحم الکبیر فلیس منی
۱۱	۱۱	سردار گھونسلا را گھونسلا گفتن
۱۲	۱۲	شیطان ذات اسپ را جذف میم گفتن
۱۳	۱۳	بوزن کردن ترازو لفظ سبک گفتن
۱۴	۱۴	درباب اُمیدوار گفتن کہ منع نہ کردم
۱۵	۱۵	بدون گفتن سائل درخواست شناختن
۱۶	۱۶	درباب تارک تریاک گفتن سبحان اللہ
۱۷	۱۷	درباب عدم ملاقات کہ من چون شمس واو مذبذب
۱۸	x	درباب حبشی ابیض اللون

۱۹	۱۸	سیدے برخود لعنت کرد دیگرے گفت بیش باد غصہ کردن
۲۰	۱۹	درجواب سخت درگیرم تبسم کردن
۲۱	۲۰	بآواز خفیف ٹانگ کا ٹوٹا گفتن سیون ادھڑی
۲۲	۲۱	نوروز لبسواری موش گفتن برائے قمع
۲۳	۲۲	درباب کسے گفتن جھاڑا لینگے تب کھیر کھا
۲۴	۲۳	صداقت رویت، تو کار زمین را الخ
۲۵	۲۴	درباب گذاشتن کفش زرین
۲۶	۲۵	حسین علی خان مانند پتھری کے نکل گیا کوٹھی کے مقام
۲۷	۲۶	بافتادہ گفتن کہاں پھسل پڑے
۲۸	۲۷	درباب گرسنہ مردمان اوپر تلے بیٹھے ہوں گے۔
۲۹	۲۸	درباب خشکی نالہ تمہارا خشک نہ ہو
۳۰	۲۹	نیت شفا رقص پاخانہ گفتن گوگا پیر
۳۱	۳۰	درباب غسل جنابت منی نور غسل والبس
۳۲	۳۱	عبارت روغن فاز پھسلاؤ کردن مغلبہ
۳۳	۳۲	چوب برناف دیگر نہادن وشعر خواندن
۳۴	۳۳	ڈونگی نہ ہو تو لٹیا پر سوار ہو
۳۵	۳۴	کلام شامی مانند قصر پنچھورا
۳۶	۳۵	درباب کا نا کنونڈا اصطلاح شد
۳۸	۳۷	ضمایر رمل بعینہ بیان کردن
۳۷	۳۶	درباب خربوزہ ایسا برا اور کیتھے
۳۹	۳۷	دربیان معنی چہ چہ
۴۰	۳۸	درغسل ناند انڈا کھڑکا ہوا ہے

۴۱	۳۹	جواب رات کی پڑی اب وہ کہاں
۴۲	۴۰	باغ کا بیھپل وکنایہ ترپھلا
۴۳	۴۱	شمشیر طمع ندارد مثل دیگراں
۴۴	۴۲	طپانچہ گندہ ورم آماسیدہ دوا دارد
۴۵	۴۳	تذکرہ شعر مولوی روم علم نامعقول انبیا
۴۶	۴۴	ایک بیر دو بیر کھانا
۴۷	۴۵	سنگ لعل بے بہا بلکہ ڈوریا لال بیگی
۴۸	۴۶	درباب چون وچرا کنایہ
۴۹	۴۷	درباب ماننا دوشنبہ کو
۵۰	۴۸	درنام خجستہ نسائیت ومردیت
۵۲	۵۰	الو کا بچہ اور دادا لگنا
۵۱	۴۹	تمہارے واسطے موٹا کہاں سے لائے
۵۳	۵۱	فرق خوجہ وخواجہ بالف
۵۴	۵۲	مصرع آنچہ آدم می کند بوزینہ ہم
۵۵	۵۳	کسے محقق گفت جواب بلکہ محقق طوسی

اس فہرست کے بہت سے عنوان مبہم ہیں اگر پہلے سے ان لطیفوں کا علم نہ ہو تو تقریباً ایک تہائی عنوانوں سے متعلق لطیفوں کے مطالب کا اندازہ نہیں ہو سکتا مثلاً (۵) "اجارہ رابابائی گفتن مناسبت بنام یا (۱) "سردار گھونسلا را گھونسلا گفتن یا (۲۲) "فرد درنسواری موتش گفتن برائے قمع" یا (۳۰) "نیت شفا رقص پاخانہ گفتن گوگا پیر" وغیرہ اور بعض عنوان غلط ہیں مثلاً (۱۰) "بعضی لم یرحم الصغیر لم یرحم الکبیر فلیس منی" بعض عنوانوں میں صرف بے ترکیب لفظ ہیں مثلاً (۴۴) "طپانچہ گندہ ورم آماسیدہ دوا دارد" اور کہیں غیر متعلق لفظ بڑھا دئے ہیں (۴) "سیدے امام باغ را امام باپ گفتن و سیدامان دادن" اس میں "سیدامان دادن" غیر متعلق ہے بعض جگہ ترکیب غلط ہے۔ مثلاً (۱۳) "بوزن کردن تراز و لفظ بک گفتن" غرض لطیفے کے پورے لفظ جب تک نظر میں نہ ہوں کئی عنوانوں کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اکثر عنوان اگرچہ مختصر ہیں لیکن صاف اور واضح ہیں مثلاً عنوان نمبر ۱، ۲، ۳، ۷، ۸، ۹، وغیرہ۔ اگر یہ فہرست انشا نے لکھی ہے تو میرا شبہ ہے کہ اس میں کاتب نے خاطر خواہ تصرف کیا ہے۔

"لطائف السعادت" میں جملہ ۵۵ (پچپن) لطیفے ہیں لیکن مخطوطے اور اس کی فہرست میں آخری لطیفے پر عدد ۵۳ (ترپن) لکھا ہوا ہے۔ دو لطیفے گنتی میں اس لئے کم ہو گئے کہ سترھویں لطیفے (درباب عدم ملاقات کہ من چوں شمس داو مذبذب) کے بعد اٹھارھویں[۱۸] لطیفے (درباب جبنتی ابیض اللون) پر کاتب کی نظر نہیں پڑی اور اس نے انیسویں[۱۹] لطیفے (سیدے بر خود لعنت کرد دیگرے گفت بیش باد غصہ کردن) پر عدد اٹھارہ لکھدیا۔ اسطرح ایک لطیفہ کم ہو گیا۔ پھر سینتیسویں[۳۷] لطیفے (ضمایر رمل بعینہ بیان کردن) کے بعد اڑتیسویں[۳۸] لطیفے (دربیان معنی چہ چہ) پر دوبارہ عدد ۳۷ (سینتیس) اور انتالیسویں لطیفے (درغسل ناندانڈا کھڑکا ہوا ہے) پر عدد ۳۸ (اڑتیس) لکھ دیا اس لئے گنتی میں ایک اور عدد کم ہو گیا یعنے:—

۳۶ — ۳۵ درباب کاناکنونڈا اصطلاح شد
۳۷ — ۳۶ درباب خربوزہ ایسا برا اور کیتھے
۳۸ — ۳۷ ضمایر رمل بعینہ بیان کردن
۳۹ — ۳۷ دربیان معنی چہ چہ
۴۰ — ۳۸ درغسل ناندانڈا کھڑکا ہوا ہے

لیکن ظاہر ہے کہ کاتب نے فہرست میں پینتیس[۳۵] سے اڑتیس[۳۸] تک لطیفوں کو مقدم و موخر کر دیا ہے یعنے:—

۳۶ — ۳۵ درباب کاناکنونڈا اصطلاح شد
۳۸ — ۳۷ ضمایر رمل بعینہ بیان کردن
۳۷ — ۳۶ درباب خربوزہ ایسا برا اور کیتھے
۳۹ — ۳۷ دربیان معنی چہ چہ
۴۰ — ۳۸ درغسل ناندانڈا کھڑکا ہوا ہے

اسی طرح آخر کے تین لطیفوں (۴۸ تا ۵۰) میں بھی فہرست میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے یعنے:—

۵۰ — ۴۸ درنام خجستہ لنسائیت و مردیت
۵۱ — ۴۹ تمہارے واسطے موٹا کہاں سے لائے
۵۲ — ۵۰ الو کا بچہ اور دادا لگنا

کی بجائے

۵۰ — ۴۸ درنام خجستہ لنسائیت و مردیت
۵۲ — ۵۱ الو کا بچہ اور دادا لگنا
۵۱ — ۴۹ تمہارے واسطے موٹا کہاں سے لائے

لکھنے میں۔

مطالب کے اعتبار سے لطیفوں کی تقسیم

مطالب کے اعتبار سے ان پچپن

مطالب کے اعتبار سے ان پچپن (۵۵) لطیفوں کو ذیل کے عنوانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :-

I وہ لطیفے جن کا موضوع انشا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ جن میں سعادت علی خاں نے انشا کا مذاق اڑایا ہے

۲، ۶، ۸، ۹، ۱۳، ۲۰، ۲۳، ۲۵، ۳۰، ۳۴، ۳۵، ۴۰، ۵۱، ۵۴ ۔۔۔ = ۱۴

(۲) وہ جن میں سعادت علی خاں نے انشا کی قدردانی کی ہے۔

۴، ۱۵، ۱۹، ۲۶، ۳۸ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ = ۵

II وہ لطیفے جن میں انشا کا بھی کچھ حصہ ہے

۱۶، ۲۱، ۲۲، ۴۲ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ = ۴

III وہ لطیفے جن میں انشا نے پہل کی

۲۸، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۴۱، ۴۵، ۵۰ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ = ۷

IV وہ لطیفے جن کے ماحول میں، انشا موجود تھے لیکن لطیفوں سے ان کا تعلق نہیں۔

۱، ۳، ۵، ۷، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۷، ۱۸، ۲۴، ۲۷، ۳۹، ۳۶،

۳۷، ۳۹، ۴۳، ۴۴، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۲، ۵۳، ۵۵ ۔۔۔۔۔ ۲۵/۵۵

لطیفوں کے جو عنوان تجویز کئے گئے ہیں ان کی وضاحت کے لئے ہر عنوان کی ایک ایک مثال ذیل میں درج ہے :-

I (۱) وہ جن میں سعادت علی خان نے انشا کا مذاق اڑایا ہے

لطیفہ (۲) شاہ جہاں آباد کا مذکور آیا۔ میں نے عرض کیا کہ ان دنوں وہاں کا پانی اس قدر کھاری ہے کہ اکثر عورتوں کو میں نے دیکھا ہے یوں بھیک مانگتی ہیں۔ اے فلانے تیرے بچے سلامت رہیں۔ ان کے قربان جائیں۔ ایک سیر پانی دال پکانے کے لئے دیدے۔

ارشاد ہوا، شاید تمہاری وہاں دال نہ گلی ہوگی"

(2) وہ جن میں سعادت علی خان نے انشا کی قدردانی کی ہے۔

لطیفہ ۴: "چاہتا تھا کہ امام باغ کہوں حسب اتفاق امام باپ میری زبان سے نکلا، خوب مسکرائے، عرض کیا، بہت نادم ہوں، فرمایا تم پیغمبر زادے ہو۔

امام باپ اگر تمہاری زبان سے نکلا تو کیا ہوا مضایقہ"

II وہ لطیفے جن میں انشا کا بھی کچھ حصہ ہے۔

لطیفہ ۱۶۔ ایک دبلے سے بہت ہنسنے والے شخص نے جو مشاہیر کے زمرے سے ہے عرض کیا کہ آج میں نے افیم چھوڑ دی۔ ارشاد ہوا، قبض ہو جائیگا۔ میں نے عرض کیا بلکہ بسط۔ اس شخص نے عرض کیا پھر عمر بھر اس کے پاس نہ پھٹکوں گا۔ ارشاد ہوا۔ اگر تمہارا دل یاری دے۔ سبحان اللہ اس میں ایک لطیفہ ہے۔ پوشیدہ کہ سمجھ دار سننے والے کی زبان سے خود بخود وہ مشہور مثل نکل جاتی ہے۔ "کنہ توبہ و یاری نہ دہد"

III: وہ لطیفے جن میں انشا نے پہل کی

لطیفہ ۲۸۔ ایک دن (حاضرین نے) عرض کیا کہ آج پیر جلیل کے میلے میں ساری خلایق جمع تھی۔ ایک مہاوت کو ہم نے دیکھا کہ اپنی سواری پر تین آدمیوں کو بٹھا رکھا تھا۔ میں نے کہا کہ تنگ جگہ میں تین آدمیوں کی گنجائش کس طرح ہوئی ہوگی۔ اردو زبان میں ارشاد ہوا اوپر تلے بیٹھ لئے ہوں گے۔

IV وہ لطیفے جن کے احوال میں انشا موجود تھے لیکن لطیفوں سے ان کا تعلق نہیں

لطیفہ ۱۔ ایک دن بنارس میں (نواب کے) حضور میں (حاضرین) نے کہا کہ شریف مکہ جون پور سے کئی ہندوستانی من کہ ہر من کے چالیس سیر ہوتے ہیں۔ چنبیلی اور بیلے کا خوشبودار تیل اپنے ساتھ لایا ہے۔ اس افراط کو ملاحظہ فرمائیے کہ ایک منزل میں چراغ کا تیل نہ مل سکا تھا تو یہی تیل مشعلچیوں کو دیا کہ جلائیں ارشاد ہوا۔ بیت

الہی کوروز روشن شمع کافوری نہد بکہ زود باشد کش بہ شب روغن نہ ماند در چراغ

علاوہ لوگوں نے اسی زمانے میں عرض کیا تھا کہ مذکور شریف حضور کا بہت مشتاق ہے جناب نے اس کی بیہودہ حرکتوں پر نظر کر کے کبھی اس پر توجہ نہیں کی تھی۔ چند دنوں کے بعد بندۂ راقم الحروف انشاء اللہ متخلص بہ انشا نے حضور کے ارشاد کی صداقت خود اپنی آنکھوں دیکھی۔ لوگوں کے دروازوں پر اس بیہودہ شریف کو میں نے دیکھا کہ کمال افلاس سے اپنے کانوں کو تخت الحنک لپیٹے ہوئے (یعنی شملے کا ایک پیچ بجائے سر پر رہنے کے ٹھوڑی کے نیچے سے کانوں کو ڈھانکتا ہوا آگیا تھا) بیٹھا تھا لیکن کسی طرح اس کو کسی شخص کے گھر میں رسائی نہ ہوتی تھی"

لطیفوں کی اس چوتھی قسم میں وہ لطیفے بھی شامل ہیں جن میں انشا نے کوئی ذکر لطیفہ کہنے کے مقصد سے نہیں شروع کیا۔ لیکن سعادت علی خاں نے اس میں لطیفے کا قرینہ پیدا کیا مثلاً ۲، ۶، ۲۷، ۳۶، ۴۷ لطیفہ ۲۷۔ ایک دن میں نے ذکر کیا کہ میاں آفرین علی خان کسی جگہ گر پڑے۔ ان کے زانو میں چوٹ آئی۔ حافظ حقیقی نے بڑا فضل کیا۔ معاذ اللہ کی جان خطرے میں تھی۔

ارشاد ہوا۔ "اجی صاحب کہاں پھسل پڑے"

رسم خط

میں نے لطائف السعادت کے اس مطبوعہ نسخے میں جو رسم خط اختیار کیا ہے اس میں اور قلمی نسخے کے رسم خط میں جو فرق ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(ا) (۱) کاتب اکثر یاے معروف (ی) اور یاے مجہول (ے) کے املا میں فرق نہیں کرتا دونوں کے لئے یاے معروف لکھتا ہے مثلاً "تمہاري ناس کا ستیاناس جائي" صفہ ۷ "غلام کا بي اختیار جي چاہتا ہي کہ ڈونگي پر سوار ہوکي اس جانور کو نزدیک سي دیکھہ آدي فرمایا ڈونگي تو اس وقت نہیں لو ٹیا پر سوار ہوکي ہو آئي" صفہ ۱۸

(۲) کبھی یاے معروف کی جگہ یاے مجہول لکھتا ہے۔ مثلاً مشتری صفحہ ۳ سطر ۸ پاسداری ۱۱/۸ دینداری ۱۲/۱ سواری ۱۲/۱۲ زبانی ۱۱/۱۶ عذب البیانی ۱۸/۴ مرثیہ خوانی ۱۸/۷ ہجری ۲۰/۴ کو یاے مجہول سے مشترے، پاسدارے، دیندارے وغیرہ لکھتا ہے

(۳) کبھی یاے مجہول کا درست استعمال بھی کرتا ہے مثلاً براے محافظت ۱۴/۲، باجراے کوٹھی۔ جنرل مازنین ۳/۱۵ روزے ۲/۱۹

(ب) (۱) کہیں الف ممدودہ پر مد ہوتی ہے اور کہیں نہیں مثلاً "روزي مذکور بر آمد کہ حبشیي ابیض اللون کہ از کلکتہ بحضور مي اید" صفہ ۱۱ "اگر پیر کو آنا نہو تو منگل تو بي پیر کا آنا ہوگا" صفہ ۱۱ "روزي بجہاں اینکہ ادم براے محافظت بنست . . . . . . درحضور آمدم" صفہ ۱۱

(۲) ایک ہی لفظ میں الف ممدودہ پر کہیں مد ہوگی اور کہیں نہیں مثلاً "میان افرین علی خان" ۱۷/۳، ۲۰/۴ میان آفرین علی خان ۱۱/۷، ۱۵/۱۰

(ج) گاف فارسی اور کاف عربی دونوں کا ایک مرکز ہوتا ہے

(د) ہا خواہ ملفوظ ہو خواہ مخلوط کہیں دو چشمی نہیں ہوتی

(ه) انشا دریاے لطافت میں لکھتے ہیں صفہ ۱۲۹:۔

واین ہم ظاہر است کہ دراس کہ بہ معنیٔ این است یا نہ می نویسند، ہرگاہ دراوس واو می نویسند اس چہ تقصیر کردہ است کہ بغیر یا نوشتن آن صحیح داشتہ اند . . . . واو دراُس وجمیع الفاظ ہندی کہ دران ضمہ بغیر تلفظ واو خواندہ شود، واو نوشتن صحت نہ دارد"
اس لحاظ سے اوٹھتے ص۵ اودھر ص۱۲ الٹیا ص۱۸ اوس ص۲۱ اون ص۲۶ وغیرہ میں واو لکھنا انشا کے اصول کے خلاف ہے ۔

(و) دو ہندی لفظوں کو جو الف میں ختم ہوتے ہیں ہائے مختفی سے لکھا ہے مثلاً کیتہہ اور بوچہ بجائے کیتھا ۱۹/۳ اور بوچا ۹/۱۲

(ز) بعض الفاظ پر غلط اعراب لگائے ہیں ۔ مثلاً دَعَابَۃ، لُآلی، مُبْرہِن بجائے دُعَابَۃ ۲/۱۳ لآلی ۳/۴ مُبَرہِن ۸/۸

(ح) جن مذکر الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے ان کی جمع میں ہ کو ے سے نہیں بدلتا مثلاً خربوزہ بجائے خربوزے ۱۹/۵ چھیچہ بجائے چھیچے ۹/۲۱

(ط) بہت سے الفاظ کے ہجے غلط لکھے ہیں مثلاً

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
اشرف الوزرا، افتخار الامرا	اشرف لوزراء، افتخار الامراء	۳	۵
خشبو	خوشبو	۴	۱۰
تاج الاولیا[۳]	تاج الاولیاء	۶	۱۱
دفعتاً	دفعۃً	۸	۴
،	،	۹	۸
نستالیق	نستعلیق	۸	۶
علی ہذالقیاس	علی ہذا القیاس	۸	۶
بناۓ اعلیہ	بناۓ علیہ	۸	۷

[۳] جب ترکیب عربی ہے تو آخر میں ہمزہ چاہئے۔

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
کاالشمس	کالشمس	۱۱	۱۰
ملاذمت	ملازمت	۱۰	۱۳
سایرالناس[1]	سائرالناس	۱۳	۴
عمرو از زید دانستہ	عمرو از زید دانستہ	۱۴	۱
بیت الخلا[2]	بیت الخلاء	۱۶	۱۲
اسطلاحی	اصطلاحی	۱۷	۴
ملاء[2] اعلی	ملاے اعلی یا ملاء الاعلی	۲۰	۷

(ی) الفاظ میں حروف کو مقدم و موخر کردیتا ہے مثلاً

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
پنہااست	پنہان است	۲	۴
شمیطانست	شمیطان است	۸	۱۳
کردانست	گردن است	۱۷	۹
ایشانست	ایشان است	۱۲	۳

(ای) قلمی نسخے میں جو لفظ اور عبارتیں مجھے غلط معلوم ہوئیں انھیں متن کے حاشیے میں سب سے پہلے لکھدیا ہے، مثلاً

ص ۱. سطر ۷ ۔ اصل : خدایی را، ص ۲ سطر ۶ ۔ اصل : رد العجز علی صدر وغیرہ۔

میں نے پیش نظر نسخے میں مذکور غلطیوں کی اصلاح کے علاوہ ان امور کا التزام کیا ہے :-

۱ ۔ دو مستقل لفظ ملا کر نہ لکھے جائیں مثلاً

			صفحہ	سطر
ایشانرا	بہ جائے	ایشان را	۱	۳

---

[1] عربی میں اجوف (معتل العین) کے اسم فاعل میں "و ۔ ی" مکسور بعد الف زاید ہمزہ سے بدل جاتی ہیں لیکن فارسی والے ان کو ی سے لکھتے ہیں مثلاً قائل عربی رسم خط ہے اور قایل فارسی رسم خط، اس لئے میں نے عربی ترکیب میں فارسی کے تصرف کو جائز نہیں رکھا۔

[2] فارسی رسم خط میں الفاظ کے آخر میں ہمزہ نہیں لکھتے۔

	به جاے	صفحہ	سطر
چقدر	چہ قدر	۲	۱۰
معروضداشتہ	معروض داشتہ	۴	۵
ہیچمدان	ہیچ مدان	۱۰	۷
بجزین	بجز این	۲۲	۱
اینمعنی	این معنی	۴	۶

(۲) ماضی مطلق اور مضارع کے صیغوں پر جو سابقے آتے ہیں اگر وہ معنوی ہیں تو علاحدہ لکھے جائیں مثلاً

نہ می دارد بجاے نمیدارد ۲/۳

می خواستم بجاے میخواستم ۵/۵

نہ باشد بجاے نباشد ۸/۶ وغیرہ

(۳) ب۔ اگر معنوی ہے تو علاحدہ اور ہاے بیان فتحہ کے ساتھ لکھی جائے گی جیسے "بہ مشعلچی ہا" ہیں اور اگر زائدہ یعنے تحسین کے لئے ہے تو ملا کر لکھی جائیگی جیسے "بسوزانید" ہیں "روغن مذکور را بہ مشعلچی ہا دادہ کہ بسوزانید"

(۴) "ب + ہ" میں اگر ہ ملفوظ ہے تو اس کی صورت یوں ہوگی" بدلہ بہ از این چہ خواہد بود کہ خدائی را در بندگی پنہاں کردہ محمد را بہ وجود آوردہ" ص ۱ س ۵

۵ (۱) قلمدان ۵/۴ ، ناسدان ۱۱/۷ میں دان جب کلمے کے آخر میں آتا ہے تو ظرفیت کے معنے دیتا ہے۔ اس لئے اس لاحقے کو علاحدہ لکھا ہے یعنے قلمدان اور ناس دان

(۱۱) چکارہ ۳/۸ ضلع کا لفظ ہے "چکارہ اند" کے معنے "کس کام کے لایق ہیں" بھی ہیں اور یہ بھی کہ "چھوٹے نہایت چالاک اور نازک صحرائی ہرن ہیں" اس لئے اس لفظ کو "چہ کارہ" نہیں لکھا۔ اس میں ہ فاعلی ہے۔

بعینہ ۸/۱۳، ۴/۲، ۹ اس کو عربی رسم خط کی مطابقت کی وجہ سے "بہ عینہ" نہیں لکھا آداب بجا آورد ۹/۸ اور بسر می تواں کرد ۹/۱۰ "بجا آوردن" بمعنی بفعل آوردن اور "بسر کردن" بمعنی "روزگار گذرانیدن" میں اگرچہ ب اصلی نہیں ہے لیکن ان الفاظ میں جا اور سر اپنے لغوی معنوں سے دور ہو گئے ہیں اس لئے بجا اور بسر کو مستقل الفاظ مانا ہے۔

فہرست رجال

کتاب کا نام "لطائف السعادت" یعنے اشرف الوزراء وافتخار الامراء یمین الدولہ ناظم الملک نواب سعادت علی خان بہادر مبارز جنگ کے لطیفے اور انھیں "حوالۂ درج تحریر" کرنے والے سید انشاء اللہ ابن میر ماشاء اللہ جعفری الحسینی والنجفی، اس لئے یہ متعین کرنا ضروری نہیں کہ ان کے نام اس تالیف میں کہاں کہاں آئے ہیں۔ البتہ جن لطیفوں کا تعلق انشا سے ہے ان کا ذکر "مطالب کے اعتبار سے لطیفوں کی تقسیم" کے ذیل میں آگیا ہے۔

فہرست رجال میں چار قسم کے لوگ ہیں:۔

(۱) وہ جن کے نام لکھے گئے ہیں - مثلاً شفائی خان صاحب، خواجہ حسین صاحب وغیرہ، تلاش کرکے ان کے مختصر حالات لکھے جا سکتے ہیں۔

(۲) وہ جن کے صرف علیے اور خصوصیتیں بیان ہوئی ہیں - مثلاً مرد باریک وضع کثیر الضحک الخ سیدے اسود اللون قوی الجثہ الخ حبشی ابیض اللون کہ از کلکتہ بہ حضور می آید

(۳) وہ جن کی کنیت بیان ہوئی ہے مثلاً پسر مرزا آغا جان

(۴) وہ جن کے صرف لقب لکھے گئے ہیں مثلاً شریف کہ، شاہ زادۂ ایران

ان میں سے آخری تین قسموں کے متعلق معاصر تذکروں سے تحقیقات ہو سکتی ہے کہ اس زمانے کے مشہور لوگوں میں سے کون صاحب چھریرے اور ہنسوڑ تھے۔ وہ گورا حبشی کون تھا جو کلکتے سے سعادت علی خان کے حضور میں آیا کرتا تھا (غالباً حکومت انگریزی کا کوئی قاصد ہوگا) مرزا آغا جان کے کتنے بیٹے تھے ان میں سے یہاں کس بیٹے کا ذکر ہوا ہے یا ان کا یہی ایک بیٹا تھا۔ مکے کا جو "شریف" ہندوستان آیا تھا اس کا کیا نام تھا اور اس کی کم بختی اسے یہاں کیوں کھینچ لائی تھی۔ وہ کون شاہزادۂ ایران تھا جس سے ملاقات کرنے کو سعادت علی خان کی بلندی اپنی پستی تصور کرتی تھی۔ اس زمانے میں حکومت ایران کی کیا حیثیت تھی۔ اور یہ شہزادہ کیوں بھٹکتا پھرتا تھا وغیرہ۔

صفحہ

(ا) آغامرزاکہ درعلم رمل خود را چون دانیال علیہ السلام می انگارد ۱۹

امام بخش خان نائب مرزا جوان بخت شاہزادہ ۷

ب ۔ بڑے جناب عالی (آصف الدولہ) ۲۴

پ پسر مرزا آغاجان ۲۵

ج ۔ جانی خان ۱۳

جنرل مارٹین ۱۵

ح ۔ حکیم مہدی ۲۴

خ ۔ خجستہ خواجہ سرا ۲۵

خواجہ حسین سلمہ الواہب کہ از اولاد حضرت مودود چشتی با لیاقت اند وسلاطین توقیر ایشان می کنند وجناب عالی نیز بر ایشان انواع لطف مرعی می دارند

"من ہم محقق ہستم" ۶/۲۶ ۲۵،۲۳،۱۹،۷۵

ڈ ۔ ڈاکٹر ولیوم صاحب ۲۵

ر ۔ راجہ ٹیکورا ۱۸

س ۔ سیدے اسود اللون قوی الجثہ کہ شکنبۂ بزرگے دارد ودم از صفائے باطن می زند ۔ ۶

ش ۔ شاہزادۂ ایران ۱۰

شریف مکہ ۳

شفائی خان صاحب ۵

شیر زمان خان قوم افغان کہ بسیار درین قوم شوخ طبع وظریف است ۹

ف ۔ فضل علی خان صاحب فرزند لطف علی خان صاحب متوفیٰ و

ہمشیرزادۂ مرزا حسن رضا خان سرفراز الدولہ ۹

ق ۔ قاسم علی خان ۲۳

ک ۔ کرنل کارلنس صاحب کلان ۲۲

کفایت اللہ معمار ۱۶

گ ۔ گھونسلاہا ۱۶

ل ۔ لطف علی خان ۸

م ۔ مرد باریک وضع، کثیر الضحک کہ از زمرۂ مشاہیر است ترک تریاک کردہ ۱۰

مرزا آغا جان پسر آفرین علی خان ۲۵

مرزا جمعہ صاحب خلف الصدق مرزا علی خان ۲۳، ۲۴

مرزا جوان بخت ۷

مرزا حسن رضا خان سرفراز الدولہ ۹

مرزا رمضان علی خان صاحب ۱۴

مرزا سلیمان شکوہ بہادر مرشد زادۂ آفاق ۱۵

مرزا علی خان ۲۳

مولوی روم ۲۳

میاں آفرین علی خان بہادر ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۲۰، ۲۴، ۲۵

میاں ہوشمند علی خان خواجہ سرا ۲۲، ۲۵

میر انور صاحب کہ در قصہ گوئی و مرثیہ خوانی و تیزی آواز از
مشاہیر است ۱۸

میر حسین علی خان مردانہ ۱۴، ۱۶

بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

محمدت بیرون از احاطهٔ قیاس شایستهٔ لطیفی باشد که لطفی در طبع لطیفه گویان آفریده
و بذل عنایتی در بارهٔ بذله سنجان گروه ایشانرا بلطف خاص برگزیده در خلق سموات
زمین صنعت جناس را استعمال فرموده بلکه از تلألؤ نجوم درخشنده در آن ترصیع
زنگار گروه سریان وحدتش در کثرت چون لفظ موضوع بدو معنی در ایهام ست
و بطون قدرتش در ین نشیمن حقیقت آگاهان مانند مدمج در کلام بذله ازین چه
خواهد بود که خدای را در بندگی پنهان کرده محمد را بوجود آورده و ایهامی بهتر
ازین نمی باشد که ممکن را ممتنعی در برابرشان داده و واجب نام کرده فرمان لطیفه

رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

محمدؐ ذات بیرون از احاطۂ قیاس شایستہ لطیفے باشد کہ لطفے در طبع لطیفہ گویان آفریدہ و بذل عنایتے در بارۂ بذلہ سنجان کردہ ایشان را بہ لطف خاص برگزیدۂ در خلق سموات نہ ہمیں صنعتِ جناس[2] را استعمال فرمودہ بلکہ از لالو نجوم درخشندہ در آن ترصیع[3] را بکار بردہ سریان وحدتش در کثرت چون لفظ موضوع بہ دو معنی در ایہام[4] است و تلون قدرتش ذہن نشین حقیقت آگاہان مانند تدبیج[5] در کلام بذلہ بہ ازین چہ خواہد بود کہ خدائی را در بندگی پنہان کردہ محمد را بہ وجود آوردہ و ایہامے بہتر ازین نمی باشد کہ ممکن را ممتنع[6] در برابر نشان دادہ واجب[7] نام کردہ قربانِ لطیفہ پردازی

سطر ۲ - اصل : خدای را

۱ ؎ رب یسر ہے اور تمم بالخیر ؎ ہر کام مری زبان پہ جاری انشا

۲ ؎ جناس، عبارت اور شعر میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنے میں مختلف

مومن ؎ زندان عزیز میں پھنسایا ؎ یوسف سے عزیز کو کئی سال

۳ ؎ ترصیع دو مصرعے اس طرح موزوں کریں کہ پہلے مصرعے کے الفاظ ترتیب وار دوسرے مصرعے کے الفاظ کے ہم وزن اور ہم قافیہ ہوں۔ نسیم ؎

غفلت نے تری مجھے چھڑایا ؎ ہمت نے مری تجھے اڑایا

۴ ؎ ایہام، ایک لفظ کے دو معنے ہوں ایک قریب، ایک بعید، سامع کا گماں معنیٰ قریب کی طرف جائے اور شاعر کی مراد معنیٰ بعید ہوں یعنے ظاہر میں جو معنے ہوں ان کے خلاف معنے قائل کا مقصود ہوں

ترانۂ شوق میکش کو ہوس ایاغ کی ہے ؎ پروانے کو لو چراغ کی ہے۔

۵ ؎ تدبیج - کوئی مطلب رنگوں میں بطریق کنایہ یا ایہام کے بیان کرنا (باقی)

ترجمہ

(جن ترجموں کے متعلق مجھے شبہ ہے کہ شاید وہ اصل کے مفہوم کو صحیح طور پر ادا نہیں کر رہے ہیں ان پر خط کھینچ دئے گئے ہیں۔)

حمد تعریف جو قیاس کے احاطے سے باہر ہے اس لطیف کو سزاوار ہے جس نے لطیفہ کہنے والوں کی طبیعت میں ایک خاص لطف پیدا کیا۔ اور بذلہ سنجوں پر عنایت مبذول کر کے انھیں لطف خاص سے مقبول کیا۔ آسمانوں کے بنانے میں یہی نہیں کہ صنعت جناس کا استعمال کیا بلکہ چمکتے تاروں کی چمک سے ان میں ترصیع کی (یعنے جڑاؤ کیا) اس کی وحدت اس طرح کثرت میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جیسے دو معنوں کے لئے وضع کیا گیا لفظ ایہام میں۔ اور اس کی قدرت کی رنگارنگی حقیقت شناسوں کے ذہن میں یوں بیٹھی ہے۔ جیسے تدبیج کلام میں، لطیفہ اس سے اچھا کیا ہوگا کہ خدائی کو بندگی میں چھپا کر محمد کو وجود میں لایا۔ اور ایہام اس سے بہتر کیا ہوگا کہ ممکن کو ایک ممتنع کے برابر ٹھہرا کر واجب نام دیا۔ قربان جاؤں۔

(بقیہ نوٹ)

۵ گل کو ہاں زرد کر دے اے رخ یار کر کے منہ لال لال آتا ہے

زرد کرنا کنایہ ہے شرمندہ کرنے سے اور منھ لال لال کرنا کنایہ ہے بشاش ہونے سے

۶ ممکن الوجود، جس کا ہونا نہ ہونا دونوں ضروری نہ ہوں یعنے مخلوقات

۷ ممتنع الوجود۔ جس کا ہونا ناممکن ہے یعنے اللہ کا مثل (ممتنع، روکنے والا، باز رکھنے والا)

۸ واجب الوجود۔ وہ جس کی ذات اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہ ہو یعنے ذات باری تعالیٰ انشا کا مطلب یہ ہے کہ "رسول کو پیدا کرنا ممکن تھا۔ لیکن بعد آپ کے پیدا ہونے کے کھلا کہ ایسی دوسری کسی ذات کا پیدا ہونا ممتنع ہے۔ اس لئے گویا آپ بھی واجب الوجود ٹھہرے یعنے اللہ اور محمد دو نام ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دونوں وہی ایک ذات باری ہے" انشا کے اس قول کو سمجھنے میں 'یادگار غالب' کے اس اقتباس سے مدد ملتی ہے، (باقی)

پردازیٔ او شوم کہ چہ قدر رنگ ظرافت در عالم ایجاد ریختہ کہ نمک اغوائے شیطان
باوجود مالکیت و غلبۂ تمام در حکم خود آمیختہ اگر نہ ظریف است چرا کافران را از اصنام
باز نمی دارد و اگر نہ تماشا گر است چرا عُبّاد را از قید تخالُف و تباین ملل بیرون نمی
آرد و ہزار جان گرامی بلا گردان بذلہ پیرائے کہ در ہر سخنش صد گنج گوہر معنی پنہان است
و شاخ جواہر زواہر تقابل او بہ رشتہائے ممتنع الانقطاع از آیات قرآن در دو
مصرع کافران را کیفیت ردّ العجزِ علی الصدر حاصل بودہ و طبع بلندش
در زیر کردن اعدائے دین بہ اظہار معرب مایل از اُشہر لطائف آن جناب
است کہ در وقت سفرے از سفرہائے حجاز عزیزے از صحابہ عرض کرد کہ فداک
اُمیّ و ابی یا رسولؐ اللہ شتر بار بردارے بہ من مرحمت فرمایند ارشاد شد
کہ بچہ شترے بہ او بدہند، گفت اے سید البشر شتر بچہ را چہ خواہم کرد چرا شتر
نہ می دہی آن حضرت بتبسم شدہ فرمود کہ وائے بر عقل تو ہیچ شترے در دنیا نیست
کہ بچہ شتر نباشد و چندین کاسہ سر با مغز فدائے نکتہ آرائے کہ بودِ عیانِ عرب
بہ آن طلاقت و ذلاقت پیش او سپر انداز شدہ بہ لولاد عائبۃ لکان احق

(بقیہ نوٹ) مولینا فضل حق نے مرزا پر نہایت اصرار کے ساتھ یہ فرمایش کی کہ فارسی میں وہابیوں
کے خلاف ایک مثنوی لکھ دو۔ جس میں ان کے بڑے بڑے اور مشہور عقیدوں کی تردید اور خاص کر
امتناع نظیر خاتم النّبییّن کے مسئلے کو زیادہ شرح اور بسط کے ساتھ بیان کرو۔ اس مسئلے میں
مولانا اسمٰعیل شہید کی یہ رائے تھی کہ خاتم النّبییّن کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔ ممتنع بالذات
نہیں، یعنے آنحضرت کا مثل اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا پیدا ہونا آپ کی خاتمیت کے منافی
ہے۔ نہ اس لئے کہ خدا اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ برخلاف اس کے مولانا فضل حق کی
یہ رائے تھی کہ خاتم النّبییّن کا مثل ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کر سکتا اسی
طرح خاتم النّبییّن کا مثل بھی پیدا نہیں کر سکتا'' صہ ا ے

خدا کی لطیفہ پردازی کے، عالم ایجاد میں کس قدر ظرافت کا رنگ بھرا ہے کہ شیطان کے اغوا کا نمک، کامل غلبے اور مالکیت کے باوجود اپنے حکم میں ملایا ہے۔ اگر ظریف نہیں ہے تو کافروں کو بتوں سے کیوں باز نہیں رکھتا۔ اور اگر تماشا گر نہیں ہے تو کیوں عابدوں کو ملتوں کے فرق اور اختلاف کی قید سے باہر نہیں نکالتا

نعت

اور ہزار عزیز جانیں اس ظریف کی بلائیں لیتی ہیں جس کی ہر بات میں گوہر معنی کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ اس کے تقابل کی کلیوں کے جواہر کی شاخ کبھی نہ ٹوٹنے والے رشتوں سے قرآن کی آیتوں سے دو مصرعوں میں کافروں کو ردالعجز علی الصدر کی کیفیت حاصل رہی۔ آپ کی طبع بلند دشمنان دین کو زیر کرنے میں معرب کے اظہار کی طرف مایل ہے۔ آں جناب کے لطیفوں میں سب سے مشہور یہ ہے کہ حجاز کے سفروں میں سے ایک سفر کے دوران میں صحابہ میں سے ایک عزیز نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ ایک بوجھ اٹھانے والا اونٹ مجھے عنایت فرمائیں، ارشاد ہوا کہ انھیں اونٹ کا ایک بچہ دیں۔ کہا۔ اے سید البشر اونٹ کا بچہ لے کے کیا کروں گا۔ اونٹ کیوں نہیں دیتے آں حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ افسوس ہے تیری عقل پر کوئی ایسا اونٹ دنیا میں نہیں ہے جو اونٹ کا بچہ نہ ہو۔

منقبت

اور اس نکتہ آرا پر دماغ رکھنے والے سرفدا ہوں جس کی تیز بیانی اور تقریر کی صفائی کے آگے عرب کے عاقلوں نے سپر ڈال دی۔ اور یہ کہہ کر کہ "اگر آپ میں ظرافت نہ ہوتی تو سب سے زیادہ

نوٹ متعلق ص ۲

سطر ۶ ۔ اصل : ردالعجز علی صدر

۱؎ خواہی کہ نماند بہ جہاں مومن و کافر ✤ لطفے نما پردہ بر انداز ز رخسار

حقا کہ اگر پردہ ز روے تو بر افتد ✤ وز غیر تو نے عین بیاجند نہ آثار

۲؎ ردالعجز علی الصدر (مصرع اول کے پہلے رکن کو صدر اور آخری رکن کو عروض اور دوسرے مصرع کے پہلے رکن کو ابتدا اور آخری رکن کو عجز یا ضرب کہتے ہیں اور درمیان بیت میں جو کچھ رہا وہ حشو ہے) یعنے جو لفظ عجز میں ہو وہی صدر میں بھی ہو سو دروغ آگے مردم کے ہے بے فروغ

بھلا کس لیے کوئی بولے دروغ (باقی)

(عجز با فتح و کسر اول و ضم جیم ۔ (قواعد العروض)

ہندوستان کہ ہر من چہل آثار[1] می شود روغن خوشبو از گل چنبیلی و بیلہ ہمراہ خود آوردہ است۔ این افراط را ملاحظہ باید فرمود کہ در منزلے روغن چراغ بہم نہ رسیدہ بود، روغن مذکور را بہ مشعلچی ہا دادہ کہ بسوزانید ارشاد شد بیت

ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد[2] زود باشد کش بہ شب روغن نہ ماند در چراغ۔ و بنیز کسان در آن ہنگام معروض داشتہ بودند کہ شریف مذکور بسیار مشتاق حضور است جناب نظر بر حرکات سخیفش گاہی متوجہ این معنی نہ گشتہ بودند، بعد چندے بندۂ راقم الحروف انشاءاللہ متخلص بہ انشا مصداق کلام حضور را بہ چشم خود معاینہ کرد کہ ارشاد شدہ بود، بر دروازۂ کسان آن شریف سخیف را دیدم کہ بہ کمال فلاکت گوش ہاے خود را از تحت الحنک[3] بستہ می نشست و در ہیچ گوشہ در خانۂ ہیچ کس راہ نمی یافت۔ لطیفہ[4] در مذکورِ شاہ جہان آباد عرض نمودم کہ حالیا بہ حدے آب آن جا شور است کہ اکثر زنان را دیدہ ام بدین نمط دریوزہ گری می کنند اے فلانے بچہ ہاے شما سلامت باشند تصدق سر آنہا نیم آثار آب براے پختنِ دال بدہند ارشاد شد شاید تمہاری وہاں

سطر ۹۔ اصل: تحت الحنک۔ سطر ۱۱۔ اصل: زنانرا

[1] آثار۔ سیر (وزن)

[2] کوئی بیوقوف دن کو کافوری شمع جلائے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ رات کو اس کے چراغ میں تیل نہیں ہے گا۔

[3] تحت الحنک۔ ایک قسم کی بندش دستار، زاہدوں کا معمول ہے کہ ایک پیچ ٹھوڑی کے نیچے سے نکال لیتے ہیں
ڈاکٹر صدیقی صاحب۔ تحت الحنک۔ تحنّک کے معنے ہیں "اَدارَ العمامۃَ مِن تحت حَنَکِہٖ (عمامے کا پیچ حنک کے نیچے سے ڈالا)" "گوش ہاے خود را از تحت الحنک بستہ" عموماً لوگ پگڑی کی دُمچی کو پیٹھ پر لٹکا لیتے ہیں۔ اور بعضے "تحت الحنک" لپیٹ لیتے ہیں کبھی کانوں کو بھی اس سے ڈھانک لیتے ہیں۔ اور کبھی کانوں کو چھوڑ کر صرف گلا ڈھانکتے ہیں۔ پہلی صورت زیادہ مضحکہ خیز دخاص کر نوجوانوں کے نزدیک) ہوتی ہے (باقی)

کہ ہر من کے چالیس سیر ہوتے ہیں۔ چنبیلی اور بیلے کا خوشبودار تیل اپنے ساتھ لایا ہے۔ اس افراط کو ملاحظہ فرمائیے کہ ایک منزل میں چراغ کا تیل نہ مل سکا تھا تو یہی تیل مشعلچیوں کو دیا کہ جلائیں۔

ارشاد ہوا۔ بیت۔ ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد

زود باشد کش بہ شب روغن نہ ماند در چراغ

علاوہ لوگوں نے اسی زمانے میں عرض کیا تھا کہ مذکور شریف حضور کا بہت مشتاق ہے۔ جناب نے اس کی بیہودہ حرکتوں پر نظر کر کے کبھی اس پر توجہ نہیں کی تھی۔ چند دنوں کے بعد بندہ راقم الحروف انشاءاللہ متخلص بہ انشا نے حضور کے ارشاد کی صداقت خود اپنی آنکھوں دیکھی۔ لوگوں کے دروازوں پر اس بیہودہ شریف کو میں نے دیکھا کہ کمال افلاس سے اپنے کانوں کو "تحت الحنک" لپیٹے ہوئے (یعنے شملے کا ایک پیچ بجائے سر پر رہنے کے ٹھوڑی کے نیچے سے کانوں کو ڈھانکتا ہوا آگیا تھا، بیٹھتا تھا لیکن کسی طرح اس کو کسی شخص کے گھر میں رسائی نہ ہوتی تھی"۔

لطیفہ ۲۰۔ شاہ جہاں آباد کا مذکور آیا۔ میں نے عرض کیا کہ ان دنوں وہاں کا پانی اس قدر کھاری ہے کہ اکثر عورتوں کو میں نے دیکھا ہے یوں بھیک مانگتی ہیں۔ اے فلانے تیرے بچے سلامت رہیں ان کے قربان جائیں۔ ایک سیر پانی دال پکانے کے لئے دے دے۔ ارشاد ہوا شاید تمہاری رنڈیاں۔

(بقیہ نوٹ) بعضوں کو دیکھا ہے کہ سردی کے دنوں میں پگڑی اس ڈھنگ سے باندھتے ہیں کہ لٹکنے والی دمچی تو پیٹھ پر رہے۔ اور خود شملے کا ایک پیچ بجائے سر پر رہنے کے ٹھوڑی کے نیچے (کانوں کو ڈھانکتا ہوا) آگیا ہے۔

"مثنوی شیر و برنج" کلیات انشاص ۱۶۳

از شرائع واز ہدایہ اے فقیہ ✻ چند باشی حزب شیطان را شبیہ

صاف زیں عمامہ و تحت الحنک ✻ می جہد یکسر ریائے بے نمک

زیں عبائے صوف گشتی مسخرہ ✻ می نمائی در نظر چوں شپرہ

شرائع، فقہ شیعہ کی مشہور کتاب۔ ہدایہ، اہل سنت کی مشہور کتاب۔

دال نہ گلی[۱] ہوگی لطیفہ[۳] حسب الحکم درحضور بندہ و شفائی خان صاحب نشستہ بودیم عرض کردم این لطیفہ ہا کہ چون آب حیات از کلام معجز نظام می تراود ۔ بدون قید قلم مبادا فراموش گردد۔ شفائی خان صاحب دست درکیسہ انداختہ قلم دانے برآوردند در لہجۂ اردو ارشاد شد اتنے بڑے قلم دان کا رکھنا کہاں تک بیٹھتے اور اٹھتے خیال رہتا ہوگا ۔ لطیفہ[۴] می خواستم کہ امام باغ بگویم حسب اتفاق امام باپ از زبانم برآمد خیلے تبسم فرمودند، معروض داشتم کہ کمال انفعال عارض حال شد ارشاد فرمودند تم پیغمبر زادے ہو امام باپ اگر تمھاری زبان سے نکلا تو کیا ہوا مضایقہ ۔ لطیفہ[۵] خواجہ حسین صاحب سلمہ الواہب کہ از اولاد حضرت مودود خیلے بالیاقت اند و سلاطین توقیر ایشان می کنند و جناب عالی نیز بر ایشان انواع لطف مرعی می دارند روزے درحضور اختلاط می کردند چیزے را می خواستند بیند حضور از اختلاط عنایت نہ می فرمودند ایشان گفتند گر این در اجارۂ[۲] شما است ارشاد شد در اجارۂ من نیست از جنس امانی[۳] است ۔ لطیفہ[۶] چشم احقر اندک رمد[۴] داشت ارشاد شد امروز چشم حضرت بسیار نجدی

---

[۱] انشا سہ گلنے کی دال یاں نہیں بس خشکہ کھائیے ؛ اے شیخ صاحب آپ نہ کھچڑی بگھاریئے

[۲] - اجارہ - ٹھیکا ۔

[۳] - امانی - اجارے کی ضد - کام جس کا ٹھیکا نہ دیا جائے (فقرہ) کام امانی میں بنتا ہے ۔ اجارے میں نہیں بنتا ۔ [۴] - رمد - آنکھوں کا سرخ ہونا ، دکھنا اور ان سے پانی کا جاری ہونا ۔

(بقیہ نوٹ صہ[۲] کا) تاریخ اسلام (معارف پریس - اعظم گڑھ) جلد ۱ - ص ۱۸۴ - ۱۸۵ (عنوان جانشین) محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ھ م ۸۴۵ء) طبقات ابن سعد (کتاب الطبقات الکبیر) الجزء الثالث القسم الاول فی البدریین من المہاجرین (طبع لائڈن ۱۳۲۱ھ م ۱۹۰۴ء) ص ۱۴۵ ، سطر ۱۱ و بعد، (باقی)

دال نہ گلی ہوگی۔

لطیفہ ۳۔ حسب الحکم بندہ اور شفائی خان صاحب حضور میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ لطیفے جو حضور کے معجز نظام کلام سے آب حیات کی طرح ٹپکتے ہیں قلمبند ہوئے بغیر کہیں فراموش نہ ہو جائیں۔ شفائی خان صاحب نے کیسے میں ہاتھ ڈال کر قلم دان نکالا۔ اردو کے لہجے میں ارشاد ہوا "اتنے بڑے قلم دان کا رکھنا کہاں تک بیٹھتے اور اٹھتے خیال رہتا ہوگا"۔

لطیفہ ۴۔ چاہتا تھا کہ "امام باغ" کہوں۔ حسب اتفاق "امام باپ" میری زبان سے نکلا۔ خوب مسکرائے۔ عرض کیا۔ بہت نادم ہوں۔ فرمایا تم پیغمبر زادے ہو۔ "امام باپ" اگر تمہاری زبان سے نکلا تو کیا ہوا مضایقہ۔

لطیفہ ۵۔ خواجہ حسین صاحب سلمہ الواہب جو حضرت مودود کی اولاد میں بہت زیادہ بالیاقت ہیں اور سلاطین ان کی توقیر کرتے ہیں، اور جناب عالی بھی آپ پر طرح طرح کے لطف فرماتے ہیں۔ ایک دن حضور میں بے تکلفی کر رہے تھے۔ کوئی چیز دیکھنا چاہتے تھے۔ حضور بے تکلفی سے عنایت نہیں فرماتے تھے۔ انھوں نے کہا یہ شاید آپ کے اجارے میں ہے۔ ارشاد ہوا میرے اجارے میں نہیں امانی کی قسم سے ہے۔

لطیفہ ۶۔ احقر کی آنکھ کچھ رمد آلود تھی۔ ارشاد ہوا۔ آج حضرت کی آنکھ

(بقیہ نوٹ) نیز ص ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے ان ۶ صحابیوں کی نسبت وہ لفظ (دعابت، بخل وغیرہ) نہیں استعمال کئے اور صرف ان ۶ کی مجلس شوری مقرر کر دی۔ ابن سعد قدیم ترین اور مستند ترین مورخ اسلام ہے۔ الواقدی متوفی ۲۰۷ھ م ۸۲۳ء کا شاگرد تھا۔ البلاذری متوفی ۲۷۹ھ م ۸۹۲ء کا استاد۔

ابو الفرج (مختصر الدول، ص ۱۷۷) "قیل" (یعنی کہا گیا ہے) سے روایت کو شروع کرتا ہے۔ عبارت زیر بحث یہ ہے "فقالوا لہ: اعھد الی من تکون الخلافۃ بعدک" قال (یعنی حضرت عمر نے کہا) "لو کان سالم حیًا لم اعدل بہ" قیل لہ: ھذا علیؓ بن ابی طالب وقد تعرف قرابتہ وتقدمہ وفضلہ، (باقی

بسیار بہ حدے خندہ گلوگیرم شد کہ بسیار بعید از ادب بود تعلق بہ قصّہ دارد کہ مشہور است لطیفۂ سیدے اسود اللون قوی الجثہ کہ شکنبہ[۲] بزرگے دارد و دم از صفائے باطن می زند در حضور حاضر بود معروض نمود کہ ما فقیریم دعا شعار ماست ارشاد شد شما فقیر ید یا فخیر یا فکیر۔ این ہر سہ صیغۂ صفت مشبہہ است سید مذکور مجبور و متحیر شد عرض نمود کہ از انشاء اللہ خان این مسئلہ باید پرسید ما جاہل ہیچدان چہ می دانیم ارشاد شد فقیر بمعنی محتاج ہمان است کہ سرور کائنات علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ در حق آن فرمودہ الفقر سواد الوجہ فی الدارین و فخیر بمعنی فخر کنندہ بر آبا و اجداد است کہ خودش ہیچ نباشد و در حق اوست محتالاً فخوراً و فکیر بمعنی فکر کنندہ است کہ آشنائے ذکر و فکر و مشاہدہ و مراقبہ باشد و در بارۂ اوست و یتفکرون فی خلق السمٰوات والارض ازین حسن تقریر سامع بیچارہ دست و پا گم کردہ غریق بحر تحیر شدہ معروض نمود باللہ العظیم کہ جناب عالی قطب زمانہ و تاج الاولیاء در لباس امارت وزارت اند۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ لطیفہ در مقدمۂ مداخلت بے جا کردم ارشاد شد۔ خط غلط، معنی غلط، املا غلط، انشا غلط لطیفہ[۳] ناس دان این غلام را ملاحظہ

۱؎ "بسیار" کے بعد کوئی عبارت حذف ہوگئی ہے اور اگر مقدر ہے تو "بسیار" کے بعد قائل نے ظاہرا سکوت کیا۔ سامع کا ذہن قصے کی طرف رجوع ہوا۔ میں ایسا کوئی قصہ نہیں جانتی۔

۲؎ شکنبہ۔ معدہ۔

۳؎ سیہ روئی ز ممکن در دو عالم ۔۔۔ جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

ترجمہ (نیستی کی) سیہ روئی "ممکن" سے دونوں جہاں میں جدا نہ ہوئی۔ اور خدا ہی بہتر جاننے والا ہے (باقی)

(بقیہ نوٹ) قال: "فیہ دعابۃ" (ای مزاح) قیل: "فعثمان بن عفان" قال: "ھو کلف باقاربہ"

(سطر ۳۔۱۱) ابوالفرج نے جو روایت سنی لکھ دی۔

نہج البلاغۃ کی ایک قدیم شرح (طبع مصر ۱۲۷۱) عزالدین ابو حامد عبدالحمید نے جو ابن ابی الحدید کرکے مشہور ۔۔۔

بہت، اس حد تک مجھے ہنسی گلو گیر ہوئی کہ بہت خلاف ادب تھی (اس کا) ایک قصے سے تعلق ہے جو مشہور ہے

لطیفہ ۷۔ ایک کالے کلوٹے، ہٹے کٹے، توند یلے سید جو صاف باطنی کا دم بھرتے تھے۔ حضور میں حاضر تھے عرض کیا کہ ہم فقیر ہیں۔ دعا ہمارا شعار ہے۔ ارشاد ہوا۔ آپ فقیر ہیں یا فخیر یا فکیر۔ یہ تینوں صیغے صفت مشبہ کے ہیں۔ سید مذکور حیران اور مجبور ہو گئے۔ عرض کیا انشاء اللہ خاں سے یہ مسئلہ پوچھنا چاہئے۔ ہم ناداں بے علم کیا جانیں۔ ارشاد ہوا فقیر محتاج کے معنے میں وہی ہے جس کے حق میں سرور کائنات علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ نے فرمایا۔ الفقر سواد الوجہ فی الدارین اور فخیر اپنے باپ دادا پر فخر کرنے والے کے معنے میں ہے جو خود کچھ نہ ہو اور اس کے حق میں ہے مختالاً فخورا اور فکیر فکر کرنے والے کے معنے میں ہے۔ جو ذکر اور فکر اور مشاہدے اور مراقبے سے واقف ہو اور اس کے بارے میں ہے۔ ویتفکرون فی خلق السموات والارض سامع بے چارے کی سٹی گم ہو گئی۔ وہ دریائے حیرت میں غرق ہو گئے۔ عرض کیا اللہ کی قسم جناب عالی وزارت کی امارت کے لباس میں زمانے کے قطب اور ولیوں کے سرتاج ہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

لطیفہ ۸۔ ایک معاملے میں میں نے بے جا مداخلت کی ارشاد ہوا۔ خط غلط، معنی غلط، املا غلط انشا غلط۔

لطیفہ ۹۔ اس غلام کے ناس دان کو ملاحظہ۔

(بقیہ نوٹ)۔ شرح۔ سیہ روئی یعنی نیستی کی ظلمت دونوں عالم یعنی صوری و معنوی اور ظاہری باطنی میں انسان سے دور نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ اس طرح نہیں کہ کبھی ہستی تھا اور پھر نیست ہو گیا (باقی)

(بقیہ نوٹ) شرح کی پہلی جلد (ص ۶۲، سطر ۲۶) میں یہ لکھا ہے" ثم اقبل علی علی علیہ السلام فقال: للّٰہ انت لولا دعابۃ فیک اما واللّٰہ لئن ولیتم لتحملنھم علی الحق الواضح والمحجۃ البیضاء ثم اقبل علی عثمان ۔ ۔ ۔" اگر کوئی اور شرح نہج البلاغۃ کی ملے تو غالب ہے کہ پوری عبارت جس طرح انشا نے لکھی مل جائے (باقی)

فرمودہ ارشاد نمودند تمھاری ناس کا ستیاناس جائے قل اعوذ برب الناس .

لطیفہ دیدم کہ دو بچہ سفید پوست در سن ہفت ہشت سالگی در حضور نشستہ اند پرسیدم چکارہ اند معلوم شد ہر دو پسران یتیم امام بخش خان نائب مرزا جوان بخت شاہزادہ اند و حضور مرۃً بعد اخری بہ کمال شفقت دست بر صورت شان می کشند ۔ بے خواست از زبانم بر آمد من لم یرحم الصغیر ولم توقر الکبیر فلیس منّی یعنی در حدیث آمدہ است کسے کہ رحم نہ کند بر طفل و توقیر نہ کند مرد سالخوردہ را آن کس از من نیست این خصلت مخصوص حضور لامع النور است با این ہمہ کہ پدر این ہر دو یتیمان ہیچ حقوق خدمت گذاری در جناب نہ داشت سر راہ ایستادہ بودند بے تقریب این ہا طلبیدہ انواع و اصناف عنایت بر حال شان می فرمایند، قربان خدائے کہ پیر و مرشد را بر کافۂ خلایق مستثنٰی گردانیدہ فی الحال حضور وافر السرور اشک در چشم دوانندہ فرمودند کہ با این ہمہ ارشاد کہ رسالت پناہی علیہ وعلی آلہ السلام می فرمودند کہ فلان از من نیست لیکن جناب ایشان و ہم خالق ایشان دست از پرورش ہیچ کس بر نہ می دارند از ین سخن بہ حدے متاثر شدم کہ در دفاتر نہ می گنجد ازان

۱؎ قل اعوذ برب الناس ۔ کہو میں پناہ مانگتا ہوں آدمیوں کے پروردگار سے

(بقیہ نوٹ) "نیست" کبھی ہست نہیں ہو سکتا اور نہ ہست "نیست" اسکی فنا و بقا دونوں اعتباری ہیں مختلف تجددات و تعینات محض دیکھنے میں ہی ہوتی ہیں (در اصل میں کچھ نہیں) کیونکہ ممکن کی "نیستی" ہمیشہ فانی ہے اور اسکی ہستی ہمیشہ باقی پس ممکن ہونے کے سبب سے نیستی "ممکن" سے کبھی جدا نہیں ہوتی ۔ (باقی)

(بقیہ نوٹ) "تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے ۔ جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی ۔ علی، عثمان زبیر طلحہ، سعد بن وقاص، عبد الرحمن بن عوف ۔ لیکن حضرت عمرؓ ان میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے (باقی)

فرما کے ارشاد کیا۔ تمہاری ناس کا ستیا ناس جائے۔ قل اعوذ برب الناس

لطیفہ: میں نے دیکھا کہ دو گورے بچے سات آٹھ برس کے حضور میں بیٹھے ہیں۔ پوچھا کون ہیں۔ معلوم ہوا۔ دونوں شاہزادے مرزا جواں بخت کے نائب امام بخش خاں کے یتیم بیٹے ہیں اور حضور بار بار کمال شفقت سے ان کی صورت پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ من لم یرحم الصغیر ولم توقر الکبیر فلیس منی۔ یعنے حدیث میں آیا ہے کہ جو بچے پر رحم اور معمر کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہ خصلت حضور لامع النور سے مخصوص ہے۔ اس کے باوجود کہ ان ہر دو یتیموں کا باپ جناب میں کوئی خدمت گذاری کے حقوق نہیں رکھتا تھا۔ یہ رستے میں کھڑے ہوئے تھے۔ بے تقریب انھیں طلب کر کے انواع واقسام کی عنایتیں ان کے حال پر فرماتے ہیں۔ اس خدا کے قربان جس نے پیر و مرشد کو کافۂ انام پر مسلط کیا ہے۔ اس وقت حضور وافر السرور آنکھوں میں آنسو بھر لائے فرمایا اس ارشاد کے باوجود کہ رسالت مآب فرماتے تھے کہ فلاں ہم میں سے نہیں ہے۔ آں جناب اور آپ کا خالق بھی کسی کی پرورش سے ہاتھ نہیں روکتے اس قول سے اس قدر متاثر ہوا کہ (اس کا بیان) دفتر دل میں نہیں سماتا۔

(بقیہ نوٹ) کیونکہ کسی چیز کا اپنے نفس سے الگ ہونا محال ہے، اور ممکن کی ہستی اس کی صورت میں وجود واجب کا ظہور ہے۔ اور یہی (ممکن کی ہستی کی) وجہ ہے۔ جو باقی ہے۔ ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق (جو کچھ تمہارے پاس ہے، ختم ہو جائیگا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ باقی رہے گا (پ ۱۴ - ع ۱۹)

(بقیہ نوٹ) (حاشیہ:- حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو خوردہ گیریاں کیں۔ ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا۔ لیکن ان میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے۔ یعنی یہ کہ "ان کے مزاج میں ظرافت ہے"۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے حضرت علی ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے (الفاروق)۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی یہی حال رہا بلکہ جو لوگ صاحب ہیبت و وقار تھے (باقی)

دزان باز در تماشا ے بدری[1] دو شاله اشتغال بود معروض نمودم که به سمع غلام
رسیده است که در حضور پادشاهان احدے دو شاله پوشیده باریاب نه می شد
آیا سببش چیست اندرین کدام بے ادبی است ارشاد شد در دو شاله پوشیدن
از دو تا تلے در شناختن واقع می شود - دفعتهً به خیال نه می رسد که فلانیست پس چه ضرور
که حاشیهٔ بصر ملوک محبتِ مطالعهٔ اجراے اجسام سفلی کشد لهذا قدغن بود که عرایض
به خط نستعلیق می گذشته باشد و علی ہذا القیاس دستخط فرمودن از قلم فرنگی که هیچ
محبت و ترددے نمی خواهد بناءً علیه تختی و قلم مقرر شده گفتنم به رب کعبه کلام معجز نظام
چه قدر مدلل و مبرہن و قریب الفهم و موجب سکوت مخاطب است این وجه
به خاطر احدے نه رسیده باشد لطیفه[1] عرض شد که گھونسلہ[2] کہ یکے از اعظم سرداران
دکن اند با سرداران شرقیه مصالحت نمود ند ارشاد شد انھوں نے اپنا گھونسلا
رکھا لطیفه[2] شخصے در جاے که می خواستند اسپش را به قیمت بگیرند در تعریف اسپ
خود براے بنده نوشت که این اسپ را پادشاهان ولایت بسیار تعریف می کنند ذاتش
شمیطان است بعینه نوشته را به حضور نمودم بلے شمیطان از حذف میم شیطان

سطر ۵ - اصل: محبت مطالعهٔ اجراي اجسام سفلي باشد
ے[1] بدری بمعنی بدره - روپیوں کی تھیلی - کپڑے وغیرہ کی گٹھری کو بھی "بدری" کہتے ہیں - یہاں
شال فروش کی گٹھری دیکھی جا رہی تھی - ے[2] گھونسلا (کنایتہً) چھوٹا سا گھر - جھونپڑا (تحقیر سے)

(بقیہ نوٹ) چونکہ ظہور توحید کمال اس میں ہے کہ تمام مظاہر کثرت فنا ہو جائیں - اس لئے فرمایا
سواد الوجہ فی الدارین درویش ؎ سواد اعظم آمد بے کم و بیش
(باقی)

(بقیہ نوٹ) وہ اس پسندیدہ مزاح کو بھی پسند نہ کرتے تھے - چنانچہ ایکبار حضرت عمر فاروق رضؓ کے سامنے چند
صحابہ کے نام لئے گئے جو اس وقت خلافت کے لایق سمجھے جاتے تھے، انھوں نے ہر ایک کی نسبت کچھ کچھ
اعتراض کئے اور حضرت علی کے نام پر صرف یہ کہا کہ ھو رجل کثیر الدعابة یعنی ان کے مزاج
میں مزاح بہت ہے"۔ (مقالات حالی حصہ اول ص ۱۱۹)

اس کے بعد دوشالوں کی گٹھری دیکھنے میں مشغول تھے۔ عرض کیا غلام نے سنا ہے کہ بادشاہوں کے حضور میں کوئی دوشالہ اوڑھ کر باریاب نہیں ہوتا تھا۔ اس کا کیا سبب ہے۔ اس میں کونسی بے ادبی ہے۔ ارشاد ہوا کہ دوشالہ اوڑھنے میں دور سے پہچاننے میں دیر ہوتی ہے۔ دفعتہً خیال میں نہیں آتا کہ فلاں ہے کیا ضرور ہے کہ بادشاہوں کی نظر اجسام سفلی کی حرکت کے مطالعے کی محنت اٹھائے اس لئے تاکید تھی کہ عرضیاں نستعلیق خط میں گذرانی جائیں اور اسی قیاس پر ہے دستخط کرنا قلم فرنگی سے کہ اس میں محنت اور تردد کی ضرورت نہیں۔ اسی وجہ سے تختی اور قلم مقرر تھا۔ میں نے کہا رب کعبہ کی قسم کلام معجز نظام کس قدر مدلل اور مبرہن اور قریب الفہم اور مسکت ہے۔ کبھی یہ وجوہ کسی کے خیال میں نہ آئے ہوں گے۔

لطیفہ ۱۱۔ عرض کیا گیا کہ دکن کے سرداران اعظم کے ایک گروہ نے جس کا لقب گھونسلا ہے مشرق کے سرداروں سے میل ملاپ کر لیا ہے۔ ارشاد ہوا "انھوں نے اپنا گھونسلا رکھا"

لطیفہ ۱۲۔ ایک شخص کا گھوڑا (جناب عالی) خریدنا چاہتے تھے۔ اس نے اپنے گھوڑے کی تعریف میں بندے کو لکھا کہ اس گھوڑے کی ولایت کے بادشاہ بہت تعریف کرتے ہیں۔ وہ ذات کا شمیطان ہے۔ میں نے وہ تحریر بعینہٖ حضور کو دکھائی (فرمایا) ہاں شمیطان میم کے حذف ہو جانے سے شیطان

(بقیہ نوٹ) ترجمہ۔ درویش کی دونوں جہان میں روسیاہی (سواد الوجہ) (روسیاہی اور ظلمت سے وہی عدم و فنا مراد ہے) بلا کم و بیش ایک بڑے شہر (سواد اعظم) کے برابر ہے
شرح۔ صوفیوں کی اصطلاح میں فقر "فنا فی اللہ" سے عبارت ہے۔ الفقر سواد الوجہ فی الدارین (فقر دونوں جہان کی روسیاہی ہے) سے یہی مراد ہے کہ سالک فانی فی اللہ ہو جائے۔ اس طریقے پر کہ ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت میں اس کا وجود نہ رہے۔ اور یہ سواد الوجہ (روسیاہی) سواد اعظم (بڑا شہر) ہے کیوں کہ سواد اعظم وہی ہے جس میں جو کچھ چاہیں مل سکے اور جو تمام موجودات میں، مفصل طور پر موجود ہے، وہ اس مرتبے میں مجمل طور پر پایا جاتا ہے (باقی)

می شود نعوذ باللہ من ذالک لطیفہ[۱۳] روزے برترازوے آہنین کہ ایجاد جناب است وبر ہر دو پلہ اش اسپان را وزن می کنند چنان بہ خاطر رسید کہ حضار را بایک دیگر موازنہ فرمایندہ چنان چہ بندہ را بہ افضل علی خان صاحب کہ فرزند لطف علی خان متوفی وہمشیرہ زادۂ مرزا حسن رضا خان سرفراز الدولہ اند موازنہ نمودند پلہ اوشان گران برآمد ارشاد شد شما بسیار سبک بہ نظر آمدید لطیفہ[۱۴] شیر زمان خان قوم افغان کہ بسیار درین قوم شوخ طبع وظریف است از دور بید اگشت بامیان آفرین علی خان بہادر ارشاد شد از چشمہاے این چنین معلوم شد کہ چیزے شکایت عدم حصول مجرا[۱] وراہ دادن حجاب معروض خواہد کرد دفعتہً آداب بجا آوردہ ازین قسم حرف ہا شروع نمود کہ غلام یار ودیار خود را گذاشتہ محض براے پیر ومرشد درین شہر می ماند ہر گاہ مرا تا حضور نہ گذارند چہ قسم بسر می توانم کرد بہ کمال تفضلات ارشاد شد من شما را منع نہ کردہ ام لطیفہ[۱۵] روزے جناب عالی بر بوچا[۲] سوار شدہ بہ کمال سرعت تشریف فرما می شدند بندہ بہ معیت رکاب سعادت دویدن آغاز کرد ارشاد شد اغلب کہ شما کدام کاغذ می خواہید۔

اصل : می خواہند

[۱]۔ مجرا، ملاقات، مراد سلام وتسلیمات آداب

[۲]۔ بوچا۔ ہوادار۔ تام جان، ایک قسم کی امیروں کی سواری جس کو کہار اٹھاتے ہیں۔

(بقیہ نوٹ) جس طرح "گٹھلی میں درخت" اور یہ بغیر کمی بیشی کے اصل واقع کا بیان ہے۔ اور اس سے اعلیٰ کوئی مرتبہ نہیں۔ نیز جب تک سالک "نیستی تمام" یعنی "فنائے مطلق" کو پوری طرح نہ نباہ لے ہستی مطلق یعنی بقاء باللہ اس کے لیے ثابت نہیں ہوسکتی۔ پس یہ روسیاہی جو پوری پوری "فنا" کا نام ہے "سواد اعظم" یعنی بقا باللہ ہے۔ (باقی)

بن جاتا ہے ۔ نعوذ باللہ من ذالک

لطیفہ ۱۳۔ ایک روز دل میں آیا کہ لوہے کے ترازو پر جو جناب کی ایجاد ہے اور اس کے دونوں پلڑوں پر گھوڑوں کو تولتے ہیں ۔ حاضرین کا ایک دوسرے سے موازنہ فرمائیں ۔ چنانچہ لطف علی خان متوفی کے بیٹے اور مرزا حسن رضا خان سرفراز الدولہ کے بھانجے افضل علی خاں صاحب سے بندے کا موزانہ کیا ۔ ان کا پلہ بھاری نکلا ۔ ارشاد ہوا آپ نظر میں بہت سبک ہوئے ۔

لطیفہ ۱۴۔ شیر زماں خاں افغانی کہ اس قوم میں بہت شوخ طبع اور ظریف ہے ۔ دور سے نمودار ہوا ۔ میاں آفریں علی خان بہادر سے ارشاد فرمایا کہ ایسی آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرا نہ پانے اور حاجبوں کے روکنے کی شکایت پیش کرے گا ۔ دفعتہً آداب بجا لا کے یوں کہنے لگا کہ غلام یار اور دیار چھوڑ کر محض پیر و مرشد کے لئے اس شہر میں ہے ۔ جب مجھے حضور تک نہیں پہنچنے دیتے تو میں کس طرح بسر کر سکتا ہوں ۔ کمال عنایت سے ارشاد کیا ۔ میں نے آپ کو منع نہیں کیا ہے ۔

لطیفہ ۱۵۔ ایک دن جناب عالی بوچے پر سوار ہو کے کمال سرعت سے تشریف فرما ہوئے تھے ۔ بندہ رکاب سعادت میں دوڑنے لگا ۔ ارشاد ہوا ۔ شاید آپ کوئی کاغذ

(بقیہ نوٹ) (مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز ترجمہ اردو از مولوی محمد عبد اللہ صاحب صفحہ ۷۵ - ۷۶)

ہے واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیأً و بالوالدین احسانا و بذی القربی والیتمی والمسکین والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لایحب من کان مختالا فخورا ۔ اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور عزیزوں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پہلو میں بیٹھنے والے اور مسافر اور اس کے ساتھ جو تمہارے قبضے میں ہو ۔ بیشک اللہ اس شخص کو دوست نہیں رکھتا ۔ جو تکبر کرے اور شیخی مارے ۔ النساء ع ۶

ہ الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبہم و یتفکرون فی خلق السموٰت والارض ۔ ربنا خلقت ہذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار ۔ آل عمران ع ۲۰ ۔ (باقی)

می خواہید بنمائید عرض کردم بہ نمک خداوند نعمت قسم یاد می کنم کہ کاغذ در کیسہ غلام بود ہمیں وقت دست انداختہ می خواستم آن را بر آوردہ اگر ممکن باشد وتمہید بہ دست آید بہ ملاحظہ در آوردم والّا موقوف بر وقت دیگر گذارم کہ جناب این چنین ارشاد فرمودند قربان قیافہ شناسی حضور باید شد بہ کمال نوازش متبسم شدہ حکم فرمودند کاغذ بدہید و محنت دویدن نہ کشید سبحان اللہ زہے فراست کہ مکنونات[۱] مافی الضمیر را بدون جنبش لب کما ہو حقہ می رسند و این چنین تفضلات بر سر این ہیچمدان می فرمایند لطیفہ[۱۶] مرد باریک وضع کثیر الضحک کہ از زمرۂ مشاہیر است معروض نمود کہ از امروز ترک تریاک کردم ارشاد شد گرفتار قبض خواہی شد عرض کردم بلکہ بسط[۲] شخص مذکور معروض داشت دیگر مدت العمر پیرامون این نہ خواہم گشت ارشاد شد اگر دل شما یاری دہد، سبحان اللہ کہ اندرین لطیفہ ایست مضمر کہ سامع با فہم را بے خواست آں مثل مشہور از زبان بر می آید، کند توبہ و یاری نہ دہد لطیفہ معروز سے مذکور شاہ زادۂ ایران بر آمد عرض نمودم کہ آن مرد بسیار مشتاق ملازمت حضور است۔ ارشاد شد تلاقی الطرفین[۳] متعذر[۴] است سبب

سطر ۵۔ اصل : بدہند

سطر ۷۔ اصل : ان ہیچمدان

سطر ۱۳۔ اصل : تلاقي الطرفين

[۱] مکنونات مافی الضمیر۔ دل کی پوشیدہ باتیں

[۲]۔ بسط۔ پیٹ چلنا۔ دست آنا

[۳] تلاقی الطرفین ۔ باہم ملاقات کرنا

[۴]۔ متعذر۔ مشکل۔ محال کے قریب۔

بتانا چاہتے ہیں۔ عرض کیا خداوند نعمت کے نمک کی قسم کاغذ غلام کی ہتھیلی میں تھا۔ اسی وقت ہاتھ ڈال کے چاہتا تھا کہ نکالوں اور اگر ممکن ہو اور تمہید ہاتھ آئے تو ملاحظے میں گزرانوں یا دوسرے وقت پر اٹھا رکھوں کہ جناب نے یوں ارشاد فرمایا۔ حضور کی قیافہ شناسی کے قربان جایئے۔ بڑی نوازش سے مسکرا کر حکم فرمایا۔ کاغذ دیجئے اور دوڑنے کی محنت نہ اٹھایئے۔ سبحان اللہ زہے فراست کہ ہونٹ ہلے بغیر دل کی پوشیدہ باتوں تک بخوبی پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس ہیچ مداں پر ایسی نوازشیں فرماتے ہیں۔

لطیفہ ۱۶۔ ایک دبلے سے بہت ہنسنے والے شخص نے جو مشاہیر کے زمرے سے ہے۔ عرض کیا کہ آج میں نے افیم چھوڑ دی۔ ارشاد ہوا قبض ہو جائیگا۔ میں نے عرض کیا بلکہ بسط۔ اس شخص نے عرض کیا پھر عمر بھر اس کے پاس نہ پھٹکوں گا۔ ارشاد ہوا اگر تمہارا دل یاری دے۔ سبحان اللہ اس میں ایک لطیفہ ہے۔ پوشیدہ کہ سمجھ دار سننے والے کی زبان سے خود بخود وہ مثل نکل جاتی ہے۔ کند توبہ دیاری نہ دہد

لطیفہ ۱۷۔ ایک دن ایران کے شاہ زادے کا ذکر آیا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ شخص حضور سے نیاز حاصل کرنیکا بہت مشتاق ہے۔ ارشاد ہوا ہم دونوں کی ملاقات دشوار ہے۔

(بقیہ نوٹ) جو اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار تو نے ان کو بے کار نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔

۲؎ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء مائدہ ع ۸ حدید ع ۳ جمعہ ع ۱

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

تعذّر این کہ من ہستم کالشمس[۱] فی وسط النّہار و او باباے[۲] مذبذب لطیفہ[۱۸]
روزے مذکور برآمد کہ حبشی ابیض اللّون کہ از کلکتہ بہ حضور می آید خوب شد
کہ روز دوشنبہ کہ مشہور بہ روز نبی اُمیہ[۳] است و در ہندی پیر می گویند داخل شہر نہ شد بہ عبارت
اردو چنین ارشاد شد خوب اگر پیر کو آنا نہ ہوا تو منگل تو بے پیر کا آنا ہوگا

لطیفہ[۱۹] روزے در حضور حکم جلوس حاصل نمودہ حاضر بودم در مذکورے بر سبیل
اختلاط از زبانم بر آمد کہ لعنت بر من کہ لطیفہ خداوندرا فراموش کردم میان
آفرین علی خان کہ با بندہ قلیلے سر رشتۂ مزاح دارند گفتند بیش باد در جواب ایشان
گفتم شما ملعون شدید کہ بعد لعنت گفتید۔ جناب عالی بہ مقتضاے ایمان و پاسداری
محبتِ اہل بیت علیہم الصلوٰۃ کہ درین ہنگام مخصوص جناب ذی شان ایشان
است اشک در چشم دواندہ فرمودند این چنین اختلاط با زمرۂ سادات نہ می شاید
معاف فرمایند اصرار از حد گذشت من گفتم معاف نہ خواہم کرد تا این کہ طعامہائے
خوب نہ خورانند ارشاد شد ہر گاہ شخصے بہ قصور خود معترف گشت در
نہ گذشتن از معاصی اسبق خالی از قساوت نہ می باشد، بہ موجب فرمودہ حضور لامع النور

سطر ۱۔ اصل : باباے تذبذب، (فہرست لطائف قلمی مدبدب)

سطر ۹۔ اصل : اہل بیت علیہم الصلوٰۃ درین ہنگام

[۱] کالشمس فی وسط النہار ۔ دوپہر کے سورج کی مانند

[۲] ۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب :۔ " باباے تذبذب " قرین قیاس نہیں ۔ بوڑھے آدمی کو " بابا "
کہتے ہیں ۔ بچے کو بھی پیار سے " بابا " کہتے ہیں، اور آج کل بھی ایران میں بچے کو " بابا " سے خطاب
کرتے ہیں ۔ " مذبذب " دونوں کی صفت ہو سکتی ہے ۔

[۳] ڈاکٹر صدیقی صاحب :۔ امام حسینؓ رمضان ۔۴ھ میں خلافت کی گدی پر بیٹھے امیر
معاویہ سے مقابلہ ہوا ۔ خونریزی کو ناپسند کرکے امام حسینؓ نے خلافت سے ہاتھ اٹھالیا ۔ (باقی)

دشواری یہ کہ میں ہوں مہرِ نیم روز اور وہ بابا ے مذبذب

لطیفہ ۱۸۔ ایک روز مذکور آیا کہ سفید فام حبشی جو کلکتے سے حضور میں آتا ہے اچھا ہوا کہ دو شنبے کے دن جو "بنی امیہ کا دن" مشہور ہے اور ہندی میں پیر کہتے ہیں شہر میں داخل نہ ہوا اردو کی عبارت میں یوں ارشاد ہوا "خوب اگر پیر کو آنا نہ ہوا تو منگل تو بے پیر کا آنا ہوگا۔"

لطیفہ ۱۹۔ ایک دن حضور میں بیٹھنے کی اجازت لے کر حاضر تھا۔ بے تکلفی سے باتوں باتوں میں میری زبان سے نکلا۔ لعنت ہو مجھ پہ کہ خداوند کا ایک لطیفہ بھول گیا۔ میاں آفرین علی خاں جو بندے سے کچھ مذاق کر لیتے ہیں۔ بولے "بیش باد" میں نے جواب دیا سید پر لعنت کر کے آپ ملعون بن گئے۔ جناب عالی ایمان اور محبت اہل بیت علیہم الصلوٰۃ کی پاسداری کے تقاضے سے جو اس زمانے میں جناب کی ذات ذی شان سے مخصوص ہے۔ آنسو بھر لائے اور فرمایا سادات سے ایسی بے تکلفی اچھی نہیں۔ معاف کر دیجئے اصرار حد سے گزر گیا۔ میں نے کہا جب تک یہ اچھے اچھے کھانے نہ کھلائیں گے میں معاف نہ کروں گا۔ ارشاد ہوا جب کسی نے اپنی غلطی مان لی تو پچھلی غلطیوں سے درگزر نہ کرنا سنگدلی ہے۔ امتثال امر میں۔

(بقیہ نوٹ) اور معاہدے کے مطابق امیر معاویہ کو خلافت سپرد کر دی۔ یہ واقعہ ۲۱ ربیع الاول ۴۱ ہجری م ۶۶۱ع روز دوشنبہ کا ہے۔ اسی لئے دوشنبہ "یوم بنی امیہ" کہا گیا اور اہل تشیع کے ہاں منحوس قرار پایا۔

لامع النور گفتم از دل وجان معاف کردم سبحان اللہ ازین جاو پنداری
ونیکو شعاری خداوند نعمت را بہ چشم تحقیق غور باید کرد اگر فی الحقیقہ در کسوت
بشری وجود ولی امکان دارد عبارت از جناب مبارک الیشان است عرض
کردم بہ رب کعبہ قطع نظر ازین کہ جناب مستطاب خداوند نعمت من اند حقیقت
چنین می خواہد کہ آدم در نسخۂ ارشادات حضور مطالعہ می کردہ باشد تا حظ وافر
نصیب او شود لطیفہ[۲۰] روزے مذکورے در حضور برآوردم بعضے از حضار نکتہ
چینی و ردکلام من کردند تنگ آمدہ گفتم سخت در گیر آمدم ارشاد شد باز بگوئید
تجنیس آن فہمیدہ انفعال کشیدم و بر دہن خود زدم باز فرمودند کہ حرف
اول اگر بہ کاف تازی مبدل شود خیلے قباحتے دارد ۔ لطیفہ[۲۱] روزے شخصے را
حکم شد کہ این موزہ در پاے خود بکن در حین کشیدن صداے برآمد گفتم ٹانکا
ٹوٹا ہوگا ۔ ارشاد شد وہاں سیون بھی ادھڑ گئی ہوگی ۔ لطیفہ[۲۲] روزے
در حضور مذکور برآمد کہ معلوم نیست کہ امسال نوروز بر خوک[۱] سوار است یا سواری
دیگر دارد ارشاد شد اغلب کہ بر موش سوار باشد زیرا کہ مخصوص است بنابر

سطر ۵ ۔ اصل : مطالع

سطر ۸ ۔ اصل : بر ذہن خود زدم

[۱] ۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب :۔ نجومیوں کے ہاں نوروز کی سواری میں جو جانور رہتا ہے۔
اس کے خواص معین کر لیے گئے ہیں جن کی بنا پر خوش حالی، بدحالی، موسم وغیرہ کے
متعلق پیشین گوئی کی جاتی ہے ۔

میں نے کہا۔ میں نے دل وجان سے معاف کر دیا۔ سبحان اللہ۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم خداوند نعمت کی دینداری اور نیکوشعاری پر تحقیقی نظر سے غور کریں۔ اگر فی الحقیقت بشر کے لباس میں ولی کا وجود ممکن ہے تو اس کا ثبوت جناب مبارک کی ذات ہے۔ عرض کیا رب کعبہ کی قسم اس سے قطع نظر کہ جناب مستطاب میرے خداوند نعمت ہیں حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی حضور کے ارشادات مکتوبہ کا مطالعہ کیا کرے تاکہ بہت زیادہ خوشی وخرمی اس کو نصیب ہو۔

لطیفہ ۲۰۔ ایک دن حضور میں میں نے ایک مذکور نکالا۔ بعض حاضرین نے نکتہ چینی کی اور میرے کلام کو رد کیا۔ تنگ آکے کہا: سخت درگیرم" (میں تو سخت گرفت میں آگیا) ارشاد ہوا پھر کہئے اس کی تجنیس کو سمجھ کر شرمندہ ہوا اور اپنا منہ پیٹا۔ پھر فرمایا کہ پہلا حرف اگر کاف عربی سے بدل جائے تو بے حد قبیح ہے۔

لطیفہ ۲۱۔ ایک دن ایک شخص سے کہا کہ یہ جراب اپنے پاؤں میں پہنو۔ کھینچتے وقت آواز نکلی میں نے کہا کہ ٹانکا ٹوٹا ہوگا۔ ارشاد ہوا ہاں سیون بھی ادھر گئی ہوگی۔

لطیفہ ۲۲۔ ایک دن ذکر چھیڑا کہ نہیں معلوم کہ اس برس نوروز سور پر سوار ہے یا کوئی دوسری سواری رکھتا ہے۔ ارشاد ہوا غالباً چوہے پر سوار ہوگا۔ کیوں کہ اکھاڑ پچھاڑ کے اعتبار سے وہ اپنے انداز میں مخصوص ہے۔

قَلَع و قَمَع در انداز آن گفتم چه خوب فرمودند ارشاد شد شما هنوز به لطف
این نه رسیده اید عرض نمودم که بالکل به کنہ حقیقت رسیده مُعرّف شده ام
قاعدۂ احقر نیست که بدون فہمیدن واه واه کنم تصدیق بلا تصور چنان که عادت
سائر النّاس و شیوۂ جُہّال است شعار من نیست علی الخصوص در حضور که دانایان
جہاں زانوے ادب تہہ می کنند لطیفہ[۲۳] روزے عرق عرق به حدّے نشده بودم
که جامه و زیر جامه ہمه تر شده بود ارشاد شد ہمین طور وعده کرده بودند که در
خانۂ خالی شیر و برنج یعنی کھیر خواہم برآورد به خوردن کسان خواہم داد گفتم چه خوش
چه خوش چه خوب جانی خان درین میانه به زبان ہندی گفتند ہم پہلے جھاڑ[۱]
لے لیں گے تب کھیر آپ کی لائی ہوئی کھاویں گے ارشاد شد پہلے جھاڑ لوگے یا پہلے
کھیر کھاؤ گے گفتم لفظ کھیر از زبان ولایت زایاں به چه خوبی بر می آید خوردنش
آن جا موقع دارد لطیفہ[۲۴] روزے در حضور پر نور مذکور بر آمد که بر شہادتِ
میاں آفرین علی خان روزه داران افطار کردند یعنی رویت ماه مبارک رمضان
زاد اللہ شرفاً بیست و نہم دست داد، حال آن که قوت باصرۂ ایشان به حدّے رسیده که از

---

[۱] جھاڑ لینا ۔ تلاشی لینا ۔

عرض کیا، کیا خوب فرمایا۔ ارشاد ہوا ابھی آپ اس کے لطف کو نہیں پہنچے ہیں۔ عرض کیا کہ بالکل اس حقیقت کی تہ کو پہنچ کے داد دی ہے۔ احقر کا دستور نہیں کہ سمجھے بغیر واہ واہ کرے۔ تصور کے بغیر تصدیق عوام الناس کی عادت ہے۔ اور جاہلوں کا شیوہ بہ میر اشعار نہیں۔ خصوصاً حضور میں جہاں دنیا کے دانا زانو تہ کرتے ہیں۔

لطیفہ ۲۳۔ ایک روز اس قدر پسینے پسینے ہو گیا تھا کہ جامہ اور زیر جامہ سب تر ہو گئے تھے۔ ارشاد ہوا۔ آپ نے اسی طور پر وعدہ کیا تھا کہ "خانۂ خالی" شیر برنج یعنے کھیر نکال کر لوگوں کو کھانے کے لئے دوں گا۔ میں نے کہا کیا خوب۔ کیا خوب واہ کیا کہنا ہے۔ جانی خان نے اسی اثنا میں ہندی زبان میں کہا۔ "ہم پہلے جھاڑا لیں گے۔ تب کھیر آپ کی لائی ہوئی کھاویں گے۔ ارشاد ہوا پہلے جھاڑا لوگے یا پہلے کھیر کھاؤگے۔ میں نے کہا کھیر کا لفظ ولایتیوں کی زبان سے کس خوبی سے نکلتا ہے۔ اس کے کھانے کا وہاں موقع ہے۔

لطیفہ ۲۴۔ ایک روز حضور پر نور میں مذکور آیا کہ میاں آفرین علی خان کی گواہی پہ روزہ داروں نے افطار کیا۔ یعنے ماہ مبارک رمضان زاد اللہ شرفاً کی انتیسویں کو چاند ہوا۔ (جوان عید) حال آں کہ ان کی قوت باصرہ اس حد تک پہنچی ہے۔

که از دور عمرو را زید دانسته خطاب می کنند ارشاد شد، فرد، نوکار زمین را
نکو ساختی: که بر آسمان نیز بر واختی لطیفه[25] روزے بخیال این که آدم برائے
محافظت نیست کفش مُغَرَّق[1] زرباف[2] را بیرون گذاشته کفش ساده پوشیده
در حضور آمدم وقت شام بود ارشاد شد یلے صاحب این شب خوابی[3] است
سوائے خنده، ہیچ جوابے نیامد لطیفه[26] روزے در حضور در جائے اتفاق نشستن شد
که درمیان رمضان علی خان صاحب و بنده میر حسین علی نشسته بود و حضور پر نور
نظر براین که پارۂ عربیت وارم اکثر این ہیچ مدان را مخاطب فرموده حرف می زدند
و نظر کیمیا اثر چنان که بایست بر مس حوصلۂ ناقص می افتاد وانہ اخلاق نہ می فرمودند
حسب اتفاق بنابر ضرورتے میر مذکور برخواسته رفت از تفضلات مغتنم
انگاشته ارشاد شد که میر انشاء اللہ خان شما بیشتر بنشینید که الحال از معونت
غیبی جائے با فراغت چنان که می خواستم حاصل شد حسب الحکم تسلیمات بجا آورده
قریب مرزا رمضان علی خان صاحب نشستم به زبان اردو این چنین فرمودند
حسین علی اس وقت ایسا نکل گیا جیسے پنٹھری نکل جاتی ہے، یعنی به وضعے از

سطر-۸- اصل: و بہ نظر کیمیا اثر

سطر-۱۲- اصل: آوردو

(۱) مغرق ۔ جگمگاتا ہوا ۔ سونے یا چاندی میں لپا ہوا۔

(۲) زرباف ۔ وہ کپڑا جو بادلے اور ریشم سے تیار کیا جاتا ہے۔

(۳) شب خوابی، رات کو پہن کر سونے کے کپڑے۔

کہ دور سے عمرو کو زید سمجھ کر گفتگو کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ فرد۔ تو کار زمین را نکو ساختی: کہ بر آسمان نیز پر داختی۔ تو نے زمین کا خوب انتظام کیا پھر آسمان کی طرف بھی متوجہ ہوا۔

لطیفہ ۲۵۔ ایک روز اس خیال سے کہ حفاظت کرنے کے لئے آدمی نہیں ہے۔ زربفت کا جگمگاتا ہوا جوتا چھوڑ کر اور سادہ جوتا پہن کر حضور میں گیا۔ شام کا وقت تھا۔ ارشاد ہوا ہاں صاحب یہ شب خوابی ہے۔ (یعنے رات کو پہن کر سونے کا جوتا ہے) ہنسی کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا۔

لطیفہ ۲۶۔ ایک دن حضور میں ایسی جگہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا کہ بندے اور رمضان علی خان صاحب کے درمیان میر حسین علی بیٹھا تھا۔ حضور پر نور اس لحاظ سے کہ کچھ عربی جانتا ہوں اکثر اس ہیچ مداں کو مخاطب فرما کے کلام کرتے تھے۔ اور نظر کیمیا اثر جیسا کے چاہئے ناقص حوصلے کے تانبے پر نہیں پڑتی تھی۔ اور اخلاق سے (کسی کو) نہیں کہتے تھے (کہ تم قابلِ خطاب نہیں) اتفاقاً کسی ضرورت پر میر مذکور اٹھ کر چلا گیا۔ اپنی بزرگی سے (اس موقع کو) غنیمت سمجھ کر ارشاد کیا کہ میر انشاء اللہ خان آپ اور آگے بیٹھئے۔ اب تائید غیبی سے بافراغت جگہ جیسی کہ میں چاہتا تھا حاصل ہوئی۔ حسب الحکم تسلیمات عرض کر کے مرزا رمضان علی صاحب کے قریب بیٹھ گیا۔ زبان اردو میں یوں فرمایا۔ حسین علی اس وقت یوں نکل گیا جیسے پتھری نکل جاتی ہے یعنے

برون رفتن آن آرام شد که از بیرون آمدنِ سنگ مثانہ صاحب حصاۃ[1] را
می شود در ہمان ایام حصاۃ مرشد زادۂ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر بعد
مصائب بسیار برآمدہ بود و بسیار قریب تشریف داشتند زیرا کہ این ماجرائے
کوٹھی جنرل مارٹین است کہ پیر و مرشد برحق ولی نعمت من آن را خریدہ بہ اصلاح
پرداختہ الحال رشک فردوس برین ساختہ بہ خطاب فرح بخش سرفراز فرمودہ اند
از حسن اتفاقات این کہ ہرگاہ این مکان موسوم بہ نام فرح بخش گردیدہ مادۂ تاریخ "فرح بخش با جاہ و اوج"
بہ خاطر احقر رسید قطعہ این است ۔ قطعہ مکان فرح بخش تعمیر کرد ٭ وزیر شہ
آن ناظم ملک و فوج ، چو تاریخش انشا درین نام جست ٭ بگفتم فرح بخش
سنہ ۱۲۰۸ ہجر
با جاہ و اوج ۔ ہزار و دو صد و ہشت ہجری بود ۔ لطیفہ[27] ۔ روزے مذکور نمودم کہ
میان آفرین علی خان جائے افتادند ضربتے در زانوے ایشان رسید حافظ
حقیقی بسیار خیریت کرد محل خطر بود بہ جان معز الیہ ارشاد شد اجی صاحب
کہاں پھسل[2] پڑے ۔ لطیفہ[28] روزے معروض نمودند کہ امروز در میلہ پیر جلیل[3] کہ مجمعے
از خلائق بود فیل سوارے را دیدم کہ در سواری خود سہ مرد را نشانیدہ بود
گفتم

سطر ۱۲ ۔ اصل : پر جلیل

[1] حصاۃ ۔ کنکری ۔ (پتھری یعنے سنگ مثانہ)

[2] پھسل پڑنا ۔ گر پڑنا ۔ فریفتہ ہو جانا ۔

[3] پیر جلیل کی قبر لکھنؤ (شہر) میں ہے اور وہ محلّہ بھی "پیر جلیل" ("یا پیر جلیلوں") کہلاتا ہے
پیر صاحب کا عرس "پیر جلیل کا میلا"

اس کے باہر چلے جانے سے ایسا ہی آرام ہوا جیسا کہ پتھری نکل جانے سے پتھری والے کو آرام ہوتا ہے۔ انھیں دنوں میں مرشد زادہ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی پتھری بڑی مصیبتوں کے بعد نکلی تھی۔ اور بہت قریب تشریف رکھتے تھے۔ کیوں کہ یہ واقعہ جرنیل مارٹین کی کوٹھی میں ہوا جس کو پیر و مرشد (سعادت علی) نے میرے ولی نعمت (سلیمان شکوہ) کے لئے خرید کر اب اصلاح سے رشک فردوس بریں بنا دیا ہے۔ اور فرح بخش کے خطاب سے سرفراز کیا ہے۔ حسن اتفاق یہ کہ جب یہ مکان فرح بخش کے نام سے موسوم ہوا تو مادۂ تاریخ "فرح بخش باجاہ و اوج" میری خاطر میں گزرا۔ قطعہ یہ ہے۔ مکان فرح بخش تعمیر کرد ؛ وزیر شہ آں ناظم ملک و فوج
چو تاریخش انشا دریں نام جست ؛ بگفتم فرح بخش باجاہ و اوج

ہزار و دو صد و ہشت ہجری بود (سنہ ۱۲۰۸ ہ)

لطیفہ ۲۷۔ ایک دن میں نے ذکر کیا کہ میاں آفرین علی خان کسی جگہ گر پڑے۔ ان کے زانو میں چوٹ آئی۔ حافظ حقیقی نے بڑا فضل کیا۔ معاذ اللہ کی جان خطرے میں تھی۔ ارشاد ہوا۔ اجی صاحب کہاں پھسل پڑے۔

لطیفہ ۲۸۔ ایک دن (حاضرین نے) عرض کیا کہ آج پیر جلیل کے میلے میں ساری خلایق جمع تھی۔ ایک مہاوت کو ہم نے دیکھا کہ اپنی سواری پر تین آدمیوں کو بٹھا رکھا ہے۔

گفتم چہ طور گنجایش سہ تا در مکان تنگ شدہ باشد در زبان اردو ارشاد شد اوپر تلے بیٹھ لیئے ہوں گے۔ لطیفہ[29] روزے در وقتے کہ مذکور نہر برآوردن کفایت اللہ معمار و ذمہ دار شدن آن بود۔ میر حسین علی مردانہ بہ کمال حسرت گفت آیا این ہم می تواند شد کہ نالہ کہ در زیر حویلی من سرکشان و موج زنان در ہنگام برشکال می رود و بدون برشکال منغض[1] بود از گل و لاے می ماند این محل را گذاشتہ طرف دیگر میل کند یا خشک شود بدان گونہ کہ ہیچ وجہ آب را درآن حوالی[2] مداخلت نہ باشد در زبان اردو ارشاد شد تمھارا نالا کوئی خشک ہونے والا ہے پانی جہاں اپنی کاٹ[3] کے راہ پاتا ہے وہیں جاتا ہے سبحان اللہ چہ قدر بے ساختہ و معقول و موجہ کہ محاسن این ظاہر است لطیفہ[30] روزے معروض داشتم کہ غلام نذر بسیار قبول کردہ بود کہ چوں خداوند نعمت غسل شفا فرمایند بجا آوردہ شود، ازآن جملہ این است کہ نیت کردہ بودم کہ ہرگاہ فضل ربانی رو نماید در بیت الخلاء رفتہ برہنہ شدہ برقصم ارشاد شد این رقص روبہ روے گوگا پیر[4] خواہد شد لطیفہ[31] روزے تذکرۂ غسل جنابت برآمد گفتم در حدیث وارد

سطر ۲۔ اصل : مذکور نہر برآمدن کفایت اللہ معمار

[1] منغض ۔ مکدر ۔ ناخوش۔

[2] حوالی ۔ نواح ، گرد ، آس پاس

[3] کاٹ ۔ پانی سے جو غار پڑ جائے یا کنارہ اڑ جائے اسے بھی کاٹ کہتے ہیں۔

کاٹ کرنا ۔ پانی کا اپنے آپ راستہ کرلینا۔

[4] ۔ گوگا پیر ۔ خاکروبوں کے پیر کا نام جو محمود غزنوی کے عہد سے پہلے علاقہ بیکانیر میں پیدا ہوا تھا۔ خاکروب اسے بڑا مقدس سمجھتے ہیں۔

میں نے کہا کہ تنگ جگہ میں تین آدمیوں کی گنجایش کس طرح ہوئی ہوگی۔ اردو زبان میں ارشاد ہوا۔ اوپر تلے بیٹھ لئے ہوں گے۔

لطیفہ ۲۹۔ ایک روز کفایت اللہ معمار کے نہر نکالنے اور اس کام کے ذمہ دار ہونے کا مذکور تھا۔ اس وقت میر حسین علی مردانہ نے کمال حسرت سے کہا۔ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نالا جو میری حویلی کے نیچے سے برشکال میں سر اٹھائے موجیں مارتے بہتا ہے۔ اور برشکال نہیں ہوتی تو گندی کیچڑ سے بھرا رہتا ہے۔ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کرے یا ایسا خشک ہو جائے کہ پانی کسی طرح اس نواح میں داخل نہ ہو۔ اردو زبان میں ارشاد ہوا۔ تمہارا نالا کوئی خشک ہونے والا ہے۔ پانی جہاں اپنی کاٹ کے راہ پاتا ہے۔ وہیں جاتا ہے۔ سبحان اللہ کس قدر بے ساختہ اور معقول اور قابل توجہ ہے۔ اس کے محاسن ظاہر ہیں۔

لطیفہ ۳۰۔ ایک روز عرض کیا کہ غلام نے منتیں مانی تھیں کہ خداوند نعمت جب غسل صحت فرمائیں گے تو وہ اتاری جائیں گی۔ ان میں یہ بھی ہے کہ میں نے نیت کی تھی کہ جب خدا کا فضل ظاہر ہوگا۔ بیت الخلاء میں جا کر برہنہ ہو کے ناچوں گا۔ ارشاد ہوا یہ ناچ گوگا بیر کے روبرو ہوگا۔

لطیفہ ۳۱۔ ایک روز غسل جنابت کا تذکرہ آیا میں نے کہا حدیث میں آیا ہے۔

شدہ المنی نور ارشاد شد در بیرونِ شد لنش بدن آدم بے نور می شود بنا بران
برائے اعادۂ نور شست وشو می کنند لطیفہ[۳۲] روزے در مکان نواحداث برلب
دریا جفت قاز را تماشامی فرمودند میان آفرین علی خان سرگرم اختلاط بودند
گفتم روغن[۱۸] قاز مالیدن عجب اصطلاح است ارشاد شد یعنی پھسلا وکردن مغلبیہ
از اختلاط چنین می گویند درین اثنا خانِ مسطور بہ وضع استادہ شد کہ پشت
ایشان اندک طرف حضور میلے داشت وجناب عالی را خیال اقدس سمت دیگر بود
از حرکت ہر دو جانب بے خواست تماس[۲] واقع شود دست بستہ عرض کردم کہ حقیقت
روغن قاز مالیدن معاینہ شد ارشاد شد پیشتر گفتہ بودم کہ روغن قاز مالیدن
کنایہ از پھسلا وکردن است شما قبول نہ داشتند حالا شبہ رفت یا خیر لطیفہ[۳۳] روزے
اشارۂ نوک چوبے کہ در دست مبارک بود با کمال الطاف بہ سبیل اختلاط
وکمال انبساط بر ناف میان آفرین علی خان رفت دست بستہ این شعر خواندم ؎
نظر بہ زلف وخط وخال نیست عاشق را[۳] تو واقفی کہ سر رشتہ در کجا بند
است۔ ارشاد شد آن جا سر بند نہ دارد لطیفہ[۳۴] روزے مرغ آبی در دریا شنا می کرد وحضور

سطر ۴۔ "مغلبیہ" اس لفظ کی تحقیق نہیں ہو سکی۔ مَغْلَبَہ ایک لفظ ہے اس کے معنے ہیں کامیابی
فتح۔ لیکن یہ معنے یہاں نہیں کھپتے۔ میرا قیاس ہے کہ کاتب نے "اغلب کہ" کو "مغلبیہ"
بنا دیا ہے۔

[۱۸] روغن قاز۔ راج ہنس کی چربی جو نہایت آبدار اور چکنی ہوتی ہے۔ کنایۃً چکنی چپڑی
باتیں بنا کر دم دینا۔ امیر ؎

نہ جاتا تھا اس تک کبوتر دہل کر ٭ روانہ کیا روغن قاز مل کر

[۲] تماس۔ مس کرنا۔ چھونا

[۳] عاشق کی نظر زلف اور خط اور خال پر نہیں ہے تو جانتا ہے کہ سر رشتہ کہاں بند ہے۔

المنی نور ارشاد ہوا اس کے نکل جانے سے آدمی کا جسم بے نور ہو جاتا ہے۔ اس لئے نور کو تازہ کرنے کے لئے نہاتے دھوتے ہیں۔

لطیفہ ۳۲ ۔ ایک روز دریا کے کنارے۔ نئے بنے ہوئے مکان سے قاز کے جوڑے کا تماشا دیکھ رہے تھے میاں آفریں علی خان بہت بے تکلفی برت رہے تھے۔ میں نے کہا روغن قاز ملنا عجیب اصطلاح ہے۔ ارشاد ہوا یعنے پھسلاؤ کرنا۔ اغلب ہے کہ اختلاط کی وجہ سے اس طرح کہتے ہیں۔ اس اثنا میں خان مذکور اس وضع سے کھڑے ہوئے کہ ان کی پیٹھ کچھ حضور کی طرف ہوئی تھی اور جناب عالی کا خیال اقدس دوسری طرف تھا۔ کہیں دونوں جانب کی حرکت سے بلا ارادہ ٹکر نہ لگ جائے دست بستہ عرض کیا کہ روغن قاز ملنے کی حقیقت دیکھی پہلے کہا تھا کہ روغن قاز ملنا پھسلاؤ کرنے کا کنایہ ہے۔ آپ نے قبول نہیں کیا۔ اب شبہ دور ہوا یا خیر۔

لطیفہ ۳۲ ۔ ایک دن اس چھڑی کی نوک کا اشارہ جو دست مبارک میں تھی۔ کمال الطاف و انبساط سے بے تکلفی کے طور پر میاں آفرین علی خان کی ناف کی طرف ہوا ہاتھ باندھے میں نے یہ شعر پڑھا ۔ نظر بہ زلف و خط و خال نیست عاشق را۔

تو واقفی کہ سر رشتہ در کجا بند است ۔ ارشاد ہوا اس جگہ سر بند نہیں ہے۔

لطیفہ ۳۴ ۔ ایک دن مرغابی دریا میں تیر رہی تھی۔

وحضور وحضار از دور بین خال وخطِ آن ملاحظہ می فرمودند در لہجۂ اردو غرض کردم
غلام کا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ڈونگی[35] پر سوار ہو کے اس جانور کو نزدیک
سے دیکھ آوے۔ فرمایا ڈونگی تو اس وقت نہیں۔ لٹیا پر سوار ہو کے ہو آئیے۔ لطیفہ
روزے در حضور سرگرم طلاقت لسانی بودم اشہب ناطقہ در وادیٔ عذب البیانی
جولانی می کرد، اندران تگ و تاز غزالان وحشی ہم سلسلہ بند شدند یعنی لغات
قاموس ہم پارۂ در سخن منتظم گشت ارشاد شد کلام شما بہ محل ہائے راجہ پتھورا[2] می ماند
لطیفہ روزے[36] آفرین علی خان صاحب در حق میر انور صاحب کہ در قصہ گوئی و مرثیہ خوانی
و تیزیٔ آواز از زمرۂ مشاہیر است گفتند ایشان اکثر موضع معتاد خود را می خارند و شان
در جواب این فقرہ آوردند کہ بندہ بو اسیر نہ دارد، از زبان خان مسطور بر آمد
ہمچنین مذکورات غلیظہ شایان نیست بندہ چنان معروض ساخت در شوخی
و مزاح نمی شاید بیان عیبے کہ طرف ثانی داشتہ باشد مثلاً یک چشم را کہ در
ہندی کانا گویند کانا نہ باید گفت از حضور ارشاد شد نہ صاحب کانا تو کاہے
کو این لطیفہ نیست اعجازے است از برائے ہمین در ہندوستان مشہور است

---

[1] ڈونگی۔ چھوٹی کشتی جو بڑی کشتی کے ساتھ بندھی رہتی ہے۔

[2] پرتھی راج یا پرتھوی راج (راجا پتھورا) کے معرکے شہاب الدین محمد غوری کے ساتھ مشہور ہیں۔ یہ دلی کا آخری ہندو تاجدار تھا جو غوری کے مقابلے میں دوسری جنگ (۱۱۹۳ع) میں مارا گیا۔ رائے پتھورا کا مستحکم محل تقریباً اسی جگہ تھا جہاں اب قطب مینار کھڑا ہے۔

خلاصہ آثار الصنادید صفحہ ۸۲

اور حضور اور حاضرین دوربین سے اس کا نقشہ ملاحظہ کر رہے تھے - اردو کے لہجے میں میں نے عرض کیا غلام کا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ڈونگی پر سوار ہو کے اس جانور کو نزدیک سے دیکھ آوے، فرمایا - ڈونگی تو اس وقت نہیں لٹیا پر سوار ہو کے ہو آیئے -

لطیفہ ۳۵ - ایک دن حضور میں تیز زبانی میں سرگرم تھا اور شیرین کلامی کی وادی میں ناطقے کا گھوڑا اڑا رہا تھا - اس جست وخیز میں وحشی ہرنوں کی ڈار بھی نمودار ہوگئی یعنے قاموس کے کچھ لغظ بھی زبان پر آگئے - ارشاد ہوا - آپ کا کلام راجا بھورا کے محلوں جیسا ہے -

لطیفہ ۳۶ - میر انور صاحب قصہ گوئی اور مرثیہ خوانی اور آواز کی تیزی میں زمرۂ مشاہیر سے ہیں - ان کے حق میں ایک دن میاں آفریں علی خان صاحب نے کہا کہ یہ اکثر اس جگہ جہاں عادت پڑ گئی ہے - کھجاتے رہتے ہیں - انھوں نے جواب میں یہ فقرہ کہا کہ بندے کو بواسیر نہیں ہے - خان مذکور کی زبان سے نکلا - ایسی غلیظ باتیں مناسب نہیں - بندے نے عرض کیا کہ شوخی اور مزاح میں مخاطب کا عیب بیان نہ ہونا چاہیئے مثلاً یک چشم کو جسے ہندی میں کانا کہتے ہیں - کانا نہیں کہنا چاہیئے - حضور نے ارشاد فرمایا نہ صاحب - کانا تو کانا ہے کو - یہ لطیفہ نہیں معجزہ ہے - اسی لئے ہندوستان میں مشہور ہے -

کانا گنونڈا یعنی یک چشم وشرمندہ بہ عیب واقعی خود، پس ہیچ نہ فرمودند بلکہ ثابت شد
کہ کانا تو کا ہے کو لیکن درضمن این بر آمد یعنی این جا محل کنونڈا گفتن است لطیفہ[۳۷] روزے
خواجہ حسین صاحب دو سہ خربوزہ کہ از گیتھا کہ ثمرے است مانند بیل ساختہ فرستادند
لیکن بہ حدّے درآن صنعت بہ کار بردہ بودند کہ اصلا امتیاز از خربوزۂ اصل نہ می شد
ارشاد شد خربوزے اس طرح کے اور کیتھے لطیفہ[۳۸] روزے در نشاط باغ این کمینہ غلام
را طلب فرمودہ ارشاد شد کہ سوالے نوشتہ بند نمودہ سپرد این تلنگہ کہ بہرہ
مند نمودہ ام باید کہ شما با آغا مرزا کہ در علم رمل خود را چون دانیال علیہ السلام
می انگارد نشستہ آن چہ جواب بگوید نوشتہ درحضور آوردہ تطبیق بدہند حسب الحکم
دو سہ گھڑی بہ آغا مرزا صاحب اوقات بسر بردم جوابے کہ اوشان نویسانیدند
بلا کم وکاست این است "عالم الغیب ذات الہی است از روے دلایل ہرچہ
معلوم شود می نویسد سایل را امید چیزے ہست کہ مرا حاصل می شود یا نہ وحصول
آن برآمدن دو ستے یا نوشت وخواند کاملہ منحصر است وہنوز توقف است
لیکن انجام آن شدنی است تمام شد جواب، این جواب را بہ مطالعہ حضور درآوردم
سوال

سطر ۹ - اصل در سہ گھڑی

کہ کانا کنونڈا، یعنے یک چشم اپنے عیب واقعی سے شرمندہ ہوتا ہے۔ بس کچھ نہیں فرمایا بلکہ ثابت ہوا کہ کانا تو کا ہے کو لیکن اس کے تحت میں یہ بر آمد ہوا کہ یہ موقع کنونڈا کہنے کا ہے۔

لطیفہ ۳۷ ۔ ایک روز خواجہ حسین صاحب نے دو تین خربوزے کیتھے میں جو بیل کی مانند ایک پھل ہے بنا کے بھیجے۔ لیکن اس میں اس قدر کاریگری صرف کی تھی کہ ہرگز فصلی اور نقلی میں تمیز نہیں ہوتی تھی۔ ارشاد ہوا خربوزے اس طرح کے اور کیتھے۔

لطیفہ ۳۸ ۔ ایک روز نشاط باغ میں اس کمینہ غلام کو طلب کر کے ارشاد کیا کہ میں نے ایک سوال لکھ کر بند کر کے اس تلنگے کے جو پہرہ دے رہا ہے۔ سپرد کیا ہے۔ آپ آغا مرزا کے پاس جو علم رمل میں اپنے آپ کو دانیال علیہ السلام کے برابر سمجھتا ہے۔ بیٹھ کے وہ جو کچھ اس کا جواب کہتا ہے لکھ کر حضور میں لائیں اور سوال اور جواب کو ملائیں۔

حسب الحکم دو تین گھڑیاں (۲۴ منٹ کی ایک گھڑی) میں نے آغا مرزا صاحب کے پاس گزاریں انھوں نے جو جواب لکھوایا وہ پورے کا پورا یہ ہے "غیب دان اللہ کی ذات ہے دلیلوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ لکھواتا ہے۔ سایل کو ایک چیز کی امید ہے کہ وہ مجھے حاصل ہوگی یا نہیں۔ اس کا حاصل ہونا ایک دوست کے آنے یا کامل خط و کتابت پر منحصر ہے۔ اور ابھی اس میں دیر ہے۔ لیکن اس کا انجام ضرور ہونے والا ہے۔ جواب تمام ہوا" اس جواب کو میں نے حضور کے مطالعے کے لئے پیش کیا۔

سوال مصمّغ را از تلنگہ طلب داشتنہ بہ دست غلام عنایت شد کہ واکنم چون کاغذ سوال را وانمودم دیدم کہ حضرت پیر و مرشد از دستخط خاص خود این عبارت ارقام فرمودہ اند بعینہ نوشتہ می شود، سوال، دندان متخلخل میان آفرین علی خان کے و کدام یکے اول رفع خواہد شد، ۱۶ رشوال سنہ ۱۲۱۸ ہجری یوم پنجشنبہ تمام شد سوال القصہ در تطبیق دادن این چنین سوال و جواب کہ عقل فلاطون و ذہن لقمان عاری می شود بہ حدّے صدائے خندہ در جو ہر ہوا پیچید کہ سامعۂ سکّان ملاء اعلیٰ کر شدہ باشد چنان چہ آن سوال بہ دستخط حضور پرنور و جواب از دستخط بندہ کہ آغا مرزا صاحب نویسانیدہ بودند ہنوز پیش من موجود است در عینک خود نگاہ می دارم کہ مزید بصر باشد لطیفہ روزے بر سبیل اختلاط بر بساط انبساط در کمال سرور و نشاط ارشاد شد کہ جیم فارسی چے را از برائے چہ می خوانند آیا خوبیٔ قافیہ نہ می دانند بہ حدّے خندہ گلوگیرم شد کہ حالت وجد حاصل آید بر فرش بے اختیار غلطہ می زدم و سینۂ خود را بہ ہر دو دست می کوبیدم و مرّۃً بعد اخریٰ معروض می داشتم کہ من چہ ام

گوند سے بند سوال کو تلنگے سے لے کر غلام کو عنایت کیا کہ اس کو کھولوں۔ جب سوال کا کاغذ کھولا تو دیکھا کہ حضرت پیر و مرشد نے اپنی خاص تحریر میں یہ عبارت لکھی تھی، وہ عبارت جوں کی توں یہ ہے، "سوال" میاں آفرین علی خان کے ہلتے ہوئے دانتوں میں سے کب اور کون سا پہلے گرے گا۔ ۱۶ر شوال سنہ ۱۲۱۸ ہجری۔ بروز جمعرات۔ سوال تمام ہوا الغصہ ایسے سوال اور جواب کو مطابق کرنے میں فلاطون کی عقل اور لقمان کا ذہن عاجز ہو جاتا ہے ہنسی کی آواز اس قدر ہوا میں گونجی کہ آسمان پر فرشتوں کے کان بہرے ہو گئے ہوں گے۔ چناں چہ وہ سوال جو حضور پر نور نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اور وہ جواب جو آغا مرزا صاحب نے لکھوایا تھا۔ بندے کے دستخط کے ساتھ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ اپنی عینک میں رکھا ہے تاکہ بصارت بڑھے۔

لطیفہ ۳۹۔ ایک دن بہت بے تکلفی اور مسرت کے عالم میں ارشاد ہوا کہ چے کو جیم فارسی کیوں بولتے ہیں۔ کیا قافیے کی خوبی نہیں جانتے۔ اس قدر ہنسی گلوگیر ہوئی کہ جیسے وجد کی حالت ہو گئی ہو۔ فرش پر بے اختیار لوٹتا تھا اور دونوں ہاتھوں سے سینہ کوٹتا تھا۔ اور بار بار عرض کرتا تھا کہ میں کیا ہوں۔

کجا این چک[1] وچانہ دارم کہ یہ کنہ این جیم پرسیم ، تا سہ گھڑی کامل مذکور این بہ خوبی ماند لطیفہ روز سے ارشاد شد کہ بہ دولت آب برف را ترک فرمودیم معروض نمودم کہ چنین لذت جسمانی را گذاشتن خالی از سببے نخواہد بود ، ارشاد شد کہ از افراط ادرار این معنی بہ عمل آمد ، احوال خود ظاہر ساختم کہ غلام در شبنم می خوابد در شبانہ روز دو سہ مرتبہ غوطہ در آب می زند دیک ظرف گلی کہ آن را ناند می گویند برائے ہمیں مدام پُر از آب می باشد در زبان اردو چنین حکم شد زنہار ایسی حرکت نہ کیا کیجئے خدا نہ خواستہ ایک روز ہاتھ مونہہ ٹیڑھا نہ ہو جائے اور اس وقت جب تم ناند میں غوطے لیتے ہوگے ایسا معلوم ہوتا ہوگا جیسے انڈا کھڈکا ہوا ہوتا ہے ۔ بہت سے ہنسے اس بات پر ہوئے پھر فرمایا کہ خوف یہ ہے کہ کہیں ناند سے حوض آگے نہ ہو ، میں نے کہا کہ سو لونگ بھی روز کھاتا ہوں اعتدال گرمی سردی کا فضل الہی ہو رہتا ہے ۔ ارشاد ہوا اس کو میخک کہئے ، لوگ ہنسنے لگے فرمایا فارسی میں میخک لونگ کو کہتے ہیں ۔ اس میں کاف تصغیر کا ہے ۔ بعد ساعت این چنین ارشادات بہ وضعی ملاحظہ فرمودند کہ گویا در شدت

---

[1] چک وچانہ : قابلیت اور استعداد

مجھ میں اتنی لیاقت کہاں ہے کہ اس جیم کی تہ کو پہنچ سکوں کامل تین گھڑیوں تک (۷۲ بہتر منٹ)
بخوبی اس کا ذکر رہا۔

لطیفہ ۴۰۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ مابدولت نے برف کا پانی چھوڑ دیا ہے۔ عرض کیا کہ ایسی
لذت جسمانی کو چھوڑ دینا بلا سبب نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ہوا کہ ادرار زیادہ ہونے سے ایسا کیا ہے۔
میں نے اپنا حال سنایا کہ غلام شبنم میں سوتا ہے اور رات دن میں دو تین بار پانی میں غوطہ
لگاتا ہے اور مٹی کا ایک برتن جس کو ناند کہتے ہیں۔ اسی لئے ہمیشہ پانی سے بھرا رہتا ہے۔ اردو
زبان میں یوں حکم ہوا۔ تمہارا ایسی حرکت نہ کیا کیجئے خدانہ خواستہ ایک روز ہاتھ مونہہ ٹیڑھا
نہ ہو جائے۔ اور اس وقت تم ناند میں غوطہ لیتے ہو گے ایسا معلوم ہوتا ہو گا۔ جیسے انڈا کھڑکا ہوا
ہوتا ہے۔ بہت سے چھپے اس بات پر ہوے۔ پھر فرمایا کہ خوف یہ ہے کہ کہیں ناند سے حوض
آگے نہ ہو میں نے کہا کہ سو لونگ بھی روز کھاتا ہوں۔ اعتدال گرمی سردی کا فضل الہی ہو رہتا
ہے۔ ارشاد ہوا اس کو میخک کہئے۔ لوگ ہنسنے لگے، فرمایا فارسی میں میخک لونگ کو کہتے
ہیں۔ اس میں کاف تصغیر کا ہے۔ ان جیسے ارشادات کو سننے کے بعد اس انداز سے دیکھا کہ گویا
باران رحمت کی شدت ہیں

بارانِ رحمت چشمکِ شوخی انگیزبرق جلوہ گرمی شود بجزاین کہ عرض نمودہ شد
کاف تصغیر در مینخک مُشعر بہ ایں معنی است کہ موافق حوصلہ غلام را درین وقت کہ
تذکرہ حوض وغیرہ آمدہ مذکورِ خوردنِ قرنفل کہ فارسی آن مینخک باشد چہ
ضرور بود، الغرض خیلے بہ مرور گذشت لطیفہ[۴۱] روزے بہ میان ہوشمند در زبان
اردو ارشاد شد کہ ہر وقت مونہہ کیوں تم ہلایا کرتے ہو، انھوں نے عرض کیا
غلام کے مونہہ میں سپیاری ہے۔ غلام معروض نمود کہ رات کی بڑی رہ گئی ہوگی
ارشاد شد نہ صاحب اب تلک وہ کہاں لطیفہ[۴۲] روزے در جلدوے واگذاشت
باغہاے فیض آباد کہ در تملیک میان ہوشمند علی خان بودند وانہ مدتے در سرکار
ضبط بودند خان مسطور در حضور پرنور یک اشرفی نذر گذرانیدہ قدم بوس
بہ وضعے شدند کہ سر ایشان تا زانوے جناب عالی رسید در زبان اردو ارشاد شد
کہ باغ دینے کا یہ پھل ہے۔ عرض نمودم کہ ترپھلا[۱]۔ حالا قوت بصر ایشان خواہد
افزود لطیفہ[۴۳] روزے صاحب کلان کرنیل کارلنس در حضور مذکور نمودند کہ
شمشیرے کہ از حضور بمن رسیدہ است آبداری آن فلوس را بہ نہ می دارد

۱۔ ترپھلا۔ ہڑ یعنے ہلیلہ، بہیڑہ یعنے بلیلہ اور آنولہ۔ اطریفل تری پھل کا مُعرّب ہے۔
(تری بمعنی تین + پھل ۔ تین پھل) یہ مشہور دوا ہلیلے اور بلیلے اور آنولے سے بنتی ہے۔
اس لئے یہ نام ہوا۔

بجلی کی شوخ آنکھ اشارہ کرنے لگتی ہے۔ یہ جو عرض کیا گیا اس کے سوا یہ کہ بینگ میں کاف تصغیر
یہ ظاہر کرتا ہے کہ موافق حوصلہ غلام کو اس وقت کہ حوض وغیرہ کا ذکر آیا تھا لونگ کھانے کا مذکور نکالنا
جس کی فارسی مینگ ہے۔ کیا ضرور تھا۔ غرض بڑے مزے میں گزری۔

لطیفہ ۴۱۔ ایک روز میاں ہوشمند کو اردو زبان میں ارشاد ہوا کہ ہر وقت موہنہ کیوں
تم ہلایا کرتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا موہنہ میں سپاری ہے۔ غلام نے عرض کیا کہ رات کی پڑی
رہ گئی ہوگی۔ ارشاد ہوا نہ صاحب اب تلک وہ کہاں۔

لطیفہ ۴۲۔ فیض آباد کے باغ جو میاں ہوشمند علی خان کی ملک تھے اور مدت سے
سرکار میں ضبط تھے ایک روز ان کے واپس کیئے جانے کے شکریے میں خان مذکور نے حضور پر نور
میں ایک اشرفی نذر گزرانی اور اس وضع سے قدم بوس ہوئے کہ ان کا سر جناب عالی کے
زانو تک پہنچا۔ اردو زبان میں ارشاد ہوا کہ باغ دینے کا یہ پھل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ
تر پھلا۔ اب ان کی بصارت بڑھ جائیگی۔

لطیفہ ۴۳۔ ایک دن بڑے صاحب کرنیل کارلنس نے حضور سے کہا کہ جو تلوار حضور
نے مجھے دی ہے اس کی آبداری بیسوں کو نہیں اٹھاتی۔

وشمشیرے کہ قاسم علیخان فرستادہ اند فلوس را بہ خوبی برمی دارد ارشاد شد شمشیر من طمع نہ دارد۔ بہ خلاف دیگران
سبحان اللہ آبدارئیش ازین لطیفہ کہ جوہر آن چون گوہر بے بہاست ہرگز نہ دیدہ شد
لطیفہ[۴۴] روزے مرزا جمعہ صاحب خلف الصدق مرزا علی خان مرحوم فرد طپانچہ
درحضور گذرانیدند ظاہرش گلگفتہ و بد قطع بود ارشاد شد چنان محسوس
می شود کہ درمیدہ و آماسیدہ است حاضران التماس کردند علاجش چیست ارشاد
شد دار و لطیفہ[۴۵] روزے مذکور معقول و منقول بر آمد بندہ مضمون شعر مثنوی
مولوی روم ہمین قدر خواند کہ "علم انبیا است" از حضور ارشاد شد این لفظ از
زبان بر آوردن بے ادبی است مولوی روم رتبۂ عالی داشت ہرچہ گفتہ است
فہمیدہ و سنجیدہ گفتہ باشد ما و شما را نمی زیبد۔ خواجہ حسین صاحب آن مصرع را
درست بہ این طور خواندند "علم نا معقول علم انبیا است"[۱] جناب عالی بہ غلام مستہام مخاطب
شدہ بار دیگر فرمودند در جناب انبیا علیہم السلام این چنین کلمات بعید از ایمان
عرض کردم کہ فدوی سوائے "علم انبیاست" ہیچ نہ گفتہ ارشاد شد درست است
شما ہمین قدر گفتید کہ علم انبیاست، نا معقول خواجہ حسین گفتند لطیفہ[۴۶] روزے در زبان

---

(۱) نا معقول علم نبیوں کا علم ہے۔

اور جو تلوار قاسم علی خان نے بھیجی ہے۔ پیسوں کو بخوبی اٹھاتی ہے ارشاد ہوا میری تلوار طمع نہیں رکھتی بخلاف دوسروں کے سبحان اللہ اس کی آبداری اس لطیفے سے جس کا جوہر انمول گوہر کی مثال ہے ہرگز نہیں دیکھی گئی۔

لطیفہ ۴۴۔ ایک روز مرزا علی خان مرحوم کے سپوت مرزا جمعہ صاحب نے ایک طبنچہ حضور میں گزرانا ظاہر میں گندہ اور بد وضع تھا۔ ارشاد ہوا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سوج گیا ہے اور ورم ہوگیا ہے۔ حاضرین نے التماس کیا اس کا کیا علاج ہے ارشاد ہوا۔ دارو

لطیفہ ۴۵۔ ایک روز معقول اور منقول کا مذکور نکلا۔ بندے نے رومی کی مثنوی کے شعر کا مضمون اسی قدر پڑھا کہ "علم انبیا است" حضور نے ارشاد کیا کہ یہ لفظ زبان سے نکالنا بے ادبی ہے۔ مولوی روم کا مرتبہ بڑا تھا۔ جو کچھ کہا ہے سوچ سمجھ کر کہا ہوگا۔ بادشاہ کو زیب نہیں دیتا۔ خواجہ حسین صاحب نے اس مصرع کو درست اس طور پر پڑھا "علم نامعقول علم انبیا است" جناب عالی نے اس حیران غلام کو مخاطب کر کے دوبارہ فرمایا کہ انبیا علیہم السلام کی جناب میں ایسے کلمے ایمان سے دور ہیں۔ عرض کیا کہ فدوی نے "علم انبیا ست" کے سوا کچھ نہیں کہا۔ ارشاد ہوا درست ہے۔ آپ نے اسی قدر کہا کہ "علم انبیا است نامعقول" خواجہ حسین نے کہا۔

لطیفہ ۴۶۔ ایک روز

زبان اردو عرض کردم کہ مرزا جمعہ صاحب بڑے جناب عالی کے وقت میں
ایک وقت کھانے کو نوش کرتے تھے چنانچہ ایک دن میرے سامنے کی بات
ہے کہ ایک بیراُن کے ہاتھ میں تھا سو سونگھ رہے تھے کہ ایک مرتبہ اس کو دانتوں سے کاٹ کر
چھوڑ دیا اور کہا کیا خدا نے فضل کیا ہے کہ یاد آگیا نہی تو کھا ہی گیا تھا اس میں
مرزا صاحب نے عرض کی اب مدت سے دو وقت کھاتا ہوں۔ جناب عالی نے
ارشاد کیا آگے ایک بیر کھاتے ڈرتے تھے اب دو بیر روز کھاتے ہیں لطیفہ[۴۷] روزے
حکیم مہدی سگ ہا در حضور آوردہ معروض داشتند کہ از نسل لعل بے بہا است
در زبان اردو ارشاد شد ان کا رنگ بھی لعل اور لعل بے بہا کی نسل بلکہ ڈوریا[۱]
بھی لعل بیگی[۲]۔ لطیفہ[۴۸] روزے در شکر گذاری عنایت مربائے انبۂ تازہ کہ لعبیہ چون
انگور ولایتی ساختہ بودند میاں آفرین علی خان عرض نمودند کہ ہمہ شیخیٔ من بر آمد
یعنی این چنین درست شدنی نیست ارشاد شد از کدام راہ، خاموش باشید،
درین جا چون نہ باید کرد لطیفہ[۴۹] روزے در تذکرۂ نحوستِ دوشنبہ بامیان آفرین علی خان
در زبانِ اردو ارشاد شد تم دوشنبہ کو مانتے ہو یا نہی اوشان نیز عرض کردند

سطر ۷۔ اصل: یاد آیا کیا

[۱]۔ ڈوریا۔ شکاری کتوں کا محافظ یا سدھانے والا

[۲]۔ لال بیگ، خاکروبوں کے پیشوا کا نام، لال بیگی، لال بیگیا۔ لال بیگ کا معتقد۔ بھنگی۔

زبان اردو میں عرض کیا کہ مرزا جمعہ صاحب بڑے جناب عالی کے وقت میں ایک وقت کھانے کو نوش کرتے تھے۔ چناں چہ ایک دن میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک بیران کے ہاتھ میں تھا سو سونگھ رہے تھے کہ ایک مرتبہ اس کو دانتوں سے کاٹ کر چھوڑ دیا اور کہا کیا خدا نے فضل کیا ہے کہ یاد آگیا نہیں تو کھا ہی گیا تھا۔ اس میں مرزا صاحب نے عرض کی اب مدت سے دو وقت کھاتا ہوں جناب عالی نے ارشاد کیا آگے ایک بیر کھاتے ڈرتے تھے اب دو بیر روز کھاتے ہیں۔

لطیفہ ۷۴۔ حکیم مہدی ایک روز حضور میں کتے لائے اور عرض کیا کہ یہ لعل بے بہا کی نسل سے ہیں۔ اردو زبان میں ارشاد ہوا ان کا رنگ بھی لعل اور لعل بے بہا کی نسل بلکہ ڈوریا بھی لعل بیگی۔

لطیفہ ۴۸۔ ایک روز تازہ آم کا مربا جو ہو بہو ولایتی انگور کی طرح بنا ہوا تھا۔ عنایت فرمانے کے شکریے میں میاں آفرین علی خان نے عرض کیا کہ میری ساری شیخی نکل گئی یعنے ایسا عمدہ بن نہیں سکتا۔ ارشاد ہوا کس رستے سے۔ خاموش رہیئے اس جگہ چوں نہ کرنا چاہیئے۔

لطیفہ ۴۹۔ ایک روز پیر کے دن کی نحوست کے تذکرے میں میاں آفرین علی خان سے اردو زبان میں ارشاد ہوا تم دوشنبے کو مانتے ہو یا نہیں۔ انھوں نے بھی عرض کیا۔

کہ مانتا ہوں ارشاد ہوا۔ ایسی بری چیز کو بھی کوئی مانتا ہے۔ لطیفہ[۴۹] روزے بہ این
فدوی فرمودند خواجہ سرائے را خجستہ نام کردم عرض نمودم کہ چہ خوش سبحان اللہ
ازین تمرد[۵۰] و نسائیت ہر دو ظاہر می شود میاں آفرین علیخان گفتہ نسائیت چہ معنی دارد این چنین لفظ در حق خواجہ سرایان نگفتہ باشید
ارشاد شد ایشان در شما چہ دیدہ اند کہ قایل نسائیت نہ باشند لطیفہ[۵۱] روزے
عرض نمودم کہ از فیض حاضر باشی حضور پر نور در شناختن اسپ عربی دخلی بہم
رسانیدہ ام لیکن این قدر خامی ماندہ است کہ در اسپ لاغر امتیاز نہ می شود در لہجہ
اردو ارشاد شد تمہارے واسطے موٹا کہاں سے لائیے لطیفہ[۵۲] مرزا آغاجان کہ خیلے
جوان با لیاقت و پسر آفرین علی خان صاحب از فرط محبت فیما بین مشہور است
روزے میاں آفرین علی خان صاحب در حق مرزا آغاجان در حینے کہ پسر مرزا آغاجان
ہم در حضور حاضر بودند گفتند الّو کا بچہ جناب عالی با پسر آغاجان در زبان اردو
ارشاد فرمودند میاں آفرین علی خاں تمہارے دادا لگتے ہیں لطیفہ[۵۳] روزے ہوشمند علی خان
خواجہ سرا برائے دوائے انگریزی کہ بنا بر خواجہ حسین صاحب موددی درکار
بود معروض نمودند پروانگی بہ ڈاکٹر ولیوم صاحب شد، ڈاکٹر صاحب ممدوح بہ آدم خود

سطر ۷۔ اصل: واسطہ

سطر ۱۰۔ اصل: زبان آوردند

سطر ۱۳۔ اصل: معروض نمودم

۵۰۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب: تمرد (عربی) کے معنے نافرمانی کے ہیں اور شورہ پشتی کے۔ اور یہ صفت مرد اور عورت میں مشترک ہے۔ کوئی خصوصیت مرد کی نہیں اور انشا نے "نسائیت" کے مقابلے میں اسے استعمال کیا ہے۔ انشا نادان نہیں کہ ایک پیش پا افتادہ لفظ کو غلط لکھ جائے۔ جان بوجھ کر لکھا ہے۔ اور ایک لطیفہ پیدا کیا ہے۔ عربی میں اسم سے فعل کے صیغے بنائے جاتے ہیں۔ اور دوسری زبان کے لفظ سے بھی وقت ضرورت یہی سلوک کرتے ہیں (باقی)

کہ مانتا ہوں، ارشاد ہوا ایسی بری چیز کو بھی کوئی مانتا ہے۔

لطیفہ ۵۰ - ایک روز اس فدوی سے کہا کہ ایک خواجہ سرا کا نام "خجستہ" رکھا ہے۔ میں نے عرض کیا چہ خوش سبحان اللہ اس سے تمرد اور زنانہ پن دونوں ظاہر ہوتے ہیں۔ آفرین علی خان نے کہا کہ زنانہ پن کے کیا معنے ہیں۔ ایسے لفظ خواجہ سراؤں کے حق میں نہ کہے گا۔ ارشاد ہوا انھوں نے (انشا) آپ ہیں (آفرین علی خان) کیا دیکھا ہے کہ زنانہ پن کے قائل نہیں ہیں۔

لطیفہ ۵۱ - ایک روز عرض کیا کہ حضور پر نور میں حاضر رہنے کے فیض سے عربی گھوڑے کے پہچاننے میں واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ لیکن اس قدر خامی باقی ہے کہ دبلے گھوڑے میں امتیاز نہیں ہوتا۔ اردو کے لہجے میں ارشاد ہوا، تمہارے واسطے موٹا کہاں سے لائیے۔

لطیفہ ۵۲ - آفرین علی خان کے جوان بیٹے مرزا آغا جان بڑے بالیاقت ہیں۔ اور اُن کی آپس کی محبت مشہور ہے۔ ایک روز میاں آفرین علی خان صاحب نے جب کہ مرزا آغا جان کے بیٹے بھی حضور میں حاضر تھے۔ مرزا آغا جان صاحب کے حق میں کہا "الو کا بچہ" جناب عالی نے آغا جان کے بیٹے سے اردو زبان میں ارشاد فرمایا۔ میاں آفرین علی خان تمہارے دادا لگتے ہیں۔

لطیفہ ۵۳ - ایک روز ہوشمند علی خان خواجہ سرا نے عرض کیا کہ خواجہ حسین صاحب مودودی کو انگریزی دوا درکار ہے۔ ڈاکٹر دلیوم صاحب کو اجازت ملی۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح نے

(بقیہ نوٹ) جیسے تَفَلْسُف وہ فلسفے کو کام میں لایا اور تَفَلْسُف۔ فعل رباعی کے باب تفعلل کے وزن پر۔ فلسفے سے کام لینا۔ اسی طرح تکشمر (کشمیریت) STEINGASS نے اپنی ... PERSIAN-ENGLISH DICTIONARY میں غلطی سے تکشمیر لکھ دیا ہے۔ انشا نے اسی قیاس پر تَمَرُّد (تفعّل کے وزن پر) فارسی لفظ "مرد" (MAN) سے بنایا ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ کہ "اَمْرَد" سے بھی اس قیاس پر تمرد نکلتا ہے

(باقی)

بر آدم خود گفتند، خوجہ کو دوا دو در زبان اردو ارشاد شد خوجہ کو نہی خواجہ حسین
کو چاہیئے، ہر چند رسم خط خواجہ اور خوجہ کی ایک ہے۔ لیکن فرق دونوں میں یہ ہے
کہ ان میں الف ہے اور ان میں سے الف غایب ہے[54] لطیفہ روزے این مصرعہ از زبانم
برآمد "آن چہ آدم می کند بوزینہ ہم" حضور پرنور بہ مجرد استماع ارشاد فرمودند باز بگوئید
ثانیاً ہمان مصرعہ خواندم "آن چہ آدم می کند بوزینہ ہم" در زبان اردو حکم ہوا کیا خوب درست
لطیفہ[55]۔ روزے حضور این مصرعہ خواندند۔ مصرع "بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد"
خواجہ حسین صاحب فرمودند مصرعہ "بلکہ آتش بر ہمہ آفاق زد" حضور ارشاد
فرمودند میان صاحب شما بے ربط ہستید۔ در[2] ہمہ آفاق زد باید خواند خواجہ حسین صاحب
گفتند من ہم محقق ہستم حضور [دو مونس] بہ سبیل اختلاط اشارہ بہ طرف محاسن میان
صاحب ممدوح [بود] کردہ فرمودند، بلکہ محقق طوسی فقط

سطر ۸ ۔ اصل: در ہمہ آفاق را

سطر ۹ ۔ "دو مونس" معلوم نہیں منقول منہ میں کیا تھا جسے کاتب نے یوں نقل کیا ہے۔

سطر ۱۰ ۔ اصل: صاحب ممدوح بود کردہ فرمودند

[1]۔ یعنے آدمی جو کچھ کرتا ہے بندر بھی کرتا ہے۔

[2] بے ادب نہ اکیلے اپنے آپ کو برا رکھتا ہے بلکہ ساری دنیا میں آگ لگاتا ہے۔

(بقیہ نوٹ)

بہت لطیف مزاح ہے۔

[2] یعنے "روزے ہوشمند علی خان . . . . . معروض نمودند الخ"

اپنے آدمی سے کہا خوجہ کو دوا دو۔ اردو زبان میں ارشاد ہوا خوجہ کو نہیں خواجہ حسین کو چاہئے ہر چند رسم خط خواجہ و خوجہ کی ایک ہے۔ لیکن فرق دونوں میں یہ ہے کہ ان میں الف ہے اور ان میں سے الف غایب ہے۔

لطیفہ ۵۴۔ ایک روز یہ مصرع میری زبان سے نکلا ؎ آں چہ آدم می کند بوزینہ ہم حضور پر نور نے سنتے ہی ارشاد فرمایا۔ پھر کہئے دوبارہ وہی مصرعہ پڑھا ؎ آں چہ آدم می کند بوزینہ ہم، اردو زبان میں حکم ہوا کیا خوب درست

لطیفہ ۵۵۔ ایک روز حضور نے یہ مصرع پڑھا ؎ بے دب تنہا نہ خود را داشت بد خواجہ حسین صاحب نے فرمایا۔ مصرعہ بلکہ آتش بر ہمہ آفاق زد، حضور نے ارشاد فرمایا میاں صاحب آپ سے بے ربط ہیں۔ در ہمہ آفاق زد چاہئے۔ خواجہ حسین صاحب نے کہا میں بھی محقق ہوں۔ حضور [دو مولس] نے بے تکلفی سے میاں صاحب ممدوح کی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا بلکہ محقق طوسی۔ فقط

لطائف السعادت

وجہ تالیف

"لطائف السعادت" کا ذکر "دریائے لطافت" میں دو جگہ آیا ہے پہلے "خطبۂ کتاب" میں پھر "دردانہ سوم" ذکر بعضے قصیمان میں "انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے ۲۸ مئی سنہ ۱۹۱۶ع میں دریائے[1] لطافت شایع ہوئی تھی لیکن اس میں سے خطبۂ کتاب حذف ہو گیا ہے۔ حال آں کہ انشا نے خاص طور پر اس کا ذکر[2] کیا ہے۔ مرشد آبادی نسخہ چوں کہ کم یاب بلکہ نایاب ہے میں نے "خطبۂ کتاب" کا ترجمہ ابتدا سے حمد، نعت اور منقبت کو اور آخر سے فہرست مضامین کو حذف کر کے یہاں لکھ دیا ہے۔

خطبۂ کتاب

اما بعد[3] حقیر آثم۔ فصیحوں کی خاک پا، انشاء اللہ متخلص بہ انشا ابن حکیم ماشاء اللہ جعفری نجفی کہتا ہے۔ کہ قادر متعال کی عنایت اور اقبال بے زوال کی اعانت سے میں نے یمین الدولہ ناظم الملک نواب سعادت علیخان بہادر مبارز جنگ کی ہم نشینی کے فیض سے فخر کا سر آسمان سے بلند کیا ہے۔ اور

---

۱ مخدومی مولوی عبدالحق صاحب مقدمے کے آخری پیراگراف میں لکھتے ہیں (باقی)

آنجناب کی تعلیم و تربیت کے دریا سے امید کے پیاسے گلے میں آب حیات پہنچایا ہے۔ ایک دن اس بندۂ بے ریا سے فرمایا کہ جس طرح اگلے زبان دانوں نے عربی اور فارسی کے گراں قیمت جوہروں کو تحریر کے رشتے میں پرویا ہے تاکہ آنے والے اس سے فیض اٹھائیں اسی طرح اکثر میرے جی میں آتا ہے کہ اردو زبان کے قواعد جو بمصداق کل جدید لذیذ دوسری زبان سے زیادہ سننے والوں کی جان کو تازگی بخشتے ہیں۔ اور آج تک کسی کتاب میں نہیں لکھے گئے اگر تمہاری کوشش سے جیسا کہ چاہیئے اور جتنے کہ چاہئیں پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں گے تو یقیناً معاصرین اور ان کے بعد وجود میں آنے والے طالبوں کی ضیافت طبع کے کام آئیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ

(بقیہ نوٹ) یہ کتاب سنہ ۱۲۲۲ھ مطابق سنہ ۱۸۰۲ع میں تصنیف ہوئی اس کے چھیالیس برس بعد مولوی مسیح الدین خان بہادر کاکوروی نے اپنے مطبع آفتاب عالمتاب مرشد آباد میں بہ تصحیح و اہتمام مولوی احمد علی گوپاموی طبع کرایا۔ . . . مگر اب یہ نسخہ بھی کمیاب ہے۔ اس نسخے سے انجمن نے اس کتاب کو ترتیب دیا۔"

اس کے تقریباً انیس برس بعد ۳ اپریل سنہ ۱۹۳۵ء میں پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی کے اردو ترجمے کے دیباچہ مرتب (بر طبع ثانی) کی ابتدا مولوی صاحب نے اس جملے سے کی ہے۔

"سید انشا کی دریائے لطافت سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) میں تصنیف ہوئی اور تخمیناً ۴۳ برس بعد سنہ ۱۲۶۶ھ (کذا) (سنہ ۱۸۴۹ع) میں مولوی مسیح الدین خاں بہادر نے اپنے نستعلیق ٹائپ کے مطبع آفتاب عالم تاب واقع مرشد آباد میں طبع کی" صحیح واقعہ یہ ہے کہ دریائے لطافت سنہ ۱۲۲۲ھ میں مکمل ہوئی۔ انشا نے اس کا تاریخی نام اردوے ناظمی لکھا ہے۔ ع

اردوے ناظمی شدہ تاریخ ایں کتاب۔ لیکن اس کے نیچے مرشد آبادی نسخے میں کاتب نے غلطی سے "یکہزار و دو صد و بست و سہ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" لکھدیا ہے۔ اس نسخے کی تمہید میں احمد علی گوپاموی لکھتے ہیں۔ "لہذا در شہور سنہ ۱۲۲۲ھ میر انشاء اللہ خان متخلص بہ انشا تالیفے بکار بردہ" (باقی)

چند روز لکھنے کی محنت اٹھا کر ایک ایسی کتاب کی تالیف میں مشغول ہو جاؤ جس میں اس زبان کی تحقیق لغت و محاورہ و صرف و نحو و منطق و عروض و قافیہ و بیان و بدیع شامل ہو۔ جیسے ہی یا زبان مبارک سے نکلا میں نے جانا کہ آنحضرت کی غرض اس ارشاد سے یہ ہے کہ ہند کے فصیحوں کو نفع اور اس غلام مستہام کے نام کو بقا حاصل ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ میں نے امتثال امر کو ذخیرہ جاودانی کا ذخیرہ سمجھ کر ہمت کے ہاتھ سے توفیق کا دامن تھام لیا۔ چوں کہ پیر و مرشد کی محفل عالی میں بار پائے والوں کی نکتہ رسی کی بدولت ابدی روحانی لذتوں کی تحصیل میں محو ہوں اور حضور اقدس کے لطیفوں کو جو ہر روز بلا ناغہ دو تین چار زبان معجز بیان سے ٹپکا کرتے تھے اور ٹپکتے رہتے ہیں۔ لطائف السعادت کے صفحوں میں جو قیام قیامت تک تمام نہ ہوں خود بخود لکھا کرتا تھا اور لکھ رہا ہوں اور لکھتا رہوں گا اور اس طرح حسن خدمت بجا لا رہا تھا اور بجا لا رہا ہوں۔ اس قدر فرصت میسر نہ ہوئی کہ تنہا اس نادر کتاب کو لکھوں۔ اس لئے میرزا محمد حسن قتیل کو بھی کہ ان کا کسی امر کی طرف متوجہ ہونا بے تامل میرا اس امر کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اور جو امر انھیں پسند ہے۔ اس کج مج زبان کو پسند رہا ہے۔ اور کم عمری سے ان میں اور مجھ میں ہر چیز میں برابر کا حصہ مقرر ہے۔ اس ابدی دولت میں شریک کر لیا۔ اور آپس میں یہ طے پایا کہ خطبۂ کتاب اور لغت اور محاورۂ اردو اور جو کچھ اس میں صحیح اور غلط ہے اور اس زبان کے مصطلحاتِ شاہ جہاں آباد اور علم صرف و نحو کو راقم مذنب یعنی کمترین بندۂ درگاہ آسمان جاہ انشا لکھے اور منطق، عروض، قافیہ، بیان اور بدیع کو وہ قلم بند کریں۔ چوں کہ بندے کو زیادہ تر نظم سے سروکار رہا ہے اور انھیں نظم و نثر دونوں سے چند سطریں جو میں لکھتا ہوں ان کا بحال

(بقیہ نوٹ) آزاد نے یہی سنہ اختیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "میر انشاء اللہ خان پہلے شخص ہیں جنھوں نے سنہ ۱۸۰۷ء میں قواعد اردو لکھ کر ایجاد کی ٹہنی میں ظرافت کے پھول کھلائے" آبِ حیات صـ ۲۶

سنہ ۱۸۰۷ء مطابق ہے سنہ ۱۲۲۲ھ سے۔ لیکن حافظ محمود خان شیرانی نے بھی "پنجاب میں اردو" کے صـ ۲ پر مولوی صاحب کی طرح سہواً سنہ ۱۲۲۳ھ لکھ دیا ہے" اس کے بعد یہ لفظ (زبان اردو) عام ہو گیا۔ (باقی)

رکھنا بھی انھیں کی پسند پر موقوف ہے۔ اردو کے لفظ اور محاورے اور اصطلاح کے سوا عبارت
میں ان کا ہر طرح کا دخل مجھے منظور ہے۔ اس کتاب کا نام رکھنے میں جو چار پاکیزہ ناموں والی ہے
ہم آپس میں شریک ہیں۔ میری زبان سے دو نام نکلے ہیں ایک "ارشاد ناظمی" اس لئے کہ
ناظم الملک بہادر کے ارشاد پر تالیف ہوئی اور دوسرا "بحر السعادت" اور دوسرے دو نام موتی
ہیں جو ان کی زبان کے نیسان سے برسے ہیں۔ ایک "دریائے لطافت" دوسرا "حقیقت اردو"

(بقیہ نوٹ) دریائے لطافت تصنیف سنہ ۱۲۲۳ھ میں میر انشاء اللہ خان اور قتیل اپنے تذکرے
میں اس نام سے یاد کرتے ہیں"۔ مرشد آبادی نسخے کی تاریخ طبع ہے سہ

سفیر خستہ بہر سال طبعش ٭ بگفت "ایسنت دریائے لطافت" ۱۲۶۶ھ

اور خاتمے میں لکھا ہے "تمام شد کتاب دریائے لطافت باہتمام عاصی احمد علی گوپاموی بتاریخ
۶ رجب المرجب سنہ ۱۲۶۶ھ مطابق دوم جیٹھ سنہ ۱۲۵۷ بنگلہ موافق چہار دہم مئی سنہ ۱۸۵۰ء
در چھاپہ خانہ آفتاب عالمتاب واقع بلدہ مرشد آباد بمحلہ قطب پورہ طبع شد"۔

ان واضح شہادتوں کے پیش نظر دریائے لطافت کی تاریخ تصنیف اور تاریخ طباعت
کے متعلق اب یا آئندہ کوئی مزید غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ آپس میں یہ طے پایا کہ خطبۂ کتاب اور لغت اور محاورہ اردو . . . . انشا لکھے الخ

۳۔ اما بعد حقیر اثم تراب اقدام فصحا متخلص بہ انشا ابن حکیم میر ماشاء اللہ جعفری نجفی گوید
کہ چوں بہ عنایت قادر منان و اعانت اقبال بے زوال بہ فیض مجالست . . . . .
یمین الدولہ ناظم الملک نواب سعادت علی خان بہادر مبارز جنگ سر افتخار از طارم نیلگون در
گذرانیدم و از جویبار تربیت و تعلیم آں جناب آب روان بخشی بہ گلوے تشنۂ امید رسانیدم روزے
بہ این بندۂ بے ریا ارشاد شد کہ بہ نوعے کہ زبان دانان پیشین جواہر گران قیمت قوانین زبان عربی و
فارسی را بہ رشتۂ تحریر کشیدہ اند تا فیض ایشان نصیب آیندگان شود اکثر بہ خاطر می گذرد کہ قواعد زبان اردو کہ
بہ حکم کل جدید لذیذ زیادہ از زبان ہاے دیگر تازگی بخش جان سامعان است و تا امروز در کتابے طراز
(باقی)

اس خطے میں لطائف السعادت کے متعلق جو اطلاعات محفوظ ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :-

"دریائے لطافت" میں پانچ موتیوں سے بھرا ہوا ایک صدف اور سات وسیع جزیرے ہیں۔
صدف کے پانچ دانے اور پہلے کے دو جزیرے جو مرشد آبادی نسخے کے جملہ ۴۷۶ صفحوں میں سے
۳۰۹ صفحوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ انشا نے لکھے ہیں۔ اور بقیہ ایک سو سڑسٹھ صفحے قتیل نے یعنے
تقریباً دو تہائی کتاب انشا نے اور ایک تہائی قتیل نے لکھی ہے۔ بلکہ آخر کے چھ صفحے
(۴۷۱ تا ۴۷۶) بھی انشا ہی نے لکھے ہیں یعنے دریائے لطافت کی ابتدا اور انتہا انشا ہی
کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اور پوری کتاب اگر اکیلے انشا ہی نے لکھی ہوتی تو بھی سعادت علی خان
کا اندازہ تھا کہ ایک ایسی کتاب چند روز کی محنت اٹھا کر انشا لکھ سکتے تھے تو انشا نے
دو تہائی کتاب ضرور سعادت علی خان کے اندازے سے کم دنوں میں لکھی ہوگی۔ اگر

(بقیہ نوٹ) آئینِ کتابت نہ گردیدہ اگر بہ سعی تو چنان کہ باید و چندان کہ شاید بہ شرح و بسط
تمام گلگونۂ چہرہ شاہد کاغذ گردد ہر آئینہ خالی از ضیافت طبع معاصران و طالبانے کہ بعد ازین
بہ وجود آیند نباشد بناءً علیٰ ہذا چنین اصوب می نماید کہ روزے چند رنج تحریر قلم کشیدہ بہ
تالیف نسخہ مشتمل بر تحقیق لغت و محاورہ و صرف و نحو و عروض و قافیہ و بیان و بدیع این
زبان پردازی۔ ہمین کہ از زبان مبارک بر آمد دانستم کہ آن حضرت را غرض از صرف توجہ بہ
این ارشاد نفع رسانی فصیحان ہند و ابقائے نام این غلام ستہام است خلاصۂ کلام این
کہ امتثال امر عالی کہ بشر را چون قضا ازان گریز نیست و نباشد ذخیرۂ خیر جاودانی دانستہ
دست ہمت بہ دامن توفیق آویختم و ازین سبب کہ در عالم استغراق بہ تحصیل لذات روحانی
ابدی بہ مگس رانی بار یافتگان محفل عالی حضرت پیر و مرشد و یاد کردن لطائف حضور اقدس کہ
ہر روز بلا فصل دو سہ چار از زبان معجز بیان ترشح می نمود و می نماید و آن را خود بخود در
صفحات لطائف السعادت کہ تا قیام قیامت بہ تمامی مرساد می نوشتم و می نویسیم و خواہم
نوشت حسن خدمتے بجا می آورد دم می آرم این ہمہ فرصت بر دست نیامد کہ تنہا رنگ چہرۂ این
(باقی)

"روزے چند" کا لفظ قدردانی اور حوصلہ افزائی کے طور پر بھی کہا گیا تھا تو دریائے لطافت چند مہینوں بلکہ چند برسوں کی محنت کا نتیجہ ہی سہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ دریائے لطافت کی تالیف کے زمانے میں اور اس سے بہت پہلے سے لطائف السعادت کی تالیف ہو رہی تھی۔ خواہ دریائے لطافت کی تصنیف کے بعد لطائف السعادت کی تالیف رک گئی ہو۔ حال آں کہ اس کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ اس لحاظ سے لطائف السعادت کا حجم دریائے لطافت کے حجم سے بہت زیادہ ہونا چاہئے تھا۔ موجودہ برٹش میوزیم کا نسخہ دریائے لطافت کے مرشد آبادی نسخے کے زیادہ سے زیادہ تیس صفحوں پر چھپ سکتا ہے۔ یعنے موجودہ لطائف السعادت کی مقدار دریائے لطافت کی ایک دسویں ہے۔ انشا کے اسی قول کے پیش نظر کہ "حضور اقدس کے لطیفوں کو جو ہر روز بلا ناغہ دو تین چار زبان معجز بیان سے ٹپکا کرتے تھے اور ٹپکتے رہتے ہیں لطائف السعادت کے صفحوں میں جو قیام قیامت تک تمام نہ ہوں خود بخود لکھا کرتا تھا اور لکھ رہا ہوں اور لکھتا رہوں گا۔ اور اس طرح حسن خدمت بجالا رہا تھا اور بجالا رہا ہوں۔"

"دو تین چار" کا اوسط روزانہ تین نہ سہی اگر روزانہ دو لطیفے بھی شمار کریں تو صرف ایک مہینے کے ساٹھ لطیفے ہوتے ہیں۔ حال آں کہ موجودہ لطائف السعادت میں صرف پچپن ۵۵ لطیفے یعنے ستائیس پورے اور ایک آدھے دن کے لطیفے قلم بند ہوئے ہیں اس صورت میں انشا کا یہ کہنا کہ وہ حضور کے لطیفوں کو قلمبند کیا کرتے تھے اور کر رہے ہیں اور اگر خدا نے

(بقیہ نوٹ) نقش بدیع کشم، میرزا محمد حسن قتیل رانیز کہ رد کردۂ ادبے تامل رد کردۂ من و پسندیدۂ اد پسندیدۂ این کرشمہ زبان بودہ است و از صغر سن میانۂ من و او در ہر چیز حصہ برادرانہ قرار پذیرفتہ شریک این دولت ابد مدت ساختم و باہم چنین مقرر شد کہ خطبۂ کتاب و لغت و محاورۂ اردو ہر چہ صحت و سقم آن باشد و مصطلحات شاہ جہان آباد و علم صرف و نحو این زبان را راقم مذنب یعنی کم ترین بندۂ درگاہ آسمان جاہ بنویسد و منطق و عروض و قافیہ و بیان و بدیع را او بہ قید قلم در آرد و چون بندہ را بیشتر با نظم سرو کار ماندہ و اورا با نظم و نثر

انشا اور حضور دونوں کو عمر خضر دی تو قیامت تک ان لطیفوں کو قلمبند کرتے رہیں گے۔ وغیرہ خود ایک بہت بڑا لطیفہ ہے۔ بشرطیکہ لطائف السعادت کے پیش نظر نسخے کو داخلی اور خارجی شواہد کے خلاف مکمل نسخہ مان کر ہم انشا کے اقوال کو جھٹلانے کا تہیہ کرلیں۔ ورنہ انشا کی تصانیف سے دل چسپی رکھنے والوں کو لطائف السعادت کے مکمل نسخے کی تلاش جاری رکھنی پڑیگی۔

لطائف السعادت کی تمہید میں وجہ تالیف یہ لکھی ہے کہ:۔

" امابعد بندۂ درگاہ سید انشاء اللہ ابن میر ماشاء اللہ جعفری الحسینی النجفی بیان کے پھول سے اس طرح صفحے کی دستار سجاتا ہے کہ حضرت پیر و مرشد ...... یعنے نواب سعادت علی خان بہادر کے بلیغ کلام کے در شہوار، جو اکثر بیان کے بازار میں نظر آتے ہیں۔ سننے والے ان کی کثرت کی وجہ سے بھلا دیتے ہیں۔ یہ کمترین جس کی عقیدت مندی کا رشتہ روز روز طویل ہوتا جاتا ہے۔ اس بات پر آمادہ ہوا کہ ان روشن موتیوں کو جان کے بدلے خرید کر سب کو تحریر کے ڈبے میں بند کرے تاکہ آنے والوں کو کام آئیں۔ اللہ کی عنایت سے امید ہے کہ قیامت کے دن تک ہر روز تازہ پھول کاغذ کے دامن کی زینت بنے چوں کہ یہ تصنیف میرے پیر و مرشد جناب مستطاب نواب سعادت علی خان بہادر کی طبع بلند کے قلزم زخار کی موجوں کی جنبش ہے۔ اگر اس کا نام " لطائف السعادت " رکھوں تو مناسب ہے " (لطائف السعادت صـ۳)

(بقیہ نوٹ) ہر دو چند سطرے کہ می نویسم نگاہ داشتن آن نیز موقوف بر پسند اوست۔ سوائے لفظ و محاورہ و اصطلاح اردو دخلش در عبارت ہمہ مقبول خاطر فقیر گشتہ و در تسمیہ کتاب ہم کہ صاحب چار نام پاکیزہ است مشارک یک دیگریم دو نام از زبان راقم چکیدہ یکے ارشاد ناظمی ازیں جہت کہ بہ ارشاد ناظم الملک بہادر تالیف پذیرفت و دیگر بحر السعادت و دو نام دیگر دو گوہر است کہ از نیسان زبانش بار یدہ یکے دریائے لطافت دیگر حقیقت اردو۔ پوشیدہ نماند کہ ایں دریائے لطافت مشتمل است بر یک صدف پر از گوہر سلطان پسند و ہفت جزیرۂ وسیع تفصیلش ایں کہ الخ (باقی)

اس بیان میں دو باتیں اہم ہیں، پہلی[1] انشا نے سعادت علی خان کے کل لطیفے لکھ لئے تھے۔ ان کا کوئی انتخاب نہیں کیا تھا۔

"یہ کمترین . . . . . . اس بات پر آمادہ ہوا کہ روشن موتیوں کو جان کے بدلے خرید کر سب کو (ہمہ را) تحریر کے ڈبے میں بند کرے" اور اسی خیال کو تیسرے لطیفے میں یوں ادا کیا ہے کہ "میں نے عرض کیا کہ یہ لطیفے جو حضور کے معجز نظام کلام سے آب حیات کی طرح ٹپکتے ہیں قلمبند ہوئے بغیر کہیں فراموش نہ ہو جائیں"۔ دوسری[2] ان لطائف کی یہ کثرت تھی کہ "سننے والے ان کی کثرت کی وجہ سے (انھیں) بھلا دیتے تھے" اور یہ دونوں باتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ لطائف السعادت کے لطیفوں کی موجودہ تعداد انشا کے ان اقوال کی تائید نہیں کرتی اور کوئی وجہ نہیں کہ موجودہ نسخے کے پیش نظر جس کے کاتب یا مالک کسی کا ہمیں علم نہیں ہم یہ فیصلہ صادر کر دیں کہ لطائف السعادۃ اصل میں اتنی قدر لکھی گئی تھی۔

ایک شبہہ ایک شبہہ یہ کیا گیا ہے لیکن یہ شبہہ میرا نہیں کہ ممکن ہے کہ لطائف السعادت کے لطائف انشا کے دماغ کی پیداوار ہوں اور انھوں نے انھیں سعادت علی خان سے منسوب کر دیا ہو لیکن انشا کی دربار کی لطافت ان کی زندگی ہی میں کافی مشہور ہو چکی تھی۔ چناں چہ انشا کے معاصرین میں سید احمد علی خان یکتا صاحب دستور الفصاحت

(بقیہ نوٹ) عہ اس قول کی تصدیق قتیل نے کی ہے:۔

بندہ سر پا گناہ یعنی قتیل رو سیاہ کہتا ہے کہ روزمرہ اردو کے فصیحوں کے فصیح اور نقد بلاغت کو ہر گلی کوچے میں رواج دینے والے، عالی مرتبہ بلیغ متکلم، والا منزلت لائق شاعر، نقاد طبیعت کے دریا سے مضامین جدیدہ کے چمکدار موتی نکالنے والے اور روشن ذہن کی نورانی شمع سے اصحاب معنی کی مجلسوں کو روشن کرنے والے یعنی میر انشاء اللہ خان صاحب متخلص بہ انشا نے جن کے کمالات کثرت اشتہار کی وجہ سے عمرو اور زید کی تعریف سے مستغنی ہیں۔ بندگان جناب وزارت مآب (نواب سعادت علی خان) کے اشارے سے جن کی ذات مبارک برکتوں کا منبع ہے (باقی)

نے انشا کو "غواص بحر فصاحت، صاحب دریاے لطافت (خاتمہ ص ۱۰۳) کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اور کتب خانۂ حبیب گنج میں رقعات قتیل کا جو قلمی نسخہ ہے (فارسی ۵۰/۲۴۷) اس کے چھ رقعوں میں (۱۹، ۵۶، ۵۹، ۱۱۱، ۱۲۸، ۲۳۹) دریاے لطافت کا ذکر سات بار آیا ہے۔ اور ان رقعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انشا کی زندگی ہی میں بکثرت دریاے لطافت کی نقلیں لی جاتی تھیں۔ مثلاً رقعہ ۱۹۔ "میاں نثار علی کہ چند روز در حویلی خان صاحب کرم فرما بطریق مہمانان فرو کش داشتند و نقل دریاے لطافت ہم گرفتہ بودند لیکن از دیوانگی کاتب سفینہ بتمامی نرسید"

رقعہ ۲۳۹۔ "بہ میر حیدر علی کاتب باید گفت کہ دریاے لطافت را بنویسند اگر یکدو جزو نوشتہ باشند نزد طرف ثانی برسانند" وغیرہ

ان شواہد سے اس قدر تو مسلم ہے کہ انشا نے دریاے لطافت کے خطبۂ کتاب اور متن[2] کتاب میں جو کچھ لکھا ہے کہ "حضور اقدس کے لطیفے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زبان معجز بیان سے ٹپکا کرتے تھے اور ٹپکتے رہتے ہیں" اور "آنجناب کی بات کبھی لطیفے سے خالی نہیں ہوتی" ان اقوال سے کسی معاصر بلکہ خود سعادت علی خاں کو بھی انکار نہیں تھا۔ ورنہ آزاد، محدومی عبد الحق اور حالی کے ذہنوں میں نواب کا جو تصور ہے۔ اس لحاظ سے یہ نواب پر سخت ترین اتہام ہے۔ اور یقیناً یہ جملے کٹوادے جاتے ہیں۔ "دروغ گویم برروے تو" کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

(بقیہ نوٹ) اور اس بابرکت زمانے میں ہندوستان کی آبادی اور دین کے چہرے کی رونق انھیں برکتوں کی وجہ سے ہے۔ اردو زبان کی صرف و نحو کو تمام کیا۔ انشا کا مجھ پر لطف قدیم اور ان کی نوازش مجھ پر وافر ہے۔ اس کا لحاظ رکھ کر انھوں نے چاہا کہ اس "غیر مشہور" کو بھی چند لوگ "صاحب شہرت" جانیں۔ اور حضور پرنور کی عنایت کے باغ سے مرحبا کا بھیل اس دعا گو کمینہ غلام کو بھی میسر ہو اس لئے "جب کریم وعدہ کرتا ہے تو یقیناً پورا کرتا ہے"
(باقی)

آزاد "۔ اس میں شک نہیں کہ تہذیب طبعی کی آگ اور شوق انتظام نے نواب کے دماغ کو خشک کر دیا تھا۔ مگر جیتی جان کے لئے شگفتگی کا بھی ایک وقت ضرور ہوتا ہے۔ اور سید انشا تو وہ شخص تھے کہ ہر بزم میں گلدستہ اور ہر چمن میں پھول چنانچہ کوئی خاص خدمت نہیں حاصل کی مگر دربار داری کے ساتھ ہر دم کی مصاحبت تھی۔ آبِ حیات صفحہ ۲۶۸

یعنے کسی شخص کو اگر ناچ کا شوق ہے تو وہ یوں پورا ہو سکتا ہے کہ یا خود ناچے یا کسی کو نچا یا نچوا کر دیکھے۔

"نہایت افسوس کے قابل یہ بات ہے کہ سعادت علی خان کے ہاتھوں سید انشا کا انجام اچھا نہ ہوا۔ اس کے مختلف سبب ہیں اول تو یہ کہ اگرچہ اپنی ہمہ رنگ طبیعت کے زور سے انھوں نے انھیں پرچا لیا تھا۔ مگر درحقیقت ان کے اور ان کے معاملے کا مصداق ان کا مطلع تھا ؎ رات وہ بولے مجھ سے ہنس کر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں

میں ہوں ہنسوڑا اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں آبِ حیات صفحہ ۲۹۳

مخدومی عبدالحق صاحب نے آزاد کے پہلے قول کی تصدیق اپنے الفاظ میں یوں کی ہے:۔

"نواب سعادت علی خان اگرچہ بہت بیدار مغز اور منتظم شخص تھے مگر آخر فرصت کے وقت انھیں بھی دل لگی اور تفنن طبع کے لئے کچھ ہونا چاہئے تھے۔ اس کے لئے سید انشا سے بڑھ کر اور کون مل سکتا تھا" مقدمہ دریائے لطافت صفحہ ۲

(بقیہ نوٹ) قول پر عمل کر کے اس خوش خبری کے موافق جو انھوں نے اس کتاب میں مطلب شروع کرنے سے پہلے دی ہے۔ منطق و عروض و قافیہ و بیان و بدیع لکھنے کا اشارہ کیا۔ اس بنا پر راقم کثیر الاثم سب سے پہلے منطق کے بارے میں جس کے سہارے عقل کی تلوار کو امتحان کے پتھر پر مار سکتے ہیں۔ زبان یوں کھولتا ہے کہ ہند کے بعضے داناؤں سے جو اردو زبان سے آشنا ہیں یوں سنا ہے کہ الخ (دریائے لطافت، مرشد آبادی نسخہ صفحہ ۳۰۹۔ صفحہ ۳۱۰) "بندہ سراپا گناہ یعنی قتیل روسیاہ گوید کہ چوں افصح فصحائے روزمرۂ اردو (باقی

حالی فرماتے ہیں" ان کے ہاں بھی (امرائے لکھنؤ) مسخرہ پن کا بازار خوب گرم رہا۔ یہاں تک کہ نواب سعادت علی خان ثانی جیسے مدبر اور ہوشمند کو بھی سید انشاء اللہ خان بغیر چین نہ آتا تھا" مقالات حصہ اول صفحہ ۱۲۴ - ۱۲۵۔

شبلی نے سچ کہا تھا " آزاد کی کتاب سخندان پارس، آئی جانتا تھا کہ وہ تحقیق کے میدان کا مرد نہیں تاہم ادھر ادھر گپیں ہانک دیتا ہے۔ تو وحی معلوم ہوتی ہے "۔

واقعی "میاں بیتاب کا قول لکھ رکھنے کے قابل ہے کہ سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا" (آب حیات صفحہ ۲۸)

یعنے حالی کے الفاظ میں " اگر بادشاہ کو ہنسی اور چہل سے رغبت ہے تو ہزاروں سنجیدہ اور متین آدمی مسخرہ پن اختیار کرتے ہیں " مقالات حصہ اول صفحہ ۱۲۲

لطائف السعادت کے مستند ہونے کا مزید ثبوت یہ ہے کہ انشا کو لطائف السعادت کی تکمیل کا جتنا خیال اور اہتمام تھا اتنا دریائے لطافت کی تصنیف کا نہیں تھا وہ اس مشغلے کو مہمل اوقات سمجھتے تھے۔ انھیں گوارا نہیں تھا کہ دریائے لطافت کی تصنیف کی وجہ سے لطائف السعادت کی ترتیب ملتوی ہو جائے۔ انھوں نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ میں نے دریائے لطافت کی تصنیف کا ذمہ صرف امتثال امر کے طور پر لیا ہے۔ اور اپنا وقت بچانے کے لئے قتیل کو بھی اس تصنیف کے کام میں شریک کر لیا ہے۔ ہماری نظر میں دریائے لطافت کی اہمیت بے انتہا ہے لیکن انشا کو اپنی جس ادبی خدمت پر ناز تھا وہ "لطائف السعادت" ہے

(بقیہ نوٹ) و رواج دہندۂ نقد بلاغت در ہر برزن و کو، متکلم بلیغ عالی مرتبت، شاعر لئیق والا منزلت، برآرندۂ لآلی متلالئ مضامین جدیدہ از دریائے طبع نقاد، و فروزندۂ مجالس اصحاب معنی بہ شمع براقت ذہن وقاد، یعنی میر انشاء اللہ خان صاحب متخلص بہ انشا کہ کمالاتش از کثرت اشتہار مستغنی از بیان عمرو و زید است بہ حسب ایمائے بندگان جناب وزارت مآب کہ درین زمان میمنت توامان آبادی ہندوستان و رونق چہرۂ دین، (باقی)

اور انھیں یقین تھا کہ یہی ایک تالیف ہے جس کی بدولت وہ "حسن خدمت" بجا لا رہے تھے اور اسی کے ذریعے حق نمک ادا ہو سکتا ہے، دریائے لطافت کے دردانۂ سوم میں لطائف السعادت کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"خوش بیان فصیحوں کے امام، تیز زبان بلیغوں کے پیشوا فضل و ہنر کے میدان میں سبقت لے جانے اور زیرکی کے قاعدوں کو تازہ کرنے والے اس زمانے میں رائے کی پختگی اور طبیعت کی تیزی کا نمونہ جناب عالی کی فرشتہ صفت ذات ہے، کعبے کے خدا کی قسم اردو زبان میں آنحضرت کی تقریر کا ہر فقرہ مقامات حریری کے ایک مقالے کی یاد دلاتا ہے۔ ماضی اور حال کے فصیحوں میں سے کسی کو ایسی فصیح زبانی اور شیریں بیانی نصیب تھی نہ ہے۔ اور آنجناب کی بات کبھی لطیفے سے خالی نہیں ہوتی۔ کبھی تجنیس ہے تو کبھی ایہام، کبھی طباق ہے تو کبھی ترشیح اور کبھی محتمل الضدین۔ راقم دعا گو حضور کے لطیفے جمع کر کے ایک مستقل کتاب مرتب کر رہا ہے۔"

کیفی صاحب کا ترجمہ ہے۔

"خدا کی قسم کہ حضور کی اردو میں تقریر مقامات حریری یاد دلاتی ہے۔ نہ کوئی ایسا فصیح اور شیوا بیان ہوا اور نہ ہو۔ کسی وقت آپ کی بات لطیفے سے خالی نہیں ہوتی کبھی تجنیس ہے تو کبھی ایہام، کبھی طباق ہے تو کبھی ترشیح اور محتمل الضدین، راقم دعا گو کا ارادہ ہے کہ حضور

(بقیہ نوٹ) از وفور برکاتے است کہ ذات مبارک آن حضرت، منبع آن باشد۔ صرف دنحو را بر زبان اردو تمام کرد۔ نظر بہ لطف قدیم و نوازش جسیم خواست کہ این بے تشخص را نیز چند کس صاحب تشخص بدانند واز باغ عنایت حضور پر نور میوۂ اصحت روزئی این کمینہ غلام داعی گرد ذیس براکریم اذا وعد وفی عمل فرمودہ موافق نوید کہ درین کتاب بیش از شروع مطلب دادہ است بہ تحریر منطق و عروض و قافیہ و بیان و بدیع اشارہ نمود بنابر این راقم کثیر الاثم تخت زبان را بمنطق کہ تیغ عقل را برسنگ امتحان آن می توان زد چنین وا می نماید کہ از بعضے دانایان ہند آشنا بزبان اردو چنین بسماعت رسیدہ کہ الخ۔

کے لطائف جمع کر کے ایک مستقل کتاب میں مرتب کرے[1]" صفحہ ۶۸

کیفی صاحب کی نظر سے خطبۂ کتاب نہیں گزرا تھا۔ "ورنہ لطائف السعادت می نویسم و درحسن خدمت بجامی آورم" یعنے لطائف السعادت لکھ رہا ہوں اور حسن خدمت بجالا رہا ہوں کی ترکیبوں سے ان کی رہبری ہوتی کہ "ترتیب می نماید" کے معنے ہیں "ترتیب دے رہا ہے یا مرتب کر رہا ہے" نہ کہ "ارادہ ہے کہ مرتب کرے"

کیفی صاحب کے ترجمے نے ایک تالیف کو جو "موجود" تھی "معدوم اور مفروض" بنا دیا لطائف السعادت کی ترتیب کو انشا نے اس قدر مشتہر کیا ہے کہ ناممکن ہے کہ اس کے معاصرین نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہو اور انشا کے دوستوں نے اس کو نہ دیکھا ہو۔ مذکور واقعات کی روشنی میں اس کی تاریخی حیثیت پر شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ قارئین نے آزاد کی بنائی ہوئی خیالی تصویر سعادت علی خاں کی دیکھی اب انشا نے نواب کی جو چشم دید کیفیت لکھی ہے اس کو بھی بغور دیکھیں:۔

"خوش بیانی میں نواب موصوف (نواب عماد الملک) کی برابری حضرت پیر و مرشد (نواب سعادت علیخاں) سے بدیہی طور پر غلط ہے جس کو اس قول میں خوشامد کا شبہہ ہو وہ ایک بار حضور عالی کی خدمت میں خصوصاً "ہولی" کے دنوں میں حاضر ہو تاکہ دیکھ لے کہ راجہ اندر پریوں کے جھرمٹ میں زیادہ زیب دیتا ہے یا میرے ولی نعمت حور نژادوں کے مجمع میں یا موتی نیساں سے برستے ہیں یا جناب ممدوح کی زبان مبارک[2] سے" ترجمہ کیفی صفحہ ۱۰۷

---

[1] "سردفتر فصحائے خوش بیان و مقدمۃ الجیش بلغائے طلیق اللسان و قصب السبق ربائے میدان براعت و مجدد قوانین لذاعت مصداق لوذعی المعی درین زمان ذات ملکی ملکات جناب عالی است بر ب کعبہ کہ تقریر آن حضرت بزبان او دو بہر فقرہ یاد از مقامۂ مقامات حریری میدہد، احدے را از فصحائے ماضی و حال ایں طلاقت لسانی و تلمیع بیانی نبودہ و نیست، و ہیچ وقت سخن آں جناب خالی از لطیفہ نمی باشد، گاہے تجنیس است و گاہے ایہام و گاہے طباق است و گاہے ترشیح و وقتے محتمل الضدین محرر داعی لطائف حضور را جمع نمودہ کتابے جداگانہ ترتیب می نماید" دریائے لطافت صفحہ ۳۷-۳۸

[2] "برابر شدن نواب ممدوح با حضرت پیر و مرشد من در خوش بیانی بدلیل قطعی بدیہی البطلان ست ہر کہ را درین مقام گمان خوشامد باشد یک بار رسیدن او در حضور عالی علی الخصوص در ایام ہولی شرط است تا ببیند کہ راجہ اندر در پریاں خوشتری نماید یا ولی نعمت من در مجمع حور نژاداں و گوہر از نیسان می بارد یا از زبان آنجناب" دریائے لطافت صفحہ ۶۴

انشا کی شرافت نسبی، حیثیت عرفی اور فضیلت علمی

کوئی شخص شرافت نسبی پر ناز کرے اور اس کے ہم عصر اس کی ناز برداری کریں، اس قران السعدین کی مثالیں تاریخ میں نادر ملتی ہیں، انشا کو اپنی شرافت پر ناز ہے کہ وہ جعفری ہیں، حسینی ہیں، نجفی ہیں نواب سعادت علی خان کو اس کا اعتراف ہے، چنانچہ چوتھے لطیفے کا یہ جملہ "تم پیغمبر زادے ہو" اور انیسویں لطیفے کا یہ جملہ کہ "سادات سے بے تکلفی اچھی نہیں" خصوصیت کے ساتھ نواب اور مصاحبین کی نظر میں انشا کا تقدس اور مرتبہ معین کرتے ہیں۔

سعادت علی خان کے مصاحبین میں انشا کی عربی دانی مسلم تھی مثلاً لطیفہ $\frac{1}{26}$ ... حضور پر نور اس لحاظ سے کہ کچھ عربی جانتا ہوں اکثر اس ہیچ مداں کو مخاطب فرما کر کلام کرتے تھے ..." اور انشا کو اپنے علم و فضل پر پورا اعتماد تھا اور بجا طور پر سمجھتے تھے کہ کوئی میرا مد مقابل نہیں۔ مثلاً لطیفہ $\frac{4}{5}$ "ایک دن حضور میں تیز زبانی میں سرگرم تھا اور شیریں کلامی کی وادی میں ناطقے کا گھوڑا اڑ رہا تھا ...."

مدا رقعات قتیل قلمی جلد اول $\frac{50}{242}$ کتب خانہ حبیب گنج میں نہر فرح بخش کا ذکر آیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"رقعہ ۱۱۱۔ ہر چار تاریخ نہر فرح بخش می رسد، چون جناب عالی نہر مذکور را عین الحیوۃ خطاب دادہ اند در قطعۂ ثانیہ این لفظ ہم داخل مادہ است، تاریخ اول فارسی بہ طور خود راست و نیز از حضور ارشاد شدہ بود کہ نہر ہا سلسال و نہر ہا سلسبیل ہم داخل مادہ باید کرد، ہر چند بعضے الفاظ و عبارات عربیہ داخل مصارع فارسی بہ آسانی می تواند شد، لیکن این فقرہ از باعث ضمیر و پیدا نبودن مرجع سخت مشکل شدہ بود، لہذا نہر ہا سلسال در مصرع چہارم رباعی عربی داخل نمودہ شد و نہر ہا سلسبیل از باعث قید ذکر مرجع ضمیر در ہیچ بحرے گنجایش نپذیرفت، مجبوری برائے آں فقرہ نوشتہ شد، تاریخ اول نہر فرح بخش :- (باقی)

انشا جانتے تھے کہ نواب ان کی تعظیم و تکریم دل سے کرتا تھا، اس لئے اس کی توجہ کو مائل کرنے کے لئے کبھی ایسا برتاؤ کرتے تھے گویا یہ اپنے آپ کو بہت ہی معمولی آدمی تصور کرتے ہیں، نواب اس کو گوارا نہیں کر سکتا تھا، اور فوراً ملتفت ہو جاتا تھا، مثلاً لطیفہ ۱۵ "ایک دن جناب عالی بگھی پر سوار ہو کر کمال سرعت سے تشریف فرما ہو رہے تھے، بندہ رکاب سعادت میں دوڑنے لگا..... بڑی نوازش سے مسکرا کر حکم فرمایا، کاغذ دیجیے اور دوڑنے کی محنت نہ اٹھایئے......"

نواب کے حضور میں بھی مصاحبین مشکل مسائل میں انشا ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مثلاً ساتویں لطیفے میں اس جملے کا سیاق و سباق قارئین ملاحظہ کریں، "...... عرض کیا کہ انشاء اللہ خان سے یہ مسئلہ پوچھنا چاہیئے، ہم نادان بے علم کیا جانیں......"

انشا کو کبھی یہ گوارا نہیں تھا کہ کوئی ان پر چشم کم سے نظر کرے، اور اپنی باتوں کو انشا کی فہم سے بالا سمجھے خواہ وہ جناب عالی ہی کیوں نہ ہوں مثلاً لطیفہ ۲۲"...... عرض کیا۔ کیا خوب فرمایا، ارشاد ہوا، ابھی آپ اس کے لطف کو نہیں پہنچے ہیں، عرض کیا کہ بالکل اس حقیقت کی تہ کو پہنچ کر داد دی ہے، احقر کا دستور نہیں کہ سمجھے بغیر واہ واہ کرے، تصور کے بغیر تصدیق عوام الناس کی عادت ہے اور جاہلوں کا شیوہ، یہ میرا شعار نہیں، خصوصاً حضور میں جہاں دنیا جہاں کے دانا زانو تہ کرتے ہیں یعنے آپ کے اشارے اور کنائے کوئی اور سمجھیں یا نہ سمجھیں میں تو سمجھ سکتا ہوں۔

(بقیہ نوٹ)

افتاد چو نواب ملاذ الوزرا را	روزے گذر از راہ کرم سوئے فرح بخش
فرخندہ مکانے کہ پئے جشن شہانہ	چوں آں نہ کسے ساختہ مشکوئے فرح بخش
نواب چہ نواب کہ از گرد سمندش	آید بمشام دل و جاں بوئے فرح بخش
غازی و شجاع آمدہ و صفدر مردان	چوں شیر سر معرکہ بازوئے فرح بخش
فی الحال دراں خانہ بناگشت بہ حکمش	چوں کوثر و تسنیم یکے جوئے فرح بخش
نہرے کہ ازو یافت مراد دل خود خضر	آبش چو گلاب آمدہ با بوئے فرح بخش
القصہ پی سال بنایش یم طبعم	بے ساختہ زد موج نہے جوئے فرح بخش

دربار میں انشا پر اعتراضات کا دونگڑا بھی برس جاتا تھا اور وہ بول اٹھتے تھے کہ بس اب ہم بند ہو گئے اس اعتراف شکست کے لہجے کا انداز یہ ہوتا تھا کہ ایک پہلوان سخن چند پٹھوں کے داؤ پیچ سہہ کر بول اٹھے کہ میں تو بچھڑ گیا۔ لطیفہ ۲۰ ملاحظہ کریں۔ لیکن کبھی کبھی نواب کا دل رکھنے کے لئے کسی فرضی غلطی کو مان بھی جاتے تھے، مثلاً "ایک معاملے میں میں نے بے جا مداخلت کی ارشاد ہوا" خط غلط معنی غلط، املا غلط، انشا غلط" لطیفہ ۸

دربار کی زبان اور آداب

زبان لطائف السعادت کے پچپن لطیفوں میں سے پچیس لطیفوں میں اردو کے یہ جملے آئے ہیں:-

لطیفہ ۲ نواب۔ "شاید تمھاری وہاں دال نہ گلی ہوگی"

۳ نواب۔ "اتنے بڑے قلمدان کا رکھنا کہاں تک بیٹھتے اور اٹھتے خیال رہتا ہوگا"

۴ انشا۔ "امام باپ" نواب "تم پیغمبر زادے ہو امام باپ اگر تمھاری زبان سے نکلا تو کیا ہوا مضایقہ"

۹ نواب۔ "تمھاری ناس کا ستیاناس جائے، قل اعوذ برب الناس"

۱۱ نواب۔ انھوں نے اپنا گھونسلا رکھا۔

۱۸ نواب۔ "خوب اگر پیر کو آنا نہ ہو تو منگل تو بے پیر کا آنا ہوگا"

(بقیہ نوٹ)

تاریخ دوم

یافت چوں عین الحیٰوۃ ابن نہر نو نام حضور ٭ خلق را روزیست فیض بے حد از عین الحیٰوۃ
سال تاریخ بنائش سر زد از طبعم چنیں ٭ کو سکندر تا مرادے یابد از عین الحیٰوۃ

تاریخ سوم عربی

(کذا)

الغظریف الوزیر تاج الامرا ٭ قد اسس فی قصر رفیع نہرا
سطرت سنیہ بکذا بعد الفکر ٭ ہذا نہرہ عجیب سلسال کجرا

تاریخ چہارم فقرہ نثر عربی

قد بنی بیت کالجنۃ و نہر السلسبیل

لطیفہ ۲۱. انشا. "ٹانکا لوٹا ہوگا" نواب. وہاں سیون بھی ادھڑ گئی ہوگی"

۲۳ جانی خان. "ہم پہلے جھاڑا لیں گے. تب کھیر آپ کی لائی ہوئی کھاویں گے". نواب. پہلے جھاڑا لوگے یا پہلے کھیر کھاؤگے.

۲۶. نواب. "حسین علی اس وقت ایسا نکل گیا جیسے پتھری نکل جاتی ہے".

۲۷. نواب. "اجی صاحب کہاں کھسل پڑے"

۲۸. نواب. "اوپر تلے بیٹھ لئے ہوں گے"

۲۹. نواب "تمھارا نالا کوئی خشک ہونے والا ہے، پانی جہاں اپنی کاٹ کی راہ پاتا ہے، وہیں جاتا ہے

۳۴. انشا. "غلام کا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ڈونگی پر سوار ہو کے اس جانور کو نزدیک سے دیکھ آوے" فرمایا (نواب) ڈونگی تو اس وقت نہیں لیٹا پر سوار ہو کے ہو آئیے"

۳۶. نواب. "نہ صاحب کانا تو کاہے کو" انشا" کانا کونڈا"

۳۷. نواب. "خربوزے اس طرح کے اور کیجیے"

۴۰. نواب. "زنہار ایسی حرکت نہ کیا کیجیے خدا نہ خواستہ ایک روز ہاتھ مونہہ ٹیڑھا نہ ہو جائے اور اس وقت جب تم ناند میں غوطے لیتے ہوگے ایسا معلوم ہوتا ہوگا جیسے انڈا کھڑکتا ہوا ہوتا ہے". بہت ہنستے اس بات پر ہوئے، پھر فرمایا کہ خوف ہے کہیں ناند سے حوض آگے نہ ہو" میں نے کہا" سو لونگ بھی روز کھاتا ہوں اعتدال گرمی سردی کا فضل الٰہی ہو رہتا ہے" ارشاد ہوا" اس کو میخک کہئے" لوگ ہنسنے لگے فرمایا" فارسی میں میخک لونگ کو کہتے ہیں اس میں کاف تصغیر کا ہے"

۴۱. نواب. "ہر وقت مونہہ کیوں تم ہلایا کرتے ہو" انھوں نے عرض کیا" غلام کے مونہہ میں سپیاری ہے" انشا" رات کی پڑی رہ گئی ہوگی" نواب" نہ صاحب اب تلک وہ کہاں"

۴۲. نواب. "باغ دینے کا یہ پھل ہے" انشا" ترپھلا"

۴۶. انشا. مرزا جمعہ صاحب بڑے جناب عالی کے وقت میں ایک وقت کھانے کو نوش

کرتے تھے، چناں چہ ایک دن میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک بیر ان کے ہاتھ میں تھا سو سونگھ رہے تھے کہ ایک مرتبہ اس کو دانتوں سے کاٹ کر چھوڑ دیا اور کہا کیا خدا نے فضل کیا کہ یاد آگیا نہیں تو کھا ہی گیا تھا۔ اس میں مرزا صاحب نے عرض کی کہ اب مدت سے دو وقت کھاتا ہوں، جناب عالی نے ارشاد کیا آگے ایک بیر کھاتے ڈرتے تھے اب دو بیر روز کھاتے ہیں۔

۴۷ نواب۔ "ان کا رنگ بھی لعل اور لعل بے بہا کی نسل بلکہ ڈڈیا بھی لعل بیگی"

۴۹ نواب۔ "تم دو شنبے کو مانتے ہو یا نہیں" آفرین علی خان "مانتا ہوں" (نواب) ارشاد ہوا "ایسی بری چیز کو بھی کوئی مانتا ہے"

۵۱ نواب۔ "تمہارے واسطے موٹا کہاں سے لائیے"

۵۲ آفرین علی خان "الو کا بچہ" نواب "میاں آفرین علی خاں تمہارے دادا لگتے ہیں"

۵۳ ڈاکٹر ولیم "خوجہ کو دوا دو" نواب "خوجہ کو نہیں خواجہ حُسینؔ کو چاہئے، ہر چند رسم خط خواجہ و خوجہ کی ایک ہے لیکن فرق دونوں میں یہ ہے کہ ان میں الف ہے اور ان میں سے الف غائب ہے۔

۵۴ نواب۔ "در زبان اردو حکم ہوا" کیا خوب درست"

ان چھبیس لطیفوں میں سے سترہ لطیفوں کے اردو جملوں کی ابتدا میں خاص کر لکھا ہے کہ یہ جملے "در لہجۂ اردو"[۱] یا "بعبارتِ اردو"[۲] یا "بزبان ہندی"[۳] یا "بہ زبان اردو"[۴] یا "در زبان اردو"[۵] لکھے گئے ہیں، اس سے بس یہ ثابت ہوتا ہے کہ سعادت علی خاں کے دربار کی زبان فارسی تھی، بقیہ نَو لطیفے فارسی زبان میں کہے گئے ہیں لیکن جن لطیفوں میں اردو کا عنصر نہیں ہے۔ وہ بھی بے لطف نہیں ہیں، مثلاً لطیفہ ۳۴ ان لطیفوں سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اردو زبان میں گفت گو کی ابتدا ہمیشہ نواب سعادت علی خان ہی نہیں کرتے تھے بلکہ حاضرین

۱؎ لطیفہ ۳، ۴، ۵۱/۳۴ ۲؎ لطیفہ ۱۸ ۳؎ لطیفہ ۲۳ ۴؎ لطیفہ ۲۶ ۵؎ لطیفہ ۲۸، ۲۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۶، ۴۷، ۴۹، ۵۲، ۵۳، ۵۴۔

سے بھی اس کی ابتدا ہوتی تھی، اور نواب بھی اس میں شریک ہو جاتے تھے مثلاً اکیسویں[۲۱] چوبیسویں
اور چھتیسویں[۳۶] لطیفوں میں انشا نے اور تئیسویں[۲۳] لطیفے میں جانی خان اور باونویں لطیفے
میں آفریں علی خان نے اور ترپنویں لطیفے میں ڈاکٹر ولیوم نے اردو زبان میں گفتگو کی ابتدا
کی ہے۔ انشا کی فارسی دانی میں آج تک کسی فارسی داں کو کلام نہیں ہوا، اور مسلم ہے کہ وہ
فارسی اور اردو نثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے اور اگر وہ فارسی لکھتے لکھتے اردو لکھنے لگ جاتے
ہیں تو فارسی زبان میں اپنے عجز کی وجہ سے نہیں بلکہ اردو کی طرف میلان طبع کی فراوانی کی وجہ
سے چناں چہ لطائف السعادت کی بعض عبارتیں شاہد ہیں کہ انشا کے دل و دماغ پر اردو
اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ وہ بھول بھول جاتے تھے کہ وہ لطائف السعادت فارسی میں
لکھ رہے ہیں، مثلاً لطیفہ ۴۰ کے اردو جملے جو اوپر لکھے گئے ہیں ان میں خط کشیدہ عبارتیں
فارسی میں ہونی چاہئے تھیں، اور ایسی مثالیں دوسرے لطیفوں میں اور بھی ہیں،

لطیفہ نمبر ۴۶ میں ابتدائی جملے "روزے در زبان اردو عرض کردم" کے سوا پورا لطیفہ
اردو میں ہے اور سلاست اور فصاحت زبان کا نمونہ ہے۔ "ایک روز اردو زبان میں عرض
کیا" کا مطلب یہ نہیں کہ بالارادہ ایسا کیا تھا بلکہ انشا بلا ارادہ اردو بولنے لگے تھے لیکن جب
اس لطیفے کو قلمبند کرنے لگے تو دربار اور تالیف کی زبان سے انحراف کی توضیح کرنی پڑی۔
لیکن چوتھے لطیفے میں ایک ترکیب اردو کی "امام باپ" جو انشا کی زبان سے نکل گئی ہے
تو وہ انشا کے الفاظ میں "حسب اتفاق" یعنے اتفاقی طور پر لغزش زبان کی وجہ سے ہے
اس لئے انھیں "کمال انفعال" ہوا تھا، ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ "امام باغ" کہیں "
می خواستم کہ امام باغ بگویم۔

آداب

سعادت علی خان کے دربار میں انشا کو بلا اجازت بیٹھنے کی آزادی حاصل
نہیں تھی، مثلاً لطیفہ ۳ "حسب الحکم بندہ اور شفائی خان صاحب حضور
میں بیٹھے ہوئے تھے"، لطیفہ ۱۹ "ایک دن حضور میں بیٹھنے کی اجازت لے کر حاضر تھا"
... جگہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا کہ بندے اور رمضان علیخان

صاحب کے درمیان میر حسین علی بیٹھا تھا"

بے تحاشا ہنسنا

خلاف ادب تھا، چناں چہ لطیفہ ۶ " اس حد تک مجھے ہنسی گلوگیر ہوئی
کہ بہت خلاف ادب تھی" لیکن جب خود نواب کا یہ عالم ہوتا تھا کہ لطیفہ
۳۴ " روزے اشارہ نوک چوبے کہ در دست مبارک بود باکمال الطاف بہ سبیل اختلاط و کمال انبساط
برناف میاں آفرین علی خان رفت الخ یا لطیفہ ۳۹ " روزے بر سبیل اختلاط بر بساط انبساط
درکمال سرور و نشاط ارشاد شد کہ جیم فارسی چے را از برائے چہ می خوانند آیا خوبی قافیہ نہ می دانند"
تو مصاحبین بھی نواب کا ساتھ دینے پر مجبور ہوتے تھے، چناں چہ انشا کہتے ہیں کہ اس لطیفے پر "اس قدر
ہنسی گلوگیر ہوئی کہ جیسے وجد کی حالت ہوگئی ہو، فرش پر بے اختیار لوٹتا تھا اور دونوں ہاتھوں سے
سینہ کوٹتا تھا اور بار بار عرض کرتا تھا کہ میں کیا ہوں مجھ میں ... اتنی لیاقت کہاں ہے کہ اس جیم
کی تہ کو پہنچ سکوں، کامل تین گھڑیوں تک بخوبی اس کا ذکر رہا" انشا نے جواب دینے کی بجائے نواب
کے سوال کو ہنسی میں اڑا دیا۔ اور اس کا اندازہ کہ نواب کے پاس کس قدر فالتو وقت تھا اس سے
ہوتا ہے کہ اس ایک تحقیق میں اس نے بہتر منٹ صرف کر دئے، اگر واقعی ہنسی کا موقع ملتا تھا تو
اس سے پورا فائدہ اٹھایا جاتا تھا مثلاً لطیفہ ۳۸ میں آغا مرزا رمال کے جواب کو پڑھ کر "ہنسی کی
آواز اس قدر ہوا میں گونجی کہ آسمان پر فرشتوں کے کان بہرے ہوگئے ہوں گے"

انشا کی بعض عادتیں

انشا کی بعض عادتیں صرف "لطائف السعادت" کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں، مثلاً وہ ناس
سونگھتے تھے، لطیفہ ۹ " ناس دان ایں غلام را ملاحظہ فرمودہ ارشاد نمودند تمہاری ناس کا ستیاناس
جائے، قل اعوذ برب الناس" اور عینک لگاتے تھے، لطیفہ ۳۸ " آں سوال ..... وجواب
..... در عینک خود نگاہ می دارم کہ مزید بصر باشد" اور چالیسویں لطیفے سے انشا کے قومی کی مضبوطی
طبیعت کی نفاست اور محرور المزاجی کا پتا چلتا ہے۔

تموّل

انشا نے اپنے والد کے تموّل اور جود و سخا کا حال "سلک گوہر" کے خاتمے میں لکھا ہے:-

اہلِ علم کو معلوم ہو کہ معمار اساس "سلک گوہر طلسم کا اسم مراد" نوازاد اللہ" ہمسر املا ولد مدلول" ماراد اللہ معمد" ولد معلوم "ملح اللہ" ہوا۔ سو ہم اور ہمارا ولد اور ہمارا داد اسگ درگاہ اسد اللہ" رحمہم اللہ، ہر کدام کو مسموع ہوا ہوگا کہ وہ مرد عمدہ، والد محرر سطور کا آل رسول اور صلاح کار امرا، سرآمد حکما مع علم و کوس ہمسر رؤسا ولا در معارک اہل حسام دو دم، سالک مسالک کرم، سرگروہ اہل ہمم رہا، اور سحر و مسامدام دمامہ حامہ صدا اس کا سر عام اور عموماً اطعام وارد و صادر کا واسطہ اور محرک سلسلہ صلہ اور علو حوصلہ اس کا دہ کہ دم سوال ہر کدام کو موسم سرما گرم کمل اور موسم گرما دودھ ملا مرد طعام دہ، مددگار کہ دمہ، درد دکھ کا سہارا گھر اس کا اہل کمال کا آسرا۔ الہا۔ اس کا صلہ اس کو دار السرور اور مدام طہور عطا کر اور سوالاکہ گرہ کو وا کر" مثل مشہور ہے کہ ہزار ہاتھی لٹا تو بھی سوا لاکھ ٹکے کا، پچیسواں لطیفہ ہے کہ "روزے بہ خیال ایں کہ آدم برائے محافظت نیست کفش مُغرق زرباف را بیروں گذاشتہ کفش سادہ پوشیدہ در حضور آمدم الخ" ظاہر ہے کہ جوتا مغرق زرباف پہنتے تھے تو لباس بھی اسی کی مناسبت سے شاندار پہنتے تھے، سنا ہے کہ مسجدوں میں جوتے چوری جاتے ہیں۔ ؎

اپنے جوتوں سے نمازی ذرا ہشیار رہیں ٭ اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

لیکن نواب سعادت علی خان کے محل میں بھی جوتوں کے چور تھے۔

انشا "آب حیات" میں

آزاد کے بعد کے کل تذکرہ نگار انشا کے حالات زندگی کی تلاش میں "آب حیات" کی ظلمات میں بھٹک گئے ہیں، اس لئے انشا کی شگفتہ نسبی، حیثیت عرفی اور فضیلت علمی وغیرہ کے بارے میں لطائف السعادت کے مذکورہ اقتباسات کے پیش نظر آزاد نے "آب حیات" میں انشا کی جو تصویر کھینچی ہے اس کو بھی بغور دیکھ لینا نہایت ضروری ہے:۔

تعلیم و تربیت "جس طرح اگلے وقتوں میں خاندانی امیر زادے تعلیم پاتے تھے اسی طرح سید انشا کو سب ضروری علوم و فنون سے ماہر کیا،

باپ کے لئے مثال دے سکتے ہیں کہ عزیز بیٹے کو اس خوبصورتی سے تعلیم کیا، مگر بیٹا جو جوہر دار طبیعت اپنے ساتھ لایا تھا اس کی کوئی مثال نہیں، ایسا طباع اور عالی دماغ آدمی ہندوستان میں کم پیدا ہوا ہوگا۔ اگر وہ علوم میں سے کسی ایک فن کی طرف متوجہ ہوتے تو صدہا سال تک وحید عصر گنے جاتے" صفحہ ۲۶۰

شاعری کیوں اختیار کی

"طبیعت ایک ہیولی تھی کہ ہر قسم کی صورت پکڑ سکتی تھی باوجود اس کے شوخی اس قدر کہ سیماب کی طرح ایک جا قرار نہ تھا۔ . . . لیکن چوں کہ رنگا رنگ خیالات کا سوائے شاعری کے اور فن میں گزارا نہیں اس لئے شاعری کی طرف جھکے جس سے انھیں ربط خداداد تھا" صفحہ ۲۶۰

انشا ناشناسی کا ردعمل

(شاہ عالم کی دلی) "مشاعرے میں اس بلند نظر کے حسب دل خواہ اس کے کلام کی عزت نہ ہوئی ... مگر وہ نوجوان شہباز جس کے سینے میں علوم وفنون کے زور بھرے تھے اور طراری اور براقی کے بازو اڑائے لئے جاتے تھے کسی کو خاطر میں کب لاتا تھا . . . دریائے مواج (انشا) کے آگے گھاس پھوس (معاصر شاعروں) کی کیا حیثیت تھی" صفحہ ۲۶۴

"لکھنؤ جاتے ہی علم وفضل کے زور اور کمال کے شور سے توپ خانے لگا دئے" صفحہ ۲۶۶

کثیر الالسنہ

"ہندوستان کی مختلف زبانیں ان کی گھر کی لونڈی ہیں، ابھی پورب میں بیٹھے باتیں کرتے ہیں ابھی برج بھاشی ہیں ابھی مرہٹے ابھی کشمیری ابھی افغان سب زبانوں میں کچھ نہ کچھ کہا ہے" صفحہ ۲۷۲ "ان قصیدوں میں مزہ وہاں آتا ہے جہاں ممدوح کی تعریف کرتے کرتے دفعتہً کہتے ہیں کہ اٹے ایران تجھے ایران میں بیٹھا کہہ رہا ہے اور ٹھیٹ چند شعر فارسی کے اس طرح کہہ جاتے ہیں گویا ایک آغائے تازہ ولایت آیا اور اپنی جنین وچنان کے ساتھ شیرۂ شیراز کے دو دو گھونٹ سب کو پلا گیا۔ اس کے برابر گویا ایک عرب العربا جبہ پہنے عبا اور عمامہ سجے سامنے آکھڑا ہوتا ہے، پھر شاہ بخارا ترکستان سے ترکی میں آواز دیتا ہے اور ساتھ ہی عالی جاہ کابل اپنی افغانی میں یہ کہتا ہے اور برج کی گوپیاں ... نادر کی زبانی جو اشعار ہیں وہ ترکی میں کہے ہیں" صفحہ ۲۸۸

یوں کہتی ہیں اور پنجاب میں جھنگ سیالے کی جٹیاں یوں کہتی ہیں وغیرہ وغیرہ غرض اس بیان کی کیفیت ان کے دیوان کے دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے۔" صـ ۲۷۳

اردو دانی ان کی زبان فصاحت کا سانچہ ہے۔ صـ ۲۷۲ زبان پر قدرت کامل ...... دیکھنے کے قابل ہے صـ ۲۷۱۔ دریائے لطافت میں اول اردو بولنے والوں کے مختلف فرقے (کذا) کی زبانوں کے نمونے دکھائے ہیں، اور ان میں حق زباندانی اور سخن فہمی کا ادا کیا ہے صـ ۲۷۹ نئے نئے تصرفات اور ایجادوں کے لحاظ سے سید انشا فنِ انشا کی قلمرو میں بادشاہ علی الاطلاق تھے، اور اس اعتبار سے انھیں اردو کا امیر خسرو کہیں تو بیجا نہیں، صـ ۲۸۱ حق یہ ہے کہ وہ اپنی طرز کے آپ بانی تھے اور آپ ہی اس کا خاتمہ کر گئے صـ ۲۸۳

فارسی دانی فارسی میں انتہائی درجے کی قدرت رکھتے تھے اس میں جب نظم یا نثر کہتے تھے تو یہی معلوم ہوتا تھا گویا بلبل شیراز سامنے بول رہا ہے صـ ۲۷۳، ادائے مطالب اور فصاحت کلام کے لحاظ سے اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ اگر چند ساعت کے لئے اپنے رفیق طبعی یعنے تمسخر سے جدا ہوتے اور ذرا زبان کو قابو میں رکھتے تو خدا جانے اپنے زمانے کے خاقانی و انوری ہوتے یا سعدی و خسرو صـ ۲۷۲ شکار نامہ..... فارسی میں ہے، زبان کی شیرینی اور تراکیب کی چستی اور اس میں طبیعت کی شوخیوں نے جو لطف پیدا کیا ہے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے صـ ۲۷۶

عربی دانی سید انشا تضمینوں کے بادشاہ تھے، صـ ۲۶۷ عربی میں بھی وہ خاموش نہ تھے چنانچہ قطعہ نمونہ دکھاتے ہیں۔ عربی فقرے اس خوبی سے تضمین کرتے ہیں جیسے انگوٹھی پر نگینہ صـ ۲۷۵ مثنوی شیر و برنج۔ جا بجا عربی زبان کہیں شعر کہیں مصرع ہوتے جاتے ہیں صـ ۲۷۶

انشا کے کلام کو دیکھ کر ان کی مختلف زبانوں میں مہارت اور ایجادی صلاحیتوں کا آزاد نے جو اندازہ لگایا ہے اس کی بیس بسوے تائید معاصرین انشا کے اقوال سے ہوتی ہے۔ مثلاً:

دستور الفصاحت :۔ "گویند کہ از فارسی و عربی و ترکی و ہندی بہ جمیع زبانہا قادر و در ہمہ

آنہا شعر خوب خوب دارد، راقم بہ شرف صحبت او نرسیدہ الا کلام ہندیش بسیار شنیدہ و حظ از آں برداشتہ بے اختیار دل محو کلام فصاحت انجام اوست"

تکملۃ الشعراء:۔ "جوانے ست قابل، صاحب استعداد کامل، در فنون عربی و فارسی و ہندی مہارتے تمام دارد . . . . . . در ریختہ گوئی بہ طورے کہ دارد عدیل و نظیر خود ندارد"

مخزن الغرائب:۔ "در شعر ہندی موجد طرز تازہ و یگانہ است"

روزنامچہ مولوی عبدالقادر چیف رامپوری:۔ "بہ زبان اردو و فارسی و عربی و بنگلہ و پوربی و مرہٹی و کشمیری و ترکی و افغانی بلہجۂ آں قوم سخن گفتے و نثر فارسی رواں و بے تکلف خوب نوشتے"

مدایح الشعراء:۔ بہ چند زبان شعرمی گفت، عربی، فارسی، ترکی، ہندی، پنجابی، بنگالی، پشتو و جز آں، وقت جلوس نواب سعادت علی خان بر مسند وزارت بہ سی و چہار زبان قصیدہ گفتہ۔

مذکور اقتباس دستور الفصاحت کے خاتمے سے منقول ہیں ص ۱۰۴ تا ۱۰۶

گلزار ابراہیم:۔ "صاحب استعداد ہے، سوائے قصیدوں کے مثنویاں زبان عربی میں انھوں نے نظم کی ہیں اور ترکی کی غزلیں بھی ان کی خالی کیفیت سے نہیں ہیں، زبان فارسی میں صاحب دیوان ہیں، کشمیری اور مارواڑی کے سوا اور بھی بہت سی بولیوں کے زبان داں ہیں"۔

آزاد کا احساس کمتری

آزاد کی اردو، فارسی اور عربی دانی مسلم اور ان زبانوں میں انشا کی قابلیت کو آزاد کا تسلیم کرنا مستند بلکہ انشا کی ان زبانوں میں مہارت کو تسلیم کرنا آزاد کی ان زبانوں میں مہارت کا ثبوت لیکن آزاد کو اپنی رائے کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ دنیائے اردو میں کسی کی شاعری کے متعلق خصوصاً ان کی رائے کے مقابلے میں کسی دوسرے کی رائے کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ورنہ آزاد کو یہ لکھنے کے بعد کہ:۔

نئے نئے تصرف اور ایجادوں کے لحاظ سے سید انشا فن انشا کی قلمرو میں بادشاہ علی الاطلاق تھے اور اس اعتبار سے انھیں اردو کا امیر خسرو کہیں تو بے جا نہیں ص ۲۸۱، اور حق یہ ہے کہ وہ اپنی طرز کے آپ بانی تھے اور آپ ہی اس کا خاتمہ کر گئے۔ ص ۲۸۳، اور جس مشاعرے میں

انھوں نے یہ غزل پڑھی ہے ؎

لگا کہ برف میں ساقی صراحی مے لا ٭ جگر کی آگ بجھے جلد جس سے وہ شے لا

کل پانچ شعر کی غزل تھی جراُت اور مصحفی تک سب موجود تھے، مگر سب نے غزلیں ہاتھ سے رکھ دیں کہ اب پڑھنا بے حاصل ہے صٓ۲۷ ، اور قصائد بڑی دھوم دھام کے ہیں، الفاظ کی شکوہ، طبیعت کی بلند پروازی کی کوئی حد نہیں وغیرہ صٓ۲۷۲ ،

نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کے اس قول کو کہ "ہیچ صنف را بہ طریقۂ راسخۂ شعرانہ گفتہ" قابل اعتنا سمجھ کر اپنے ہی فیصلوں کی اپنے ہی ضمیر کے خلاف تردید کرتے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مثلاً :-

"غزلوں میں غزلیت کے اصول کی پابندی نہیں، قصیدے میں سیدھے چلتے چلتے ایک ایسی چال بدلتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے اور وہاں قصیدے کی متانت اور وقار کے اصول ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں" وغیرہ

کسی شاعر کو موجد، نقاد اور صاحب طرز مان کر اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ فقیر ہو کر طریقۂ راسخۂ شعرا کی لکیر پر بیٹھ رہے گا بے سود ہے، پھر "طریقۂ راسخۂ شعرا" کا لفظ فن شاعری کے ارتقا کی تاریخ میں ایک نہایت غیر مستقل بلکہ مہمل لفظ ہے، زمانہ بدلتا رہے گا، قدریں بدلتی رہیں گی، بلکہ ایک ہی زمانہ میں جتنی آزاد طبیعتیں ہونگی اتنی ہی آزاد روشیں ہونگی، غالب، مومن، ذوق، حسرت، فانی اور اصغر ہمعصر ہیں پھر بھی ہر ایک کا طریقہ جدا ہے، وہ پیغمبران سخن کون ہیں جن کی طریقت سے انحراف شاعری میں کفر ہے، میر، سودا، درد، سوز کے بارے میں انشا کی رائے تفصیلی طور پر دریائے لطافت میں موجود ہے (اورنگ آبادی نسخہ صفحہ ۷، ۱۷، ۱۹، ۲۳، ۳۰، ۳۲ تا ۳۵ وغیرہ) اور ہم نے اس کے چند نہایت اہم جملے اسی تالیف کے ایک باب "قتیل کے خلوص میں اشتباہ" میں نقل کئے ہیں۔

اس قیاس کا بھی امکان نہیں کہ انشا کی آزادہ روی پر شیفتہ کے اعتراض اٹھانے کے لئے آزاد نے اپنی طرف سے انشا کو بادشاہ علی الاطلاق، اپنی طرز کا آپ بانی وغیرہ کہا ہے، کیوں کہ خود انشا کے معاصر انشا کی ان خصوصیات کو مانتے تھے اور تقریباً انھیں الفاظ میں ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے مثلاً :-

تکملۃ الشعراء :- "آزاد مشرب، آزاد مذہب، وارستہ، بطور آزاداں با صفائے چہار ابردمی ماند، در ریختہ گوئی بطورے[1] کہ دارد عدیل و نظیر خود ندارد"

مخزن الغرائب :- "در شعر ہندی موجد طرز تازہ و یگانہ است از شعرائے معاصرین با احدے سر فرو نمی آرد"

ایسے شاعر کے متعلق حکم لگا دینا کہ "ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعرانہ گفتہ" کہاں کی منصفی ہے شیفتہ نے اپنی مدح میں لکھا ہے کہ "مراتب[2] سخن میں اگرچہ میری اپنی ایک خاص ادا ہے لیکن طبیعت کو ہر روش سے ایسی مناسبت ہے کہ جس طرز میں بھی کہتا ہوں گویا وہی میری خاص طرز ہے، اگر کوئی میرے نظم و نثر کے مجموعے کو دیکھے گا تو اس قول کو صحیح تسلیم کرے گا۔" یہ ادائے خاص و طرز خاص جو شیفتہ کے لئے باعث فخر و مباہات ہے انشا کے حق میں کیوں عیب اور گناہ ہے اور اگر مبتدی کے لئے شروعِ مشق میں کسی استاد کامل کا تتبع شیفتہ کی نظر میں ناگزیر ہے تو انشا کے معاصرین نے ان کے ابتدائی رجحان کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً "نو مشق است اکثر طرز او بہ طرز میر سوز می ماند" میر حسن ص ۱۹ (تذکرہ) اور میر قدرت اللہ قاسم جیسے رقیب نے اس ابتدا اور اس کی انتہا دونوں کا ذکر کیا ہے :-

"طرز گفتارش بہ شاعر فصاحت افروز میر سوز ماناست و ایں طرز اگرچہ مرغوب وے افتادہ اما بہر گونہ سخن طرازی دستے دارد از قصائد و مثنویات وے خاصہ قصیدہ کہ در تہنیت سالگرہ مرشد زادہ شوکت پژدہ مرزا سلیمان شکوہ بہادر در ایام ملازمی سرکار دولت مدار آں والا تبار در بلدۂ لکھنؤ گفتہ کہ مطلعش این است ؎

صبح دم میں نے جو لی بستر گل پر کروٹ ✻ جنبش باد بہاری سے گئی نیند اچٹ

---

[1] "بطورے کہ دارد" سے یہ قرینہ نکل سکتا ہے کہ شیفتہ کے طریقۂ راسخہ شعرا کے انشا پابند نہیں تھے بلکہ انکا ایک خاص طور تھا جو بے عدیل اور بے نظیر تھا، شیفتہ کی سخن فہمی انشا کی اس ممتاز خصوصیت کی داد نہ دے سکی۔

[2] "در مراتب سخن اگرچہ ادائے خاص با من است اما طبع با ہر روش چناں مناسب افتادہ کہ بہر شیوہ سخن میکنم کہ ہمانا طرز خاص من است و ایں سخن را اگر مجموعۂ نظم و نثر من بینی مسلم میداری" گلشن بے خار

زور طبعش معلوم می شود بنا بر بضاعتے کہ در علوم شریفہ دارد کلامش صحت نظام است ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ میر موصوف شاعرے است زبردست و سخن سنجے است قوی بازو الخ ، مجموعہ نغز

شیفتہ کی غیر ذمہ داری

انشا کے مخالفین میں شیفتہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ان کے شاعرانہ کمالات کو نہیں مانا ، اس لئے شیفتہ کا یہ دعوی کہ گلشن بے خار میں " دوستوں سے محبت اور دشمنوں سے کینے کے آثار نہ پائیے گا " تصدیق طلب ہے ۔ حکیم میر سید قطب الدین متخلص بہ باطن (صاحب تذکرہ گلستان بیخزاں معروف بہ نغمۂ عندلیب سنہ ۱۲۶۱ ہجری) لکھتے ہیں " چناں چہ گلشن بے خار تالیف نواب مصطفے خان متخلص بہ شیفتہ جو اول سے آخر تک دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت نوابی پر فریفتہ سب کو حقارت سے یاد کیا اپنی اوقات کو برباد کیا ۔ ۔ ۔ ۔ "

بزرگش نہ خوانند اہل خرد ؎ کہ نام بزرگاں بہ زشتی برد ؛ ص ۴

شیفتہ نے " طریقۂ راسخہ شعرا " کا ایسا طلسم باندھا ہے اور آزاد اس میں ایسے بند ہو گئے ہیں کہ ایک سانس میں کہتے ہیں کہ " انشا کی زبان فصاحت کا سانچہ ہے ، انھیں زبان پر قدرت کامل ہے ، زباندانی اور سخن فہمی کا حق ادا کیا ہے ، کامل ہزار فن ہے " وغیرہ اور دوسری سانس میں کہتے ہیں کہ " پرکھنے والوں نے عرفی کے کلام کی طرح ان کے کلام میں بھی کھوٹ لگائی ہے ، جو تصرف یا ایجاد کئے ہیں ان میں بعض جگہ سینہ زوری بھی ہے ، لوگ کہتے ہیں کہ سید انشا کا کلام ہر مقام پر قابل سند نہیں صـ ۲۸۳ ، اس میں بے اعتدالیاں ہیں ، جامعیت استعداد کے سامنے قواعد اور اہلِ قواعد کو خاطر میں نہ لاتے تھے ، الفاظ اور محاورات میں ان کے تصرف کے افراط نے ہمیں بھی خاموش کر دیا ہے ، بہت سے اچھوتے ایجاد ہیں جن پر سوا اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ع خطاے بزرگاں گرفتن خطاست " وغیرہ صـ ۲۸۴

یہ ڈورنگی انشا سے کسی عناد کی وجہ سے نہیں بلکہ آزاد کے احساس کمتری کی وجہ سے ہے ، شیفتہ کا " طریقۂ راسخۂ شعرا " نہایت مبہم لفظ تھا ، خداے شعر کا کوئی آسمانی صحیفہ کسی پیغمبر شعر پر نازل نہیں ہوا تھا ، جس میں شاعری کے " طریقۂ راسخہ " کے اصول و ضوابط درج ہوتے اور جن کی

نافرمانی کفر ہوتی[1]، نہ شیفتہ نے خود اس کی تعریف لکھی نہ ان کا تذکرہ اور کلام اس کی کوئی مثال پیش کرتا ہے اور نہ کسی کو ان سے اس لفظ کی تعریف پوچھنے کی ضرورت اور فرصت ہوئی، پینتالیس[2] برس کے بعد آزاد، انشا کا حال لکھنے بیٹھے تو آزاد کی زبان دانی اور سخن فہمی نے گواہی دی کہ انشا کامل زبان دان اور کامل سخن فہم ہے، لیکن شیفتہ کی شخصیت اور شہرت نے کہا کہ انشا کی کوئی کل سیدھی نہیں اب نہ آزاد کی تعلیم و تربیت ایسی بودی تھی کہ وہ اپنے فیصلے کو غلط تسلیم کر لیتے اور نہ اتنی خود اعتمادی تھی کہ شیفتہ کے قول کو غلط ثابت کر دیتے، اس لئے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان کے علم میں انشا کے جو محاسن تھے انھیں شیفتہ کے زعم میں انشا کے جو معائب تھے ان کے پہلو بہ پہلو لکھتے چلے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اردو دانوں کی اکثریت جو "انشا شناسی" میں کسی واسطے کی محتاج تھی سمجھ بیٹھی کہ انشا کے عیب ان کی خوبیوں پر بھاری ہیں،

آزاد نے اپنی شخصی ذمے داری پر انشا کی زباندانی کی تعریف کی تھی، ہم نے معاصرین انشا کی آرا سے اس کا موزانہ کیا، ثابت ہوا کہ انھوں نے آزاد سے زیادہ ہی انشا کی تعریف لکھی ہے، پھر بھی آزاد نے کہا کہ "پرکھنے والوں" اور "لوگوں" نے انشا کی زباندانی کی خامیاں بتائی ہیں اور اس افراط سے بتائی ہیں کہ آزاد کا منھ بند ہو گیا ہے، ہم نے پھر معاصرین کے اقوال کا جائزہ لیا:-

مجموعہ نغز۔ قاسم، "کلامش صحت نظام است"

عیار الشعراء۔ خوب چند ذکا۔ ۱۲۱۳ھ "عالم و فاضل شاعر پر زور فارسی و ہندی . . . .

بزور طبیعت شعر خود را بپایہ رسانیدہ و شہرۂ آفاق گردیدہ"

نواب اعظم الدولہ سرور، عمدۂ منتخبہ ۱۲۱۹ھ "بخیال خود سید انشا اپنی شاعری اور عقل میں کسی کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے، ان کی شاعری میں تو کوئی کلام نہیں، مگر بڑے شوخ طبع اور

---

[1] پھر بھی خدا ہے شعر مختار ہوتا کہ انشا پر ایک نیا صحیفہ نازل کرے اور پہلے کے صحیفے یا صحیفوں کو منسوخ کر دے و علی ہذا القیاس انشا پیغمبر زادے تھے، خدائی کا دعوی ان کی شان سے بعید تھا، غالب سید زادے تو تھے نہیں ان کے لئے آسانی اسی میں تھی کہ کائنات شعر میں خدائی کا دعوی کریں، انھوں نے ایک صحیفہ بھی مکمل کر لیا تھا سہ غالب اگر ایں فن سخن دیں بودے ؛ آں دین را ایزدی کتاب ایں بودے

[2] سنہ تالیف:- گلشن بے خار سنہ ۱۸۳۵ء، آب حیات سنہ ۱۸۸۰ء۔

ہنگامہ آرا واقع ہوئے ہیں" ص ۵۲" یہ اقتباس "انشا" مولفہ مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی سے لیا گیا ہے، اصل تذکرہ میں نے نہیں دیکھا۔ اس لئے اس عبارت کی صحت کی میں ذمہ دار نہیں

انیس الاحباء، موہن لال انیس، تاریخ ابتدا سنہ ۱۲۰۹ھ تاریخ اختتام سنہ ۱۲۲۳ھ،" از ابتدائے صغر سن بعد فراغ علم رسمی طبعش بر ریختہ گوئی مایل گشتہ، در زمرہ ہندی گویاں نمایاں شد"

میرزا محمد حسن قتیل، افصح فصحائے روزمرہ اردو و رواج دہندہ نقد بلاغت در ہر برزن و کو۔۔۔۔

یعنی میر انشاء اللہ خان صاحب متخلص بہ انشا کہ کمالاتش از کثرت اشتہار مستغنی از بیان عمرو و زید است الخ" ص ۳۱۰ - ۳۰۹، دریائے لطافت مرشد آبادی غرض انشا کے معاصرین نے بلا استثنا یہی کہا کہ انشا کی استعداد کامل اور زبان فصیح و بلیغ ہے، اور انشا کو خود بھی اپنی استعداد، فصاحت اور بلاغت پر کامل اعتماد تھا، اس پر کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ ؎

بہ کمال فضل و دانش یہ بعید ہے کہ انشا ؛ غلطی پہ تو مُصر ہو بہ مثال خود پسنداں

چناں چہ انشا کو خیال ہوا کہ مصحفی میرا بھی یار ہے، مبادا اسے کچھ خیال ہو، خود پالکی میں سوار ہو کر پہنچے اور کہا کہ جلسے میں اس طرح گفتگو ہوتی ہے، بھئی تمہیں میری طرف سے کچھ ملال نہ ہوگا" ص ۳۱۹ آب حیات۔

یہ جو قاسم نے لکھا ہے کہ "بنا بر مقتضائے بشری اندکے شوخ طبع و ہنگامہ آرا و خود بین واقع شدہ" ص ۸۱، تو انشا کے خلاف اس قبیل کی شکایتوں کا کلیہ یہ ہے کہ انشا کی انسانی اور علمی حیثیتوں کو گرانے کے لئے انھیں بزرگوں یا ان کے احباب نے ہاتھ پاؤں مارے ہیں جنھیں انشا کے مقابلے میں شکست ہوئی تھی، لیکن ان میں سے کوئی بھی انشا کی علمیت میں فی نکالنے کی ہمت نہ کر سکے۔

ان حقائق کے پیش نظر یہ معمّا حل طلب ہی رہا کہ وہ "یہ کہنے والے" عجوبہ روزگار "لوگ" کون ہیں جنھوں نے انشا کے کلام میں قواعد کی، الفاظ و محاورات کی، اچھوتے ایجادوں کی غلطیاں اس افراط سے نکالی ہیں کہ آزاد کا ناطقہ بند ہو گیا ہے، آب حیات میں اس کے ثبوت موجود ہیں کہ ان "یہ کہنے والے لوگوں" کا وجود صرف آزاد کے ذہن میں ہے اور ان موہوم ہستیوں کے

نمائندہ خصوصی خود آزاد ہیں، اور انشا کے کلام میں مذکور بے اعتدالیوں اور بے قاعدگیوں کے سیمیائی جلوے آزاد کو دکھانے والا شیفتہ کا وہی جملہ ہے: "ہیچ صنف را بطریقۂ راسخۂ شعرانہ گفتہ" اس لئے ضروری ہوا کہ شیفتہ کے اس جملے کی تاریخی حیثیت پر مزید غور کیا جائے۔

گلشن بے خار کی وجہ تصنیف

شیفتہ کی عمر چوبیس سال کی تھی، اس زمانے میں ایک دوست نے کہا کہ اگر ذکر اسلاف کبار و اخلاف سعادت آثار کی ایک بیاض جمع ہو جائے تو مفید ہوگی، شیفتہ اساتذہ سلف و خلف کے دیوانوں کا غور اور انصاف سے مطالعہ کرنے لگے اور جس کا دیوان نہ مل سکا اس کا حال تذکروں اور سفینوں سے بہم پہنچایا مولف کا مطمح نظر صرف اشعار دل آرا جمع کرنا تھا، خواہ ان کا مصنف مجہول ہو یا معروف زندہ ہو یا مردہ، سنہ ۱۲۴۸ھ میں ابتدا کی تھی دو برس میں سنہ ۱۲۵۰ھ میں چھبیس برس کی عمر میں ختم کیا اور اپنی انصاف پسندی کے متعلق مکرر لکھا کہ "اس بیاض میں دل اہل صفا کی مانند انشاء اللہ آپ دشمنوں سے دشمنی اور دوستوں سے دوستی کے آثار نہ پائیں گے" صد۶

آب حیات کی تصنیف کے وقت آزاد کی عمر سینتالیس برس کی تھی (پیدائش سنہ ۱۸۳۳ء / ۱۲۴۸ھ)، آب حیات کا سال تصنیف سنہ ۱۸۸۰ء) کسی ادیب اور شاعر کے علم کی پختگی اور رائے کی اصابت اس عمر میں دوسروں کے لئے قابل اعتماد ہے، علاوہ بہ ظاہر بات ہے کہ پاؤ صدی کی عمر کا تجربہ آدھی صدی کی عمر کے تجربے کے مقابلے میں ادھورا ہے، خصوصاً جب کہ ایک کی علمی تربیت و ماحول کو دوسرے کی علمی تربیت و ماحول پر کوئی فوقیت نہ ہو، لیکن آزاد عمر میں چوبیس برس شیفتہ (سنہ ولادت ۱۸۰۹ء / ۱۲۲۴ھ) سے چھوٹے تھے، انھوں نے خیال کیا ہوگا کہ شیفتہ میرے بزرگ ہیں اور ع

خطاے بزرگاں گرفتن خطا است۔ اس لئے اپنے سے بزرگ کے قول کو اہم اور معتبر سمجھ کر اس کی تردید میں نہیں بلکہ تاویل میں سارا زور صرف کر دیا، اگر انھیں یہ احساس ہوتا کہ خود ان کا تجربہ نسبتاً فائق اور موثق ہے تو شیفتہ کا ذکر تک نہ کرتے۔

انشا کے متعلق شیفتہ لکھتے ہیں:– "انشا تخلص میر انشاء اللہ خان خلف حکیم میر ماشاء اللہ خان مصدر تخلص نجفی الاصل مرشد آباد مولد است، از مقربان خدمت وزیر الممالک نواب سعادت علیخان

بہادر بود، لختی در فنون رسمیہ مہارتے داشت و در ہر فن کوس لمن الملکی بہ آوازۂ تمام می نواخت برموزونان معاصر از اعتراضات و مطاعن قافیہ تنگ نمودے، دیوانے دارد مشتملبر اصناف سخن و ہیچ صنف را بطریقۂ راسخۂ شعرانہ گفتہ، اما در شوخی طبع وجودت ذہن او سخنے نیست، مرگ ورا بست سال سپری شدہ، دیوانش بنظر رسید و ایں ابیات ازاں انتخاب گردید و بیت اول نہایت دلپذیر[1] راقم است والحق بغایت بلند رتبہ واقع شدہ ص ۲۹ گلشن بیخار،

یہ سچ ہے کہ انشا نے تعلیاں کی ہیں، مثلاً ؎

یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانے کا ٭ نہیں شعر و سخن میں کوئی اس کی ساکھ کا جوڑا

مطلب صرف اتنا ہے کہ میں اپنے زمانے اور اپنے معاصرین میں سب سے بہتر ہوں، اسی مطلب کو فارسی میں یوں ادا کیا ہے۔ ؎ فاضلم، علامۂ عصرم، وحید عصر خود ٭ دیگرے چومن بنا شد شاعر شیریں کلام کہتے ہیں کہ میں قدما کا پیرو ہوں اور جب ان کے انداز میں کچھ موزوں کر سکتا ہوں تو اس کا میاب تتبع پر فخر کرتا ہوں مثلاً ؎ بو باس نکلتی ہے کچھ شعر میں انشا کے ٭ جامی کی نظامی کی سعدی کی سنجابی کی ایک شعر میں بوعلی سینا کے آگے زانوے ادب تہ کرنا چاہتے ہیں ؎

بہ ابوعلی سینا برسان پیام انشا ٭ کہ بیا بیا مقامے زشفات پر سہم آخر

ان تعلیوں میں کوئی امر خلاف فطرت نہیں، نہ کسی کو للتاڑا ہے، نہ کسی کا سر توڑنا چاہا ہے، نہ کہیں فرق مراتب کا رشتہ ٹوٹا ہے اور نہ کہیں نام نیک رفتگاں ضایع ہوا ہے۔ بخلاف اس کے شیفتہ فرماتے ہیں: "میری شان کے مطابق امر تو یہ ہوتا کہ آسمان کی اس بوسیدہ چھت کے نیچے ایک تازہ طلسم باندھتا اور ان دو جاہلوں افلاطون اور ارسطو کے سر پر تختی توڑتا، میرا غرور اور فخر اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میں بونصر اور بوعلی کو بیہودہ گو سمجھتا تھا اور ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں

---

[1] اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے ٭ واسطے دو دن کے عرش کبریائی مانگتا۔

[2] داد از خویشتن ناشناسیہا، شائستۂ قدر من آں بود کہ طلسم تازہ دریں کہنہ رواق بر بستمے دلوح ہیچمدانی بر فرق افلاطون وارسطو شکستمے، من کہ از فرط کبر و ناز بہ ژاژ بو نصر و بوعلی چشم التفات نمی کشادم و گوش رغبت نمی نہادم ایں ترہات چگونہ سر دکارم افتاد" ص ۲۸ گلشن بیخار۔

دیکھتا تھا اور ان کی بکواس کان دھر کے نہیں سنتا تھا، مجھ جیسا شخص اور شاعری کی خرافات میں الجھا ہو! افسوس افسوس! کسی نے خود ہو کر اپنی بے قدری اس سے زیادہ کیا کی ہوگی! منصف مزاج فیصلہ فرمائیں کہ "لمن الملک" کا ڈھول پورے زور سے کون پیٹتے تھے اور مشاعرہ عالم سے کون منھ آتے تھے، انشا کی تعلی کا منتہا یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اساتذۂ قدیم میں سے کسی کا ہم پلہ سمجھے گا اور اس برابری پر ناز کرے گا مثلاً ؂

شیخ سعدیؒ وقت ہے انشا ؎ تو ابو بکر سعد زنگی ہے

اس میں سعدی کا مرتبہ بھی بحال ہے اور انشا کی آرزو کا بھی اظہار ہے، یعنے خدا مجھے سعادت علی خان کے زمانے میں وہ شہرت عطا فرمائے جو سعدی کو ابو بکر کے زمانے میں تھی۔ انشا نے سعدی کی شہرت کو قابل رشک سمجھا اس کو ہیچ و پوچ نہیں کہا، اور اساتذۂ قدیم میں سے کوئی انشا کے کلام کی داد دے یا اس پر رشک کرے تو اس کو اپنے کمال شاعری کی سند سمجھیگا۔ مثلاً ؂ انشا بدل کے قافیہ اک اور لکھ غزل ؎ تیرے سخن پہ بلبل آمل نے غش کیا

حبذا نطق و ثنائے کہ بود انشا را ؎ رشک می بردازو می شد اگر فارابی

انشا نے یہ کہیں نہیں کہا کہ افلاطون اور ارسطو ہیچ مداں تھے اور بو نصر اور بو علی بیہودہ گو۔ اب رہا یہ الزام کہ انشا معاصر شعرا پر اعتراض کرتے تھے اس کے متعلق "تحقیقی نوادر" کے مضمون "انشا کے شورش پسند حریف" میں قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مذکور معرکوں میں انشا کا دخل مدافعانہ رہا ہے، یہ انسانی فطرت ہے اور اس پر تاریخ عالم گواہ ہے کہ عالم مخالفت میں پرایوں کا کیا ذکر اپنوں ہی میں وہ تھکا فضیحتی ہوئی ہے کہ الاماں ؂

انشاء اللہ خان کو صاحب آپ نہ چھیڑیں مجلس میں ؎ کو ان باتوں میں بیٹھے بٹھائے لاکھ بکھیڑے پڑتے ہیں

اب چھیڑ چھاڑ کی غزل انشا ایک اور لکھ ؎ ہیں لاکھ شوخیاں تری نوک قلم کے ساتھ

انشا الانف بالانف والاُذُن بالاذن پر عامل تھے، ان کا قول ہے ؂

کاٹے ہیں ہم نے یوں ہی ایام زندگی کے ؎ سیدھے سے سیدھے سادے اور کج سے کج رہے ہیں

لیکن صلح و راستی کے عالم میں انشا نے معاصرین کی برابر قدر پہچانی ہے مثلاً ؂

میر و قتیل و مصحفی و جرأت و رنگیں
ہیں شاعروں میں یہ جو نمودار چار پانچ
سو خوب جانتے ہیں کہ ہر ایک رنگ کے
انشا کی ہر غزل میں ہیں اشعار چار پانچ

انشا کے کمالات شاعری ان کے ہم عصروں میں مسلم تھے، انھیں کو گواہ بنا کر وہ کہتے ہیں کہ میں طریقۂ راسخۂ شعرائے سے بے گانہ نہیں ہوں اور میری ہر غزل میں ہر ایک رنگ کے چار پانچ شعر ہیں، اور ان معاصرین میں سے کوئی یہ نہ کہہ سکا کہ انشا اصول فن سے واقف نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے بھی مذکور ہو چکا ہے بعض معاصرین نے انشا کو میر سوز کا متبع بھی کہا ہے،

انشا کے متعلق شیفتہ کے مذکور قول سے حالی نے بھی اتفاق نہیں کیا، اگرچہ حالی کی نظر میں شیفتہ کی قدر و منزلت غیر معمولی تھی چنانچہ فرماتے ہیں "مگر درحقیقت مرزا کے مشورے اور اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا" حالانکہ نواب صاحب سے استفادے کا اقرار مرزا کے مشورے اور اصلاح کو بے فائدہ قرار دئے بغیر بھی ممکن تھا، اور غالباً حالی کا یہ شعر ؎

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفیض ہوں
شاگرد میرزا کا مقلد ہوں میر کا

زمانے کے لحاظ سے مذکور جملے سے مقدم ہے، اس شعر میں حالی نے اعتراف کیا ہے کہ شیفتہ اور غالب اور میر یہ تینوں "سخن میں" میرے استاد ہیں پھر شعر میں ان کی استادی کے درجے مقرر کئے ہیں کہ میر تو خیر استاذ الاساتذہ ہیں، اب رہے شیفتہ اور غالب' ان میں کھانے کے دانت شیفتہ ہیں اور دکھانے کے دانت غالب' اور غالب سے تلمذ حالی کے نقطۂ نظر سے فضول ہونے کے باوجود اس لئے بحال رہا کہ نواب شیفتہ کا شاعری کا اعلیٰ مذاق مرزا غالب سے مشورۂ سخن کو ضروری سمجھتا تھا، یعنے حالی نے غالب سے بلا واسطہ شاگردی کو پسند نہیں فرمایا اور انھیں یہ گوارا نہ ہوا کہ شیفتہ کو استاد کی بجائے استاد بھائی کہیں، شیفتہ سے حالی کی عقیدت بلکہ مرعوبیت کے کئی وجوہ ہیں سے شیفتہ کی سماجی حیثیت، جہانگیر آباد میں اسباب زندگی کی فراوانی اور عمر[1] کا زبردست اختلاف یہ تین وجوہ اہم ہیں، حالی تقریباً سنہ ۱۸۶۳ع میں جہانگیر آباد[1] پہنچے

---

[1]، مولانا حالی کا شیفتہ سے تعلق سنہ ۱۸۶۳ع میں ہوا جب نواب صاحب جہانگیر آباد میں تھے (باقی)

اس وقت ان کی عمر چھبیس ۲۶ برس کی تھی اور نواب صاحب اپنی عمر کے عشرۂ دقاقہ کا تقریباً آدھا عشرہ طے کر چکے تھے، ان کی عمروں میں اٹھائیس ۲۸ سال کا فرق تھا شیفتہ کی غیر ارادی اثر اندازی اور حالی کی غیر ارادی اثر پزیری کا نتیجہ یہ ہوا کہ حالی اپنے مربی کی شان میں مذکور جملہ لکھ گئے، یہ قیاس بالکل ناممکن بھی نہیں کہ حالی نے یہ جملہ غالب کی کسر نفسی سے فائدہ اٹھا کے لکھا ہوگا، غالب کو اپنے محسن شاگرد شیفتہ کی سعادت مندی پر کامل اعتماد تھا اور انھیں یقین تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ میں کوئی غزل لکھوں اور وہ شیفتہ کو پسند نہ ہو اور یہ محض حسن تکلم تھا جو انھوں نے اسی مطلب کو یوں ادا کیا کہ ع نوشت در دیواں غزل تا مصطفےٰ خاں خوش نہ کرد۔

ورنہ غالب اور اپنی شاعری کو شیفتہ کی خوشی ناخوشی پر منحصر سمجھیں! غالب کا قول ہے کہ "بہر حال حضرت کو یہ معلوم ہے کہ میں اہل زبان کا پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کا منکر ہوں" ادبی خطوط غالب، ص ۲۰، خط بنام چودھری عبدالغفور سرور۔

لیکن حالی کا مذکور جملہ جس پیراگراف میں ہے۔ اس کے ابتدائی جملے غالب کی اس ظاہری تنقیص کی معذرت پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں "غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت میں بیکاری کی حالت میں گزر گئے تو فکر معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا۔ حسن اتفاق سے نواب مصطفےٰ خان مرحوم .... سے جو .... شاعری کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے شناسائی ہوگئی اور آٹھ سات برس تک بطور مصاحبت کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا .... انھیں کے ساتھ میں بھی جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا مگر درحقیقت الخ"

حالی نے شیفتہ کی تین شاعرانہ خصوصیتیں بیان کی ہیں ۱؎ "وہ مبالغے کو ناپسند کرتے تھے اور ۲؎ حقایق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور ۳؎ سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے" اور حالی کی نظر میں یہ

(بقیہ نوٹ)

۱۸۷۲ء تک مولانا حالی ان سے وابستہ رہے، غالب کا حالی سے تعارف اس زمانے میں ہوا" غالب اور میرٹھ، شوکت سبزواری، نگار بابت مارچ سنہ ۵۴ء۔

خصوصیات شیفتہ اور ان کے اساتذہ کی بہ نسبت انشا اور اس کے معاصرین کے کلام میں بیشتر پائی جاتی تھیں، لکھتے ہیں:-

"غزل میں ضرور ہے کہ بہ نسبت اور اصناف کے سادگی اور صفائی کا زیادہ خیال رکھا جائے، آج تک فارسی یا اردو میں جن لوگوں کی غزل مقبول ہوئی ہے وہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اس اصول کو نصب العین رکھا، اردو میں ولی سے لے کر انشا اور مصحفی تک عموماً سب کی غزل میں صفائی، سادگی اور روزمرہ کی پابندی، بیان میں گھلاوٹ اور زبان میں لچک پائی جاتی ہے، ان کے بعد دلی میں ممنون، غالب، مومن اور شیفتہ وغیرہ کے ہاں فارسی ترکیبوں نے اردو غزل میں بلاشک زیادہ دخل پایا، مگر یہ لوگ بھی اعلیٰ درجے کا شعر اسی کو سمجھتے تھے جس میں پاکیزہ اور بلند خیال ٹھیٹ اردو کے محاورے میں ادا ہو جاتا تھا، ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ "غزل میں اعلیٰ درجے کا شعر ایک یا دو سے زیادہ نہیں نکل سکتا، باقی بھرتی ہوتی ہے، اگلے شعرا اکثر بھرتی کی کچھ پروا نہ کرتے تھے، ایک دو شعر اچھا نکل آیا، باقی کم وزن اور پھسپھسے شعروں سے غزل کا نصاب پورا کر دیا، ہم لوگ یہ کرتے ہیں کہ اپنے بھرتی کے اشعار فارسی ترکیبوں سے چست کر دیتے ہیں تاکہ بادی النظر میں حقیر نہ معلوم ہوں" بات یہ ہے کہ یہ لوگ انھیں معمولی خیالات کو جودت سے مختلف شکلوں میں بندھتے چلے آتے تھے بہت کم باندھتے تھے بلکہ ہر شعر میں جدت پیدا کرنی چاہتے تھے، اس لئے اردو روزمرّہ کا سر رشتہ اکثر ہاتھ سے جاتا رہتا تھا، بایں ہمہ غزلیات کی شان ان کے تمام کلام میں پائی جاتی ہے اور صاف اور بامحاورہ اور بلند اشعار ان کے ہاں بھی نسبتاً اتنے ہی نکل سکتے ہیں جتنے کہ قدما کی غزلیات میں" مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۴۷، ۱۴۸ مطبوعہ نامی پریس کانپور۔

بھرتی کے شعر انشا اور مصحفی کے یہاں بھی ہیں اور شیفتہ اور انکے معاصرین کے یہاں بھی، فرق اتنا ہے کہ اول الذکر شاعر روزمرے کا رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے ہما و شما کو ان کے شعر پہلی نظر میں حقیر معلوم ہوتے تھے اور آخر الذکر شاعر روزمرہ کی بجائے فارسی ترکیبوں سے اشعار کو ایسا چست کر دیتے تھے کہ گو یہ بھی حقیر ہی ہوتے تھے لیکن صرف ذی استعداد سمجھ سکتے تھے کہ یہ

حقیر ہیں، اس کو کمال ہی کہنا چاہئے کہ فارسی زدہ متاخرین نے اتنی ترقی ضرور کی تھی کہ ان کے حقیر شعر بھی بادی النظر میں نہیں بلکہ غور و فکر کے بعد حقیر معلوم ہوتے تھے۔

انشا کی ولادت (تقریباً سنہ ۱۷۵۵ء / ۱۱۶۹ھ) کے نصف صدی بعد شیفتہ سنہ ۱۲۲۳ھ میں پیدا ہوتے ہیں اس عرصے میں بلکہ شیفتہ کے زمانۂ تصنیف کے اعتبار سے تقریباً پونی صدی کے عرصے میں شاعری کے بعض موضوع اور نظریے بدل جاتے ہیں اور بعض بدلنے لگتے ہیں، لیکن یہ سب آثار قدیمہ شاعری کے سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں، ہر زمانے کے لوگ جدا اور ان کے مذاق جدا، انشا کا کلام اگر شیفتہ کو پسند نہیں آیا تھا تو قصور انشا کا نہیں زمانے کی تاخیر کا تھا، اگر کوئی اٹھارویں صدی کا شاعر انیسویں صدی کے شاعروں کا ہم مذاق ہونے کی احتیاط کرے تو اس میں دو خطرے ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے زمانے میں مردود اور نامقبول ہوگا دوسرا وہ کیسے یقین کر سکتا ہے کہ آئندہ زمانے کا وہی مذاق ہوگا جو اس نے فرض کیا ہے، خود شیفتہ کا "دیدہ بینا" ان کی سنہ ۱۸۳۵ء / ۱۲۵۰ھ کی تصنیف کی سنہ ۱۹۵۵ء / ۱۳۷۳ھ میں وقعت کا اندازہ نہ کر سکا۔

شیفتہ کبھی انشا اور اس کے کلام کو زمان و مکان کی قید سے آزاد دیکھنا چاہتے ہیں اور کبھی اپنے اختیار سے ایسے "دل آرا" اور "سامعہ فریب" شعر انتخاب کرتے ہیں کہ ان کی سخن فہمی کی داد نہیں دی جا سکتی، "گلشن بے خار" نایاب نہیں، میرے قول کی تصدیق میں حسب ذیل شعرا کا کلام موجود ہے، شیفتہ کی رائے میں یہ شاعر ان کے نمونۂ کلام میں دئے گئے ایک ایک ہی شعر کی بدولت شاعر کہلانے اور دنیائے شاعری میں زندہ رہنے کے مستحق ہیں، مثلاً

بزاز۔ صادق ص ۱۲۵۔ صابر، علی اعظم الدولہ۔ غایت، مائل لکھنوی، مجبور، نالان عظیم آبادی، ناظم وغیرہ، میں نے ان شاعروں کا ذکر نہیں کیا جنھیں اسی نوع کے دو دو تین تین اشعار کے طفیل شاعروں کی صف میں جگہ دی گئی ہے، اگر شاعروں کی صف میں جگہ پانے کے لئے اسی قدر سرمایہ کافی ہے تو یقیناً شیفتہ نے اپنے زمانے کے ہزاروں شاعروں کو ان کے حق سے محروم کیا ہے۔

انشا کے بارے میں میر حسن نے لکھا تھا کہ "اکثر طرز او بطرز میر سوز می ماند" ان دونوں استادوں کے بارے میں شیفتہ فرماتے ہیں:۔

"میر حسن ... بر اصناف سخن فی الجملہ قدرتے داشتہ لاسیما مثنوی نیکو می گفتہ، مثنوی سحر البیان کہ مشہور بہ بدر منیر است شہرت تمام دارد، قطع نظر از پا لغزہائے شاعری بہ محاورۂ عوام بد نگفتہ، بلکہ داد بلاغت دادہ"

"سوز تخلص میر محمد نام لکھنوی، در تیر اندازی دستگاہے داشت خط شفیعا و نستعلیق زیبا می نگاشت بخواندن اشعار بطرز مطبوع مشہور جہان و کلامش از جادہ مستقیمہ برکراں"

میر سوز کے احوال میں ڈھائی جملے لکھے ہیں، ان میں سے پورے دو جملے تیر اندازی اور خط طی کی تعریف میں ہیں اور آدھے جملے میں ان کی شاعری کا مذکور ہوا ہے، اور وہ بھی صرف اس کی ٹیڑھی چال کا، گویا وہ شاعر ہی نہیں تھے، مزید ظلم یہ کہ ایک ٹھیٹ دہلوی کو لکھنوی کہا ہے، لیکن انھیں کے بیس سالہ فرزند میر مہدی تخلص داغ کے ایک نوبہار حسن پر جان دینے کا ذکر ساڑھے بارہ سطروں میں لکھا ہے، ایک سراج کا ذکر کیا ہے جس کی صرف ایک غزل موجود ہے" بالجملہ غزلے کہ شعرے[1] ازاں ایراد کردہ می شود از شہرت تمام دارد وجز ایں چیزے دیگر مسموع نگشتہ" اسی سراج نے "شمع روئے از طایفۂ ہنود" پر پروانہ وار جان دی تھی اور وہ شمع بھی "شمع کردار لختے بر سر نعش سوختۂ خویش گریستہ مرد" اس کی تفصیل دس سطروں میں بیان ہوئی ہے۔

شیفتہ نے بتقاضائے عمر اپنی انشا پردازی کا زور محاسن شعر و شاعری پر کم اور افسانہ نویسی پر زیادہ صرف کیا ہے،[2]

ایک اور "مہ[3] جلوہ مہر تمثال نادر الحسن بدیع الجمال، جاں نواز دل آرام رجو نام نزاکت تخلص" کا ذکر چودہ سطروں میں لکھا ہے اور اس کی شاعری کی تقریب میں وہ وہ لفظ لکھتے ہیں جو اگر کسی

---

[1] چلی دشت عشق میں وہ ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا ٭ مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

[2] سید غلام قطب الدین باطن گلستان بے خزاں میں لکھتے ہیں کہ "ان نیک بخت کا رتبہ ان کے جوش محبت نے استادوں سے بھی بڑھا دیا" صد ۲۵۱

[3] درگا پرشاد نادر، تذکرۃ النساء مطبوعہ اکمل المطابع دہلی سنہ ۱۸۸۴ء، نزاکت تخلص، رجو نام، (باقی)

بڑے سے بڑے مسلم الثبوت استاد کے متعلق بھی لکھے جاتے تو خوشامد پر محمول ہوتے مثلاً "بہ صفائی فکر و جودت ذہن و درستی فہم وحید عالم و یکتائے زماں" اور اس رطب اللسانی کی تان ان الفاظ پر ٹوٹی ہے "واز آئین دردمندی و بے دردی وفا پروری و بے رحمی بخوبی باخبر" یہ ہیں وہ شاعر جو شیفتہ کے نقطۂ نظر سے "وحید عالم و یکتائے زماں" ہیں

غالب نے پچیس سال کی عمر تک جو کچھ شاعری کی تھی وہ نسخۂ حمیدیہ میں موجود ہے، اس کے متعلق مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں "غائر مطالعے سے منکشف ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر کلام بالکل ابتدائی دور کا ہے۔ جب کہ غالب کی دقت پسند طبیعت بیدل کے مطالعے سے بہت متاثر تھی، لیکن نہ دماغی قوی نے بلوغ حاصل کیا تھا نہ بیان پر پوری قدرت میسر آئی تھی نہ فکر و تخیل نے جلا پائی تھی"

پچیس سال کی عمر سے پہلے اگر استاد غالب جیسی نادر روزگار ہستی کے دماغی قوی، قدرت بیان اور فکر و عمل کی یہ حیثیت تھی تو شاگرد شیفتہ کے متعلق مزید اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ گلشن بے خار کی تصنیف کے زمانے میں شیفتہ کے "نہ دماغی قوی نے بلوغ حاصل کیا تھا نہ بیان پر پوری قدرت میسر آئی تھی نہ فکر و تخییل نے جلا پائی تھی"

غالب اور شیفتہ دونوں میں پچیس سال بلکہ اٹھائیس[۱] سال کی عمر تک خامی تھی، لیکن غالب اس لئے

(بقیہ نوٹ) نارنول کی بت بازاری ستم شعاری ہے جو شیفتہ مرحوم صاحب گلشن بے خار کی دوست داری سے شاعری میں نام پا گئی، منگلو نامی اس کی دوسری بہن میر احمد علی مختار کار عدالت فوجداری کے گھر میں پڑ گئی تھی" کلب علی خان صاحب فایق رامپوری نے شیفتہ کا غیر مطبوعہ کلام شایع کیا ہے، "معارف" ستمبر سنہ ۱۹۵۴ء، اس کلام میں وہ مثنوی بھی ہے جو رمجو اور منگلو طوائفوں کی مستی مالی کے موقعے پر شیفتہ نے لکھی ہے۔ اور خود ہی سال تاریخ بھی نکالا ہے۔ "کہا اس نے دو غنچہ سوسن" سنہ ۱۲۴۴ھ۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں نواب صاحب حج کرنے روانہ ہوئے (سنہ ۱۲۵۴ھ) اور تقریباً دو سال کے بعد سنہ ۱۸۴۱ء م ۱۲۵۶ھ واپس دہلی تشریف لائے، قیاس کیا جاتا ہے کہ حج کرنے کے بعد جہاں (باقی)

افضل ہیں کہ انھیں اپنی اس خامی کا صرف احساس ہی نہیں بلکہ اعتراف بھی تھا، چنانچہ فرماتے ہیں "پندرہ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا، دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا، آخر جب تمیز آئی تو دیوان کو دور کیا، اوراق یک قلم چاک کئے"

میں نے کہا تھا کہ یہ جو آزاد نے لکھا ہے کہ پرکھنے والوں نے انشا کے کلام میں قواعد کی، الفاظ و محاورات کی، اچھوتے ایجادوں کی غلطیاں افراط سے نکالی ہیں تو آب حیات میں اس کے ثبوت موجود ہیں کہ ان لوگوں کا وجود صرف آزاد کے ذہن میں ہے اور ان موہوم ہستیوں کے نمائندۂ خصوصی خود آزاد ہیں، اس کی مزید مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

مصحفی کے احوال میں لکھتے ہیں "غرض شعر کی ہر شاخ کو لیا ہے، اور جو قواعد اور ضوابط اس کے پرانے استادوں نے باندھے ہیں ان کا حق حرف بحرف بلکہ لفظ بہ لفظ پورا ادا کیا ہے ہاں ... طبیعت میں چلبلاہٹ اور بات میں شوخی نہیں پائی جاتی ....

سید انشا ہمیشہ قواعد کے رستے سے ترچھے ہو کر چلتے ہیں، مگر وہ ان کا ترچھا پن بھی عجب بانکپن دکھاتا ہے، ان کا یہ حال ہے کہ اصول سے ماپ کر اور قواعد سے تول کر بات کہتے ہیں، پھر بھی دیکھو تو کہیں پھیکے ہیں کہیں میٹھے، سچ کہا ہے، کہنے والے نے کہ فصاحت اور بلاغت کے لئے کوئی قاعدہ نہیں، جس کی زبان میں خدا مزہ دے ہزار اصول و قواعد کی کتابیں اس پر قربان ہیں" ص ۳۱۳

انشا کے بارے میں اگر کوئی کہے کہ وہ اصول و قواعد کی پابندی نہیں کرتے اور ہمیشہ قواعد کے رستے سے ترچھے ہو کر چلتے ہیں تو عبرت ہوتی ہے کہ دنیا میں لوگ بصارت والے کو اندھا یا حق کو باطل ثابت کر دینا کس قدر آسان سمجھتے ہیں، نا انصافی کی انتہا یہ کہ انشا اور ان کے رفیقوں کی زبان کو

(بقیہ نوٹ) نواب صاحب نے ادر منہیات سے توبہ کی ہے، نزاکت سے بھی قطع تعلق کر لیا ہو۔ (ماخوذ از "شیفتہ کی داستان عشق" از عابد علی عابد، نگار مارچ سنہ ۵۵ء ص ۳۴ - ۳۶۔

۱؎ انکی اردو اور فارسی نظم و نثر کی بہترین چیزیں وہ ہیں جو سنہ ۱۸۲۵ء سے لے کر تقریباً سنہ ۱۸۶۵ء تک لکھی گئیں سنہ ۱۸۲۵ء (یعنے عمر کے ۲۸ سال) سے پیشتر ان میں خامی تھی" ص ۲۰۴ مہر

آزاد دلی کی زبان ہی نہیں مانتے، لکھتے ہیں "سید انشا پھرتے چلتے دلی میں آئے تھے اور کچھ کچھ عرصہ رہے تھے اور جو لوگ ان معرکوں میں ان کے رفیق تھے ان میں سے اکثروں نے دلی کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی، چناں چہ ایک موقع پر شیخ مصحفی نے یہ قطعہ کہا جس کے چند شعر ساتویں دیوان میں ہیں، قطعہ، بعضوں کو گمان ہے یہ کہ ہم اہلِ زبان ہیں، دلی نہیں دیکھی ہے زباں دان یہ کہاں ہیں... اس قطعے کے مطلع پر خیال کرو کہ اس وقت دلی کیا شے تھی چند روز وہاں رہ جانا گویا زباندانی کا سرٹیفکٹ ہوتا تھا" صـ ۳۲۸

ایک شخص دلّی میں پیدا نہیں ہوا بلکہ اس نے دلّی دیکھی تک نہیں مگر اردو زبان اور اس کا لہجہ جیسا کہ چاہئے حاصل کرنا چاہتا ہے تو انشا کہتے ہیں کہ اس شخص میں چار شرطیں جمع ہونی چاہئیں پہلی شرط اس کے والدین کا دہلوی ہونا دوسری اس کو اردو دانوں کی صحبت میسر ہونا تیسری زبان اور لہجے کی تحقیق اور تحصیل میں اس کو شغف ہونا چوتھی تیزی طبع اور وقادت ذہن، ان چار شرطوں میں سے اگر پہلی شرط فوت ہو جائے تو ممکن ہے کہ طالب صادق کو مطلوبہ مرتبہ حاصل ہو جائے لیکن یقینی نہیں، باقی تین شرطیں واجب ہیں، ص ۳۰ دریائے لطافت اورنگ آبادی۔

آزاد انشا کے والد کا دہلوی ہونا تو مانتے ہیں[۱]، لیکن اردو زبان اور لہجے کی تکمیل کے لئے انشا کی پہلی شرط کو بالکل نہیں مانتے بلکہ مُحَصِّل کا خود بھی دہلوی ہونا واجب قرار دیتے ہیں، انشا نے پہلی شرط میں اس قدر لچک رکھی ہے کہ کسی کے والدین دہلوی نہ بھی ہوں پھر بھی اس کی اردو زبان اور لہجہ دونوں مسلم ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس نے دلی دیکھی ہو۔

آزاد یہ بھی کہتے ہیں کہ مصحفی "اصول سے ناپ کر اور قواعد سے تول کر بات کہتے ہیں" اور یہ بھی کہ انھیں "بعض جگہ اپنے وطن کا محاورہ یاد آجاتا ہے" صـ ۳۱۶، اور اس کی مثالیں بھی دی ہیں، لیکن انشا کے کلام میں کوئی قواعد یا الفاظ یا محاورات کی غلطی نہ بتا سکے مصحفی نے انشا پر

---

[۱] "بزرگ ان کے ..... کسی زمانے میں سمرقند سے آئے تھے، پھر دلی میں آکر سکونت اختیار کی رفتہ رفتہ امرائے شاہی میں داخل ہوئے..... بموجب پیشۂ خاندانی کے میر ماشاء اللہ خان دربار شاہی میں طبیب تھے اور زمرۂ امرا میں داخل تھے........ غرض سلطنت چغتائیہ کے ضعف میں میر ماشاء اللہ خان کو مرشد آباد جانا پڑا" صـ ۲۵۹، آب حیات۔

چار اعتراض کئے ہیں۔

(۱) ہیں لفظ سقنقور مجرد نہیں دیکھا ٭ ایجاد ہے نیز یہ سقنقور کی گردن

(۲) لنگور کو شاعر تو نہ باندھے گا غزل میں ٭ کس واسطے باندھے کوئی لنگور کی گردن

(۳) گردن تو صراحی کیلئے وضع ہے ناداں ٭ بیجا ہے خم بادۂ انگور کی گردن

(۴) اس سے بھی ہیں گزرا غلطی اور یہ سنئے ٭ باندھے ہے کوئی خوشۂ انگور کی گردن

ان میں سے پہلے اعتراض کا جواب خود آزاد نے دیا ہے " سید انشا پر جو اعتراض ہے کہ فقط سقنقور کیوں کہا، یہ شیخ مصحفی کا کہنا بے جا ہے، کیوں کہ سقنقور ایک جانور کا نام ہے، اور یہ لفظ اصل میں یونانی ہے مچھلی کو اس سے کوئی خصوصیت نہیں، ص ۳۲۴، دوسرا اعتراض کہ لنگور کو غزل میں باندھنے کی بجائے چڑیا گھر میں بند کرنا چاہئے تھا اور اگر لنگور کو باندھنا ہی تھا تو اس کی گردن کیوں باندھی اور تیسرا اعتراض کہ شراب کے مٹکے کی گردن کہنا بے جا ہے وہ تو سر تا بقدم توند ہوتا ہے اور چوتھا اعتراض کہ خوشۂ انگور کی گردن ہو یا نہ ہو مگر شعر میں اس کا مذکور نہیں ہو سکتا، ان اعتراضوں کا قواعد یا الفاظ یا محاوروں کی غلطیوں سے کیا علاقہ، البتہ ایک اعتراض ترقی پسند مصنفین کے نقطۂ نظر سے بڑا وقیع ہے ؎

یوں سینکڑوں گردن تو گیا باندھ تو کیا ہے ٭ سوجھی نہ تجھے حیف کہ مزدور کی گردن

آزاد کا ایک اور اعتراض انشا پر احوال سودا میں ملتا ہے،

" مرزا نے جو راجہ نرپت سنگھ کے ہاتھی کی ہجو میں مثنوی کہی ہے اس کے جواب میں بھی کسی نے مثنوی لکھی ہے اور خوب لکھی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں ؎

تم اپنے فیل معنی کو لگا لو ٭ مرے ہاتھی سے دو ٹکر لڑا لو

سید انشا نے لکھا ہے کہ " دو ٹکریں" چاہئے مگر یہ سید صاحب کی سینہ زوری ہے" یہاں اصل میں سینہ زوری آزاد کی ہے، کیوں کہ انشا نے جو ٹکر کی ترکیب کو غلط کہا ہے تو اس کی تفصیلی وجہ بھی لکھی ہے:-

" ہر چہ جمع و تثنیۂ آں خلاف مفرد در اردو باشد مفرد آوردن آں سوائے آں کہ تمیز کنندہ آں یکے باشد درست نیفتد مثال ایک گھوڑا، ایک مولی، ایک گاجر و دریں جا دو گھوڑا

اور تین گھوڑا اور دو مولی اور تین گاجر صحت ندارد و سوائے اہل بنگالہ دیورب در شاہجہان آباد کسے بہ ایں طریق حرف نمی زند، دو گھوڑے اور تین گھوڑے اور دو مولیاں اور تین مولیاں در دو گاجریں اور تین گاجریں صحیح باشد، عزیزے در مثنوی خطاب بمرزا رفیع کردہ گوید، شعر،

تم اپنے سنبل معنی کو نکالو ⁂ مرے ہاتھی سے دو ٹکر لڑالو

دو ٹکر صحت ندارد، دو ٹکریں می باید، اگر ایک ٹکر می گفت خوب بود (مرے ہاتھی سے اک ٹکر لڑالو) لیکن خودش دو ٹکری خواہد در لفظ ایک یا داخل تلفظ نیست، و ہر چہ مفرد و تثنیہ و جمع آں یکے باشد چوں ہاتھی و جوگی و للڈو ممیز جمیع اعداد دراں شل یکے باشد مانند ایک ہاتھی او دو ہاتھی اور تین ہاتھی الخ" صـ ۱۳۵ دریائے لطافت، یعنے اگر لفظ کی جمع (ٹکریں)، صورۃً واحد (ٹکر) کے خلاف ہے تو جب تک ممیّز یا تمیز کنندہ یعنے عدد واحد نہ ہو ممیّز یعنے لفظ کو واحد لانا ٹھیک نہیں، اور اگر لفظ کی جمع (ہاتھی) صورۃً واحد (ہاتھی) کے مطابق ہے تو ممیّز یعنے عدد خواہ واحد ہو یا جمع ممیّز یعنے لفظ صورۃً واحد اور جمع میں یکساں ہی رہے گا اس میں کون سی ایسی نامعقول اور ہٹ دھرمی کی بات ہے جس کو آزاد سینہ زوری سے تعبیر کر سکتے ہیں، آزاد کا انداز یہ ہے کہ جب آزاد کہتے ہیں کہ یہ انشا کی سینہ زوری ہے تو ان کی شخصیت کی رعایت سے دنیائے اردو کسی دلیل کے بغیر ان کا فیصلہ مان لے، یہ لفظ آزاد نے ایک اور موقع پر استعمال کیا ہے، "اس میں بھی کلام نہیں کہ جو جو تصرف یا ایجاد کیئے ہیں ان میں بعض جگہ سینہ زوری بھی ہے، مگر خوش نمائی اور خوش ادائی میں کچھ شبہہ نہیں" صـ ۲۸۱

جو تصرف یا ایجاد اصولی یا قیاسی طور پر ہوں گے وہ یقیناً خوش نما اور خوش ادا ہوں گے لیکن چوں کہ روایت کے خلاف ہوں گے آنکھ اور کان میں کھٹکیں گے اور زبان پر نہ چڑھیں گے اور خواہ نخواہ بدنما اور بدادا معلوم ہوں گے، اگر آزاد سنہ ۱۹۳۱ء تک زندہ رہتے اور پروفیسر سید وحید الدین سلیم کی "وضع اصطلاحات" میں "اردو کے جدید مصادر" ص ۲۱۰ اور "اصول سبقلاحت میں ایک لفظ سے کتنے الفاظ بنانے کی طاقت ہے" ص ۲۱۲، ان کی تفصیل پڑھتے تو وہ ضرور محسوس کرتے کہ انھوں نے انشا سے انصاف نہیں کیا، جدید مصادر کی چند مثالیں یہ ہیں:-

اشکانا (اشک سے) جذبانہ (جذبے سے) حسنانا (حسن سے) عطرانہ (عطر سے) زمزمانہ (زمزمہ سے)

فاعل زمزماد، زمزمالو، زمزماتا، زمزماتی

مفعول۔ زمایایا۔ زمزمائی ۔ حاصل مصدر۔ زمزماہٹ وغیرہ

انشا کی زبان دانی پر آزاد سے پہلے اور آزاد کے بعد کسی مستند شاعر یا ادیب کے اعتراض میری نظر سے نہیں گزرے آزاد نے یہ کہہ کر کہ "انشا قواعد اور اہل قواعد کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ الفاظ اور محاورات میں ان کے افراط نے ہمیں بھی خاموش کر دیا وغیرہ" اپنے معتقدین اور متبعین کو جو شہ دی تھی اس سے فائدہ اٹھا کر محمد یحییٰ صاحب تنہا نے جامعہ بابت ماہ جنوری سنہ ۳۳ء میں انشا کی زبان پر اعتراض کئے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے :-

"اگرچہ آپ کے یہاں الفاظ کی کثرت ہے اور صفائی زبان بھی پائی جاتی ہے لیکن قدیم محاورات اور متروکات بھی بدستور قائم ہیں"۔ "ٹک بجائے ذرا ۔ ۔ ۔ ۔ بھلا رے بجائے کلمۂ تعجب جو آج کل بالکل متروک ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھل بے اور واچھڑے بھی آج کل متروک ہیں"

"ظَرف کو ظرف لکھا ہے، یہ درست سہی مگر اردو میں اب استعمال نہیں ہوتا" "پہنچ کو پونچ باندھا ہے"

"ہرگز جہاں نہ پونچ سکے طائر خیال ✽ ہے کاخ فضل کا ترے یہ عظم و ارتقاع

اگلے شعر میں آہ کی ہ یا اے کا الف تقطیع سے گرتا ہے ؎

یاں دل میں اور ہاتھ میں ہیں لکھ داغ و گل ✽ آہ اے بہار کس کو تمنائے باغ و گل

"آہ اے کی بجائے آہے پڑھا جاتا ہے، شاید کہا جائے کہ یہ جائز ہے، اگر جائز بھی ہے تو مکروہ ضرور ہے، الف کو ہ کے ساتھ حذف کرنا نہایت ناگوار ہوتا ہے"

"سمجھے کو سمجھے باندھا ہے" شوق سے سوئیے سر رکھ کے مرے زانو پر ✽ اس کو مت سمجھے کچھ خوف و خطر کا تکیہ"

"آپ کے یہاں بھی ادق الفاظ کافی ہیں، مثلاً تسطیح، شطیح ۔ ۔ ۔ ۔ غزل میں ایسے الفاظ ناگوار طبع ہوتے ہیں"

"آپ نے بعض الفاظ ایسے لکھے ہیں جو آج کل گنوار لوگ استعمال کرتے ہیں"

"بعض الفاظ آپ نے ایسے استعمال کئے ہیں جو بول چال میں تو ضرور استعمال ہوتے ہیں لیکن تحریر اور خصوصاً نظم میں آج کل لوگ نہیں لکھتے مثلاً بکھیرو"

"بعض بعض فارسی ترکیبیں بھی کانوں کو ناگوار گزرتی ہیں اور آج کل مروج نہیں"

ان اعتراضوں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ صاحب کے نزدیک "آج کل" اور "اب" کی زبان میں اور انشا کے وقت کی زبان میں کیا فرق ہے، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ انشا کی زبان میں ان کے عہد کی زبان کے اعتبار سے خامیاں تھیں، یحییٰ صاحب نے اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے ایک استاد کی زبان کو بیسویں صدی عیسوی کے ربع ثانی کی زبان کے مقابلے میں باتوں باتوں میں متروک، غیر مستعمل اور غیر مروج قرار دے دیا، انھوں نے زیادہ ہمت نہیں کی ورنہ "آب حیات" کے دور اول و دوم و سوم کے کل اساتذہ کو وہ انشا سے زیادہ نالایق ثابت کر سکتے تھے، ان کے یہاں متروکات کی بہت زیادہ مقدار مل سکتی ہے،

پُ ں ہ چ = پُہنچ[1]، پَ ہ ں چ = پہنچ[2]، پَ وْ ں ہ چ = پونہچ[3]، پَ ہ وْ ں چ = پہونچ[4]، پَ وْ ہ ں چ = پوہنچ، یہ سب صورتیں اس لفظ کی صحیح ہیں، ان میں سے پہلا تلفظ انشا نے اختیار کیا ہے، "بہ ضمۂ بائے فارسی بانون یکے شدہ وہائے ساکن وجیم فارسی الف (پُہنچا)" (دریائے لطافت ص ۱۹)، اس لحاظ سے پہلے مصرع کا درست املا یوں ہوگا ع ہرگز جہاں نہ پُہنچ سکے طائر خیال، تقطیع یوں ہوگی، مفعول ہرگز ج - فاعلات ہاں پُہنچ - مفاعیل سکے طاءِ - فاعلان رِ خیال -

یحییٰ صاحب فرماتے ہیں کہ انشا نے "پہنچ" کو "پونچ" باندھا ہے، اس کا جواب کون دے سکتے ہیں، ع آہ اے بہار کس کو تمنائے باغ و گل، اس مصرع میں نہ آہ کی ہے گرتی ہے نہ الف گرتا ہے بلکہ دونوں بحال رہتے ہیں، صرف اتنا ہوتا ہے کہ آہ کی ہائے موقوف الف وصل کے کسرے سے متحرک بالکسر ہو جاتی ہے، یحییٰ صاحب کا یہ افسوس کہ "الف کو ہ کے ساتھ حذف کرنا نہایت ناگوار ہوتا ہے" بے جا ہے۔

انشا پر اعتراض کرنے کے لئے یحییٰ صاحب کو غالب کا یہ شعر تو یاد رہا ؎

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے ؂ جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آ وے

---

[1] انشا [2] فوربس اور گلکرسٹ [3] قواعد العروض ص ۱۸ [4] گلشن فیض [5] نور اللغات.

لیکن یہ شعر فراموش ہو گیا ؎

وضع میں اس کو اگر سمجھئے قاف تریاق ؎ رنگ میں سبزۂ نو خیز مسیحا کہئے

صاحب جلوۂ خضر

مصحفی کی ہم زبانی میں آزاد کا قول کہ انشا زبان داں کہاں ہیں وہ تو چلتے پھرتے دلی میں آئے تھے اور کچھ کچھ عرصہ رہے تھے لکھا جا چکا ہے، "آب حیات" میں آزاد نے یہ ایسا زہر ملایا ہے کہ اس کے اثر سے "جلوۂ خضر" تک سبز نظر آتی ہے، صاحب جلوہ خضر فرماتے ہیں:۔

"مگر نظر غور سے دیکھئے تو شمس البیان سے دریاے لطافت کے مصطلحات زیادہ بکار آمد نہیں کیوں کہ شمس البیان میں ہر محاورے اور اصطلاح کی سند موجود ہے باوجودیکہ یہ کتاب خاص دہلی کے رہنے والے اور میر درد کے شاگرد کی تحریر ہے مگر اس پر بھی انھوں نے سند دینا ضرور سمجھا، دریاے لطافت کے مصطلحات ایک تو اوٹ پٹانگ اس پر بے سند وہ دہلی کے رہنے والے نہیں۔ چند برس رہنے سے صاحب زبان ہونے کا منصب کیوں کر مل سکتا ہے اور پھر اس وقت جب کہ دہلی کی زبان وہاں کے توطن پر منحصر تھی، اسی طرح قواعد گلکرسٹ کے قواعد دریاے لطافت کے قواعد سے کہیں با اصول اور مستحکم ہیں' دریاے لطافت کی پریشان بیانی سے کہیں شمس البیان اور قواعد گلکرسٹ مفید ہیں" ص ۳۴۲

خط کشیدہ جملوں میں صفیر بلگرامی صاف طور پر آزاد کے ہم صفیر ہیں لیکن پوری کتاب میں وہ کہیں اس امر کا ثبوت نہ دے سکے کہ انشا کی زبان کہاں دلی کی زبان سے مختلف ہے بلکہ انھوں نے ہر جگہ انشا کی زبان کو دلی کی نمائندہ زبان مانا ہے اور اسی کی بنیاد پر دلی لکھنؤ اور ناسخ کی زبانوں کے فرق دکھائے ہیں، مثلاً جلوۂ خضر کے بعض عنوان یہ ہیں، انشا کے وقت میں دہلی اور لکھنؤ کی زبان کا فرق "ص ۳۷" محاورات انشا نے جو دریاے لطافت میں لکھے ہیں اور وہ ناسخ کے اصول سے متروک ہوئے "ص ۳۷۸۔" انشا کا کوئی محاورہ ناسخ کے اصول سے متروک ہونے اور دلی کے اصول سے متروک ہونے میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے،

انشا کی غلطیاں دکھانے کا جلوہ خضر میں بہترین موقع یہاں تھا:۔

"شعرائے دہلی قواعد اور محاورات جو کتابوں میں لکھتے ہیں وہ بہت صحیح اور درست لکھتے ہیں اور شعر میں ان قواعد کو مستعمل نہیں کرتے" میرے پاس چھ کتابیں دہلی کی موجود ہیں جن میں قواعد و محاورات بہت صحیح اور درست ہیں، فہرست ان کی یہ ہے":

"قواعد منضبط شاہ حاتم، قواعد منضبط انشاء اللہ خان، محاورات منضبط مرزا جان طپش، قواعد و محاورات منضبط شہزادہ قادر بخش صابر، قواعد و محاورات منضبط صہبائی، محاورات منضبط نکہت" صفحہ ۲۷۱

اس بیان سے تین امر ثابت ہوتے ہیں (۱) انشا دہلی کے شاعر ہیں۔ (۲) انھوں نے جو قواعد و محاورات لکھے ہیں وہ بہت صحیح اور درست ہیں (۳) لیکن شعر میں ان قواعد کو مستعمل نہیں کرتے، صفیر کے پاس بقیہ جو پانچ کتابیں صحیح و درست قواعد و محاورات دہلی کی تھیں اگر وہ ان سے مدد نہ بھی لیتے تو خود انشا کی دریائے لطافت ان کی شاعری کا پول کھولنے کے لئے کافی تھی صفیر کو صرف دو عنوان بالمقابل قایم کر کے ان کے ضمن میں مثالیں نقل کرتے چلے جانے کی ضرورت تھی، مثلاً :-

دہلی کے قواعد اور محاورات جو دریائے لطافت میں لکھے ہیں	انشا کے کلام میں انکی خلاف ورزی
مثالیں	مثالیں

حقیقت یہ ہے کہ صفیر کو انشا سے کد تھی لیکن طبیعت منصفانہ پائی تھی، لکھتے ہیں:-

"اختتام دور دوم اصلاح زبان اردو مصحفی، انشا، میر حسن تک:-

"زبان اردو کی دوسری اصلاح انشاء اللہ خان اور مصحفی نے کی، اگرچہ ان کے وقت کے مشہور شعرا بہت ہیں مگر تمغائے اصلاح انشاء اللہ خان کو ملا تھا، اس لئے چند محاورے انشا اور مصحفی کے بطور نمونے کے لکھے جاتے ہیں، اس کے بعد دور سوم اصلاح زبان اردو کا شروع کیا جائے گا" صفحہ ۱۹۵

اس سے قطع نظر کہ انشا کی زبان کا ان کے معاصرین کی نظر میں کیا مرتبہ تھا، خود صفیر کے ہم عصر زبان کے معاملے میں ان کی رائے کو انشا کی سند کے بغیر صحیح اور درست نہیں مانتے تھے

خود لکھتے ہیں "جب میں نے رسالۂ تانیث و تذکیر رشحات صفیر کو چھپوایا تو اس میں سند سوائے لکھنؤ اور دہلی کے شعرا کے اور کسی مقام کے شاعر کی نہیں دی ہے، ہاں اتنا کیا ہے کہ عام شعرا دونوں مقام کے ہیں، اس کو دیکھ کر لوگوں میں بڑی گفتگو ہوئی کہ یہ کتاب ماننے کے قابل نہیں ہے۔ کیوں کہ ناسخ آتش میر و مرزا کے سوا دوسرے کی سند قابل اعتبار نہیں، آخر میں نے سید انشا کی دریائے لطافت کی عبارت چھپوا کر اس کتاب پر لگا دیا کہ دار السلطنت کے بھنگی تک کی سند جائز ہے جب لوگوں نے مانا " صہ ۳۰۶

صفیر نے شمس البیان اور قواعد گلکرسٹ کے قواعد کو دریائے لطافت کے قواعد سے کہیں با اصول اور مستحکم کہا ہے تو یہ بات کی تیج ہے، حال آں کہ خود ان کی قواعد دانی کا ایک نمونہ یہ ہے، قواعد گلکرسٹ اور اصول ناسخ کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"صہ ۴۔ اسم مفعول مونث واحد ماری جمع ماریں اور ماریاں، ناسخ کے اصول سے ماریاں ناجائز اور ماریں جائز جیسے ہم نے مرغیاں ماریں" صفحہ ۲۵ جلوۂ خضر جلد دوم

"اسم مفعول کا وزن موافق ہے فعل ماضی کے وزن کے ساتھ جیسا کہتے ہیں وہ تو میرا مارا ہے اسم مفعول مذکر واحد مارا جمع مارے مونث واحد ماری جمع ماریں ماریاں اور کبھی اسم مفعول کے صیغوں میں زائد ہوتا ہے۔ لفظ ہوا اور ہوئے بیائے مجہول ہوئی ہوئیں اور ہوئیاں بیائے معروف، جیسا مارا ہوا وعلی ہذا القیاس" (قواعد گلکرسٹ) یعنے وہ تو میرا مارا ہوا ہے، وہ تو میرے مارے ہوئے ہیں، وہ تو میری ماری ہوئی ہے، وہ تو میری ماریں ہوئیں یا ماریاں ہوئیاں ہیں،

جناب صفیر نے جو مثال دی ہے اس میں ماریں فعل (ماضی مطلق جمع مذکر و مونث متکلم) مرغیاں مفعول کی رعایت سے آیا ہے، وہ مفعول کا صیغہ نہیں، اگر ہوتا تو یوں بھی درست ہوتا کہ "ہم نے مرغیاں ماریں ہوئیں" حال آں کہ یہ جملہ ناتمام ہے اور جب تک اس پر ایک اور ماریں کا اضافہ نہ ہو معنے نہیں رکھتا مثلاً ہم نے مرغیاں ماریں ہوئیں ماریں، اور ناسخ کے اصول سے ہم نے مرغیاں ماری ہوئی ماریں"

انشا کے متعلق یہ بحث صفیر کے ایک وقیع ہم عصر کی رائے پر ختم ہو جائیگی، زندگانی بے نظیر از مولوی سید محمد عبدالغفور خان شہباز میں ہے :۔

"نظیر کے ہاں وہ عیوب جو میر اور سودا کے کلام میں متعلق لغت یا عروض کے ہیں بعینہٖ ہیں انشا کے ہاں وہ عیوب نہیں ہیں، انشا نے کسی قدر زبان کی اصلاح شروع کردی ہے، وہ الفاظ کی صحت کی رعایت بہت کرتا ہے، غلطی بسکون لام اس کے نزدیک بڑی رکیک غلطی ہے، اگو موٹے موٹے رکیک ہندی الفاظ کو آزادی کے ساتھ داخل کلام کرتا ہے لیکن فارسی اور عربی لغات کی صحت شعرائے فارس کے معیار صحت کے مطابق کرتا ہے"

"آبِ حیات" میں انشا کے لطیفوں کی حقیقت

ہِجر اور ہَجر کا لطیفہ

"ایک دن اسی جلسے میں کچھ ایسا تذکرہ آیا کہ سعادت علی خان نے کہا، ہَجر بالفتح بھی درست ہے، جان بیلی صاحب نے کہا کہ خلاف محاورہ ہے، سعادت علی خان بولے کہ خیر لُغت کے اعتبار سے جب درست ہے تو استعمال میں کیا مضایقہ، اتنے میں سید انشا آگئے، جان بیلی صاحب نے کہا کہ کیوں سید انشا ہِجر اور ہَجر میں تم کیا کہتے ہو، انھیں یہاں کی خبر نہ تھی، بے ساختہ کہہ بیٹھے کہ ہِجر بالکسر ہے، مگر ساتھ ہی سعادت علی خان کی تیوری تاڑ گئے اور فوراً بولے کہ حضور جب ہی تو جامی فرماتے ہیں،

شب وصل است طے شد نامۂ ہَجر سلامٌ ہی حتیٰ مطلع الفَجر

یہ سنتے ہی سعادت علی خان شگفتہ ہو گئے اور اہل دربار ہنس پڑے" آبِ حیات ص ۲۹۱-۲۹۲

"رقعہ ۳۔ درین روز ہا میانۂ مرزا جعفر و انشاء اللہ خان بر سر لفظ ہجر کہ مقابل وصل است مباحثہ شدہ بود، مرزائے مزبور لفظ مذکور را بکسر ہائے ہوز چناں کہ مشہور است می خواند، و خان ممدوح بالفتح، آخر میدان بدست خان صاحب ماند" رقعات قتیل قلمی، کتب خانہ حبیب گنج، جلد دوم۔

کلام انشاؔ مطبوعہ ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد ۔ ص (۵۱ک)		"انشاؔ" از عبد الباری آسی لکھنوی ۔ رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۳۵ء
انیسا مشفقا بندہ نوازا	لم حررتنی قولاً ثقیلا	اینا
وہ خط لکھا کہ بس پڑھتے ہی میرا	ہوا غصے کے مارے رنگ نیلا	
بمعنی چست اور چالاک ہے تو	نظر آیا دلیکن سخت ڈھیلا	کہ یعنی
تجھے کہتی ہے دنیا قاف معنی	تو کیوں کر بن گیا مجنوں کا ٹیلا	
(مقابل وصل کے تھا ہجر مشہور	جھٹ اسکو علم کے چاکو سے چھیلا)	یہ شعر "کلام انشا" میں نہیں ہے
بہت سی اوڑ صب کی بخت پڑ کا	دیا تھا جھونک جعلے میں پتیلا	
بالتحقیق لفظ ہجر میں کل	لیا کیوں حاے حطی کا وسیلا	
جواب اس شبہے کا تو مجھ سے سن لے	نہ کالا بن نہ نیلا ہو نہ پیلا	
وہ "ہجراً"[۱] ہے جو "محجورا" کے ہمراہ	سو ہے حطی ہی ہاں مرزا قتیلا	
ولے جو "ان قومی"[۲] کے ہے آخر	وہ "مہجوراً" ہے ہوز سے خلیلا	
نہ چٹکی دل میں لے "واصبر علی ما[۳]	یقولون" آیہ ہے تیرا دلیلا	
ذرا تو سورۂ مزمل میں تو دیکھ	کہ ہے بالفتح وہاں "ہجراً جمیلا[۳]"	ہے بالفتح

---

[۱] وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات و ھذا ملح اجاج ۔ وجعل بینہما برزخا و حجرا محجورا ۔ فرقان ع ۵ ۔ اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا یہ ایک تو میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ دوسرا شور ہے بدمزہ اور ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب اور ایک مضبوط دیوار بنا دی تاکہ دونوں ملنے نہ پائیں ۔

[۲] یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا ۔ فرقان ۔ ع ۳ اور ہمارے رسول نے ہم سے کہا کہ اے میرے پروردگار بیشک میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر دیا ہے ۔

[۳] واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا ۔ وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ و مھلھم قلیلا ۔ اور جو کچھ یہ کافر تمہاری نسبت کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور ان سے خوب اچھی طرح درگزر کرو اور مجھے اور ان تکذیب کرنے والے مالداروں کو چھوڑ دو میں ان سے سمجھ لوں گا اور تم انھیں ابھی تھوڑی مہلت دو ۔

یہی تو فتح کا باعث ہوا ہے — مجھے کیوں کر کرے گا تو ذلیل
بھلا آتو سہی میں بھی پڑھوں گا — یہی آیت " وَمِنْہُم قلیلاً "
جواب اس کا جو کچھ خاطر میں گذرے — تو بسم اللہ، حاضر کر، ابھی لا
پھر اد شاخ بنات النعش ہے کہہ[۱] — اٹھا دیوان حافظ تو ذری[۲] لا — دیکھ[۱] ابھی[۲]
شب وصل است طے شد نامۂ ہجر — پڑھے گا یہاں ہر اک گل سے نکیلا
سلامٌ ہی حتی مطلع الفجر — یہی مصرع ہے اس کا سجیلا
ہو الغالب ہے انشاء اللہ انشا — تراکیوں اشک سے دامن ہے گیلا

انشا کی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف کی لسان عربی فصیح ترین ہے اور اس میں ہَجر بالفتح آیا ہے، علاوہ دیوان حافظ میں بھی جو لسان الغیب ہے لفظ ہَجر، فَجر کا ہم قافیہ ہے، اس لئے ہِجر اگرچہ بالکسر مشہور ہے لیکن ترجیح ہَجر بالفتح کو ہے، انشا کہتے ہیں کہ " اس مباحثے میں کوئی مجھے کیوں کر ذلیل کر سکتا ہے جب کہ میرے خدا کا کلام میرے ساتھ ہے، اور یہی میری فتح کا باعث ہوا ہے " آزاد کے لطیفے کا مفہوم اس کے بالکل خلاف ہے یعنے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشا " بے ساختہ " ہجر کو بالکسر اور بتکلّف و مصلحت بالفتح بولتے تھے، اور اس مباحثے میں انشا کی حیثیت ثالث کی تھی نہ کہ فریق کی، حالاں کہ اس مباحثے کا " سعادت علی خان " اور " جان بیلی صاحب " سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ مباحثہ مرزا فخر الدین احمد خان بہادر عرف مرزا جعفر اور انشا میں ہوا تھا، انشا کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قتیل نے مرزا جعفر کی حمایت کی کوشش کی تھی لیکن انشا نے انھیں شعر و ادب میں اپنے جائز مقام سے آگے بڑھنے نہ دیا۔ خط کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ فرقان کے تیسرے رکوع کی اس آیت " وقال الرسول یرٰب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا " میں " مھجورا " ہائے ہوز سے ہے اور پانچویں رکوع کی اس آیت " وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا " میں " حجر " اور " محجور " دونوں حائے حطی سے ہیں، لیکن قتیل نے " حجرا محجورا " کو " ہجر " کے بالکسر صحیح ہونے کے ثبوت میں پیش کیا تھا۔

بلا تحقیق لفظ ہجر میں کل — وہ لایا کیوں حائے حطی کا وسیلہ

وہ "ہجراً" ہے جو "مجوراً" کے ہمراہ ہو سو ہے حطی ہے ہاں مرزا قتیلا

پھر انشانے سورۂ مزمّل کی آیت" واصبر علےٰ مایقولون واھجرھم ھجراً جمیلا" پیش کی ہے، جس میں "ہجر" ہائے ہوز اور بالفتح ہے، اور اس کے مزید ثبوت میں حافظ کا شعر پیش کیا ہے اور قتیل نے تسلیم کرلیا ہے کہ اس مباحثے میں "میدان بدست خان صاحب ماند"

فائق کے ساتھ لطیفہ

"فائق تخلص ایک فلک زدہ شاعر تھا۔ خدا جانے کس بات پر خفا ہوا کہ ان کی ہجو کہی اور خود لاکر سنائی انھوں نے بہت تعریف کی بہت اچھلے بہت کودے اور پانچ روپے بھی دئے۔ جب وہ چلا تو بولے ذرا ٹھیرئے گا ابھی آپ کا حق باقی ہے، قلم اٹھا کر یہ قطعہ لکھا اور حوالہ کیا:۔

فایق بے حیا چو ہجوم گفت — دل من سوخت سوختہ بہ

صلہ اش پنج روپیہ دادم — دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

آب حیات ص ۲۹۲-۲۹۳

"فایق نے لفظ بد کو مشدد باندھا تھا۔ انشا نے اس کے جواب میں بطور تعریض کے جو قطعہ لکھا ہے درج ذیل ہے:۔

چہ خوش گفت فایق شاعر غرا — کہ چوں ذہن او ذہن رسا نہ باشد

یکے شعر نادر کہ در چند و زن — شود خواندہ و شک بمعنا نہ باشد

دراں لفظ بد را بدال مشدد — نوشت است واین غلط اصلا نباشد

شنیداین سخن راچو گرد سخن — زانشا کہ ہم سرش اصلا نہ باشد

بگفتا کہ من شاعر خوش فکرم — چو من ہیچ مغل گویا نہ باشد

تو گلستان رندانی درست — ترا ہیچ شعور و ذکا نہ باشد

سند یاد از استاد است مارا — بکلام ما ہیچ خطا نہ باشد

چو تشدید در شعر ضرورت افتد — تشدید صحیح چرا نہ باشد

"تاریخ ادب اردو" مترجمہ مرزا محمد عسکری ص ۲۲۳

"رقعہ ۲۶۶ ...... مدتے پیش ازیں میر انشاء اللہ خان بر فایق نامی اعتراض کردہ بود بعد سہ سال آں بیچارہ سند از قاموس نوشتہ فرستاد، صورت این است کہ لفظ ید در کلام الٰہی و احادیث نبوی و ادعیہ ہمہ جا بغیر تشدید آمدہ است در صراح ہم ہمیں می نویسد کہ مشدد نیست و صاحب قاموس برائے بسط کتاب خود بعضے الفاظ را کہ اصطلاح اطبا و اہل نجوم است نیز داخل لغت نمودہ و او نیز اول ید را مخفف ذکر کردہ است لیکن جائے ایں ہم می نویسد کہ بعضے از عربان غیر فصیح بتشدید ہم ایں لفظ را می گویند ظاہر است کہ اگر لفظ ید مشدد در اصل می بود ہرگز مخفف آوردن آن صحیح نباشد، زیرا کہ در اصل آن تشدید است، ہمچنیں حال دیگر الفاظ مشدد الآخر کہ تخفیف دراں غلط محض باشد اگر اصل ید مشدد می بود ہرگز مخفف نمی آوردند پس معلوم شد کہ در اصل نزد فصحا مشدد نیست مگر نزد عوام عرب بطریق ندرت مشدد ہم باشد یا ایں کہ شاعرے در شعر خود مشدد آوردہ باشد، اگر در کلام شاعر است ظاہر است کہ در اصل مخفف است، زیرا کہ آن چہ در شعر عربی جائز است در لغت صحت ندارد، صاحب قاموس الفاظیکہ شعرائے عرب در شعر آوردہ اند نیز در لغت می نویسد، بہر حال چوں او بانی مبانی فن لغت است ہر چہ او نوشتہ است آں را قبول داریم لیکن استعمال آں متروک و مردود است، ہرگاہ لفظ متروک و مردود شد بدتر از غلط است و اگر چنین نباشد سند آں از عبارتے می باید و ایں در ہیچ عبارتے نیست، حال ید مشدد ہم بعینہ حال نبذ است با دال معجم بجائے نبض لیکن حالا کسے نبذ را بدال نقطہ دار نمی نویسد، اگر بنویسد خلاف قاعدہ بعمل آوردہ باشد مثل لفظ صد کہ اصلش بسین بے نقط است لیکن بسین غلط و با صاد صحت دارد . . . . . ." رقعات قتیل قلمی

آزاد نہیں جانتے تھے کہ فایق کو انشا کی ہجو کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اور "تاریخ ادب اردو" میں خمخانۂ جاوید جلد اول کے حوالے سے جو قطعہ نقل کیا گیا ہے۔ صرف اسی کے دیکھنے سے اتنا ضرور واضح ہوتا ہے کہ فایق نے لفظ ید کو مشدد باندھا تھا اور انشا نے اس کے جواب میں بطور تعریض، مذکور قطعہ لکھا تھا، لیکن قتیل کے رقعے سے اس واقعے کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، تعجب کی بات یہ ہے فایق ید کی دال کے مشدد ہونے کا ثبوت تین برس

تک تلاش کرتا رہا آخر اس کو قاموس میں مل ہی گیا کہ "یَدٌ ..... یدّ مُشَدَّدۃ" لغات فیھا"
فتیں لکھتے ہیں کہ صراح میں بھی یہی لکھا ہے کہ مشدد نہیں حالاں کہ صراح کی عبارت یہ ہے" الیُدّ
لغۃ فی الید المخففہ" یعنے ید مخفف اور مشدد دونوں طرح ہے، لیکن کلام الٰہی اور احادیث نبوی اور
دعاؤں میں ہر جگہ بغیر تشدید ہے اور فصحا کے نزدیک بھی مشدد نہیں، ممکن ہے کہ عوام عرب نادر
طور پر ید کو مشدد کہتے ہوں اور کسی شاعر کے کلام میں بھی ید مشدد مل جائے لیکن یہ متروک ہے
اور جب کوئی لفظ متروک اور مردود ہو جاتا ہے تو وہ غلط لفظ سے بدتر ہے۔

میر علی صاحب مرثیہ خواں

لکھنؤ میں میر علی صاحب ایک مرثیہ خواں تھے کہ علم موسیقی میں انھوں نے حکما کا مرتبہ حاصل کیا تھا، مگر اپنے
گھر ہی میں مجلس کر کے پڑھتے تھے کہیں جا کر نہ پڑھتے تھے، نواب نے ان کے شہرۂ کمال سے مشتاق
ہو کر طلب کیا، انھوں نے انکار کیا، اور کئی سلام پیام کے بعد یہ بھی کہا کہ اگر وہ حاکم وقت ہیں تو
میں سیادت کے اعتبار سے شاہزادہ ہوں، انھیں میرے ہاں آنے میں کیا عار ہے، نواب نے
کہا کہ سید میرے ہاں ہزاروں سے زیادہ ہیں، میر صاحب نے اگر فخر بیدا کیا تو یہی کہ سید تھے اب
ڈوم بھی ہو گئے، خیر انھیں اختیار ہے، میر علی صاحب نے یہ سن کر خیالات چند در چند سے
فوراً دکن کا ارادہ کیا۔ سید انشا جو شام کو گھر آئے تو دیکھا کہ کچھ سامان سفر ہو رہا ہے سبب پوچھا
تو معلوم ہوا کہ میر علی صاحب لکھنؤ سے جاتے ہیں، چوں کہ آپ کے بھتیجے بھانجے بھی ان کے
شاگرد ہیں، وہ بھی استاد کی رفاقت کرتے ہیں میر علی صاحب کے جانے کا سبب پوچھا تو یہ معاملہ
معلوم ہوا، اسی وقت کمر باندھ کر پہنچے، سعادت علی خان نے متحیر ہو کر پوچھا کہ خیر باشد، پھر کیوں
آئے، انھوں نے ایک غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

دولت بنی ہے اور سعادت علی بنا ✿ یا رب بنا بنی میں ہمیشہ بنی رہے

پھر کہا کہ حضور، غلام جو اس وقت رخصت ہو کر چلا تو دل نے کہا کہ اپنے دولھا کی دلھن۔۔
(عروس سلطنت) کو ذرا دیکھوں، حضور واقعی کہ بارہ ابھرن سولہ سنگار سے سجی تھی، سر پر جھومر
وہ کون؟ مولوی دلدار علی صاحب، کانوں میں جھمکے، وہ کون، دونوں صاحب زادے

گلے میں نولکھا ہار، وہ کون خان علامہ، غرض اسی طرح چند زیوروں کے نام لے کر کہا کہ حضور غور جو کرتا ہوں تو ناک میں نتھ نہیں، دل دھک سے ہو گیا، اللہ سہاگ کو قائم رکھے، یہ کیا، نواب نے پوچھا کہ پھر وہ کون، کہا، حضور، نتھ میر علی صاحب بعد اس کی کیفیت مفصل بیان کی، نواب نے ہنس کر کہا کہ ان کی دور اندیشیاں بیجا ہیں۔ میں ایسے صاحب کمال کو فخر لکھنؤ سمجھتا ہوں، غرض اس شہرت بے اصل کے لئے ترقی کا پروانہ اور ۵۰۰ روپیہ کا خلعت لے کر وہاں سے پھرے" آب حیات ص ۲۸۹

اس لطیفے میں چونکہ "خان علامہ" کا ذکر آگیا ہے اس کے فرضی ہونے کے ثبوت میں "تحقیقی نوادر" کے یہ دو اقتباس کافی ہیں" "آزاد کی روایت کہ علامہ تفضل حسین خان کی وساطت سے انشا سعادت علی خان کے ہاں پہنچے درست نہیں۔ . . . . . یمین الدولہ خود سنہ ۱۲۱۲ھ میں لکھنؤ آئے اور مسند نشین ہوتے ہی علامہ کو کلکتے بھیج دیا۔ انشا نے سعادت علی خان کے جلوس کا قصیدہ کہا ہے" ان کی بیشتر عمر شجاع الدولہ اور شاہ عالم کے درباروں میں گزری ہے، اور ان خاندانوں کے افراد سے نہایت قریبی تعلق رہا ہے، علاوہ انشا کی فطرت اس کی محتاج نہیں تھی کہ اگر وہ کسی صاحب اقتدار تک رسائی حاصل کرنا چاہیں تو کوئی ان کی سفارش کرے، ایسی صورت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ علامہ کو خواہ مخواہ کیوں واسطہ بنایا گیا" وہ اپنے علم اور حسن تدبیر سے ادھر معتمد سرکار انگریزی کے، ادھر رکن سلطنت لکھنؤ کے، اور مشیر تدبیر سعادت علی خان کے تھے، وہاں سید انشا بھی جایا کرتے تھے اور وہ بھی ان کی لیاقت اور خاندان کے لحاظ سے پہلوئے غیرت میں جگہ دیتے تھے اور اس فکر میں تھے کہ کوئی مناسب حال صورت نکالیں الخ۔ آب حیات ص ۲۶۸ "تحقیقی نوادر ص ۴۴ - ۴۵

علامہ تفضل حسین خان نواب کے اتالیق تھے اور نواب کی مسند نشینی بھی انھیں کی حسن تدبیر

---

[۱] "عرض کی کہ حضور کی ہر طرح پرورش ہے، مگر فدوی کے باب میں کچھ تقریب ملاقات کی ضرورت نہیں" آب حیات، جان بیلی صاحب کی ملاقات۔ ص ۲۹۰

سے ہوئی تھی، لیکن اس خیال سے کہ وہ اپنے اس احسان اور اتالیقی کی وجہ سے امورِ سلطنت میں دخیل ہونگے سب سے پہلے انھیں کے ساتھ ظلم کیا، علامہ سے کہا کہ آپ بعہدۂ سفارت کلکتے جائیے اور سند آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے رزیڈنٹ کے ذریعے گورنر جنرل کو بھیج دوں گا۔ علامہ کلکتے پہنچے" اور " بعد قیام چند روز و عدم رسی سند ناکام حالت یاس میں پھرے کہ فی الحقیقت میرا حق استادی ادا ہوا، از بسکہ صاحب غیرت و صاحب فکر تھے غم و غصہ سے تپ محرق ہوئی، جب ہزاری باغ پہنچے سنہ ۱۲۱۳ھ مطابق سنہ ۱۷۹۹ء انتقال کیا، ص ۱۵۲ سید محمد میر" تحقیقی نوادر ص ۵۵-۵۶

آزاد کا خیال تھا کہ سعادت علی خان کی نوابی کے پورے زمانے میں خان علامہ زندہ رہے" اور پانسو روپے کا خلعت لے کر وہاں سے پھرے" سعادت علی خان اور کسی کو پانسو روپے کا خلعت دیں" ترقی کا پروانہ" تو خیر صرف پروانہ ہے، نجم الغنی لکھتے ہیں کہ نواب نے ایک سررشتہ اخبار قائم کر رکھا تھا جس سے لوگوں کا دم ناک میں آگیا تھا ان مخبروں کی مخبری کرنے کے لئے علیحدہ لوگ مقرر تھے، غرض لوگوں کی جان عذاب میں تھی، نواب کو غلط اطلاعیں پہنچانے اور سزائیں دلانے کی دھمکیاں دے کر لوگوں سے رشوت لیتے تھے، نواب نے جرمانوں کو ایک قسم کی آمدنی خیال کر رکھا تھا اور اپنی زندگی میں مختلف ذریعوں سے تیرہ کروڑ روپے جمع کئے تھے۔

رزیڈنٹ لکھنؤ کرنل سکوٹ ولزلی کو لکھتا ہے:-

" تحصیل مال گزاری میں جو رعایا پر پہلے جور و ستم ہوتے تھے ان میں کچھ کمی نہ ہوئی، پہلے یہ روپے زمین دار اور نواب کے درمیان کے واسطہ دار غبن کر کے کھا جاتے تھے، اور کچھ نواب کے خزانے میں اس کے گل چھرے اڑانے کے لئے داخل کر دیتے تھے اب اس نواب کے عہد میں یہ فرق ہو گیا کہ سارا ظلم کا روپیہ نواب کی جیب خاص میں داخل ہونے لگا اور کفایت اندیشی اور جبر رسی سے خزانہ خانگی میں تھیلیوں کے ڈھیر لگنے لگا، غرض تباہی ملک کی جو اور نوابوں کی مسرفی اور کاہلی اور عیاشی اور اوباشی سے شروع ہوئی وہ اس نواب کی کفایت شعاری اور جبر رسی سے اور برسر ترقی ہوئی ہے"۔

" نواب سعادت علی خان کی سخاوت کے بارے میں خود آزاد کا بیان ہے کہ"......

بعض دفعہ بمقتضائے طبیعت اصلی مکدر ہو جاتے تھے، خصوصاً جب کہ رخصت کے وقت خرچ مانگتے تھے، کیوں کہ وہ شاہ عالم نہ تھا سعادت علی خان تھا ؂

گر جان طلبی مضائقہ نیست ٭ زر می طلبی سخن درین است" ص ۲۹۴

سعادت علی خان اور جان بیلی

آزاد نے سعادت علی خان اور جان بیلی کی بے تکلف ملاقاتوں کا جو حال لکھا ہے وہ تاریخی طور پر نہایت مشتبہ بلکہ صاف طور پر جعلی ہے، جان بیلی اور سعادت علی خان کے تعلقات کے بارے میں تاریخوں میں جو مواد ملتا ہے اس کو میں نے تفصیل سے "تحقیقی نوادر" میں "انشا کے مربی" کے ذیل میں لکھا ہے، اس کے بعض اقتباس یہ ہیں :-

بیلی نے حکم دیا تھا کہ "نواب کے نوبت خانے میں نقارے پر چوٹ نہ پڑے کیوں کہ اس سے ہماری نیند اچٹتی ہے" ص ۵۴ - نواب کے سترہ سالہ دور حکومت میں چار رزیڈنٹ لکھنؤ آئے لیکن کسی سے نواب کی نہیں بنی اور آخری نو برس میں یعنے سنہ ۱۲۲۰ھ سے کرنل بیلی سے پالا پڑا تھا، یہ نواب کا سخت مخالف تھا یہاں تک کہ آخر آخر میں کہیں دوچار ہو جاتے تو ایک دوسرے کو سلام تک کر لینے میں عار تھا اور ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند ٭ کی امید پر نواب، لارڈ ماٹرا کے انتظار میں بیٹھے رہے، تاریخوں میں لکھا ہے کہ نواب نے بیلی کے ایک سو چودہ سنگین جرم لکھ رکھے تھے اور بیلی نے بھی ان کے ترکی بہ ترکی جواب تیار کئے تھے،

بیلی کے زمانے میں شہر لکھنؤ میں دو حکومتیں تھیں ایک کمپنی کی حکومت جس کا نائب بیلی تھا دوسری نواب کی حکومت، دونوں کے دربار الگ ہوتے تھے، جو امرا نواب سے ناراض ہو جاتے یا جن سے نواب ناراض ہو جاتے وہ بیلی کے دربار سے متعلق ہو جاتے اور نواب سے قطع تعلق کر لیتے، جیسے نواب قاسم علی خان، تجمل حسین خان فرزند علامہ خانہ زاد خان، مرزا جان متبنی نواب الماس علی خان بہادر، نواب سرفراز الدولہ بہادر وغیرہ، جن کا وظیفہ یا نوکری نواب موقوف کر دیتے یا چھین لیتے انھیں کمپنی کی حکومت سے بیلی وظیفہ یا نوکری دلا دیتا تھا، نواب سرفراز الدولہ کو جب نواب نے موقوف کر دیا تو نواب الماس علی خان بہادر انھیں روزانہ ہزار روپے خرچ کے لئے دیتے تھے،

امرا یا ان کے متعلقین کو نواب محاسبے میں گرفتار کرنا چاہتے تھے تو وہ کرنل بیلی کے ہاں پناہ گزین ہو کر کمپنی کی حفاظت میں بخیریت تمام ریاست سے نکل جاتے تھے، نواب کی بے بسی انتہا تھی، ان کے فرماں بردار صرف متوسط اور ادنی درجے کے لوگ تھے" تحقیقی نوادر ص ۵۶ ۔ ۵۵۔

ان تاریخی واقعات کی روشنی میں آزاد کا بیان پڑھیے :۔

"جان بیلی صاحب کہ اس عہد میں ریذیڈنٹ اودھ تھے اگرچہ سید انشا کا نام اور شہرۂ عام سنتے تھے مگر دیکھا نہ تھا، جب سید انشا نواب سعادت علی خان کے پاس ملازم ہوئے تو ایک دن صاحب کے آنے کی خبر ہوئی، نواب نے کہا انشا آج ہم تمہیں بھی صاحب سے ملائیں گے، عرض کی کہ حضور کی ہر طرح پرورش ہے مگر فدوی کے باب میں کچھ تقریب ملاقات کی ضرورت نہیں، غرض جس وقت صاحب ممدوح آئے، نواب اور وہ آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے، سید انشا نواب کے پیچھے کھڑے ہو کر رومال ہلاتے تھے، باتیں کرتے کرتے صاحب نے ان کی طرف دیکھا، انھوں نے ایک چہرے کی بی، انھوں نے آنکھیں نیچی کر لیں، مگر دل میں حیران ہوئے کہ اس آدمی کی کیسی صورت ہے، یہ خیال کرتے ہی پھر نظر پڑی، اب کی دفعہ انھوں نے ایسا چہرہ بدلا کہ اس سے بھی عجیب، وہ شرما کر اور طرف دیکھنے لگے، پھر جو دیکھا تو انھوں نے ایسا منہ بنایا کہ اس سے بھی الگ تھا، آخر نواب سے پوچھا کہ یہ صاحب آپکے پاس کب ملازمت میں آئے، میں نے آج ہی انھیں دیکھا ہے، نواب نے کہا کہ ہاں آپ نے نہیں دیکھا، سید انشاء اللہ خان یہی ہیں، جان بیلی صاحب بہت ہنسے اور ان سے ملاقات کی، پھر تو ان کی جادو بیانی نے ایسا تسخیر کیا کہ جب آتے پہلے پوچھتے کہ سید انشا کجاست الخ ص ۲۹۰۔

آزاد نے سنہ اٹھارہ سو ستاون کی جنگ آزادی (انگریزی اصطلاح میں غدر) کی ناکامی بھی دیکھی تھی اور اس جنگ کے بعد جان کی خیر منانے کا زمانے اور اپنے والد مولوی محمد باقر کو بغاوت کی تہمت میں گرفتار ہو کر گولی کا نشانہ بنتے بھی دیکھا تھا اور چھاتی پر پتھر دھر لیا تھا اور لامحالہ یہ زخم ان کے دل میں ہرا ہی رہا۔ اس لئے آزاد کا زمانہ انگریزوں کی مزاج شناسی کا تھا چنانچہ ان کا قول ہے کہ "ایشیا میں ایسے کمالوں کی رونق حکام کی توجہ سے ہوتی ہے شاعروں کو چاہیے کہ

اسے حاکموں کے کارآمد یا ان کی پسند کے قابل بنائیں، ایسا کریں گے تو شعر کہنے والوں کا کچھ فائدہ ہوگا اور جس قدر فائدہ زیادہ ہوگا اس قدر چرچا زیادہ ہوگا۔" آبِ حیات ص ۸۳۔

آزاد کا زمانہ کسی انگریز افسر کے سامنے پہلی ہی ملاقات میں تین تین دفعہ چہرے کی لینے، چیز بدلنے اور منہ بنانے کا نہیں تھا، ایسی چہلیں جان کی بازی ہار کر ہی کی جا سکتی تھی، ناممکن نہیں کہ لاہور میں محکمۂ تعلیمات کے ڈائرکٹروں اور افسروں کا لب و لہجہ سن کر اور ان کی تحقیقات دیکھ کر آزاد کو انشا اور ذوق کے منھ سے انگریزوں کا مذاق اُڑانے کا خیال آیا ہو چنانچہ :۔

"(ذوق) فرماتے تھے کہ ایک دن بادشاہ نے غزل کا مسودہ دیا اور فرمایا کہ اسے ابھی درست کر کے دے جانا۔ موسم برسات کا تھا، ابر آرہا تھا، دریا چڑھاؤ پر تھا، میں دیوان خاص میں جا کر اسی رخ پر ایک طرف بیٹھ گیا اور غزل لکھنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی، دیکھا تو پشت پر ایک صاحب دانائے فرنگ کھڑے ہیں، مجھ سے کہا آپ کیا لکھتا ہے، میں نے کہا غزل ہے، پوچھا آپ کون ہے، میں نے کہا کہ نظم میں حضور کی دعا گوئی کیا کرتا ہوں، فرمایا کس زبان میں، میں نے کہا اردو میں، پوچھا آپ کیا کیا زبان جانتا ہے، میں نے کہا فارسی عربی بھی جانتا ہوں، فرمایا ان زبانوں میں بھی کہتا ہے، میں نے کہا کوئی خاص خاص موقع ہو تو اس میں بھی کہنا پڑتا ہے، ورنہ اردو ہی میں کہتا ہوں کہ یہ میری اپنی زبان ہے، جو کچھ انسان اپنی زبان میں کر سکتا ہے، غیر کی زبان میں نہیں کر سکتا، پوچھا آپ انگریزی جانتا ہے، میں نے کہا نہیں، فرمایا کیوں نہیں پڑھا، میں نے کہا کہ ہمارا لب و لہجہ اس سے موافق نہیں وہ ہمیں آتی نہیں ہے، صاحب نے کہا وَل یہ کیا بات ہے، دیکھیے ہم آپ کا زبان بولتے ہیں، میں نے کہا پختہ سالی میں غیر زبان نہیں آسکتی، بہت مشکل معاملہ ہے۔ انھوں نے پھر کہا وَل ہم آپ کی تین زبان ہندستان میں آکر سیکھا، آپ ہمارا ایک زبان نہیں سیکھ سکتے یہ کیا بات ہے، اور تقریر کو طول دیا، میں نے کہا صاحب ہم زبان کا سیکھنا اسے کہتے ہیں کہ اس میں بات چیت ہر قسم کی، تحریر تقریر اس طرح کریں جس طرح خود اہل زبان کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں' ام آپ کا تین زبان سیکھ لیا' بھلا یہ کیا زبان ہے اور کیا سیکھنا ہے، اسے زبان کا سیکھنا اور بولنا نہیں کہتے اسے تو زبان کا خراب کرنا کہتے ہیں۔"

آبِ حیات ص ۴۹۴ - ۴۹۵

آزاد نے انشا کے جتنے بھی لطیفے لکھے ہیں وہ سب کے سب آزاد کے دل و دماغ کی تخلیقی صلاحیتوں کے نمونے ہیں، انھوں نے انشا کے حالات لکھنے کے لئے تذکروں روزنامچوں، تاریخوں اور معمر لوگوں کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ انشا کے دیوان میں ایسے شعر تلاش کئے جن کو بنیاد قرار دے کر ان پہ افسانے تراشے جا سکتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ " دیوان دیکھنے سے ان کے حالات و عادات کی تصویر سامنے کھچ جاتی ہے، جب کہ وہ مشاعرے میں آتے تھے یا دربار کو جاتے تھے، ایک طرف آداب معقولیت سے سلام کیا، ایک طرف مسکرا دیا، ایک طرف منھ چڑھا دیا، کبھی مقطع مرد معقول کبھی دلی کے بانکے، کبھی آدھی ڈاڑھی اڑا دی، کبھی چار ابرو کی صفائی بتادی۔

کلیات دیکھو تو یہی حالت اشعار کی ہے، اور اس میں شک نہیں کہ تفریح و تضحیک کے اعتبار سے کسی جلسے میں ان کا آنا بھانڈ کے آنے سے کم نہ تھا، پس مصحفی نے ان کی ہجویات کے ضمن میں کچھ جھوٹ نہیں کہا ع واللہ کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے ص ۲۸۲

" آزاد کی طبیعت کا عجیب خاصہ " اس عنوان کے تحت " داستان تاریخ اردو" میں پروفیسر حامد حسن قادری نے آزاد کی طبیعت کے جس خاص رنگ کو نمایاں کیا ہے، اگرچہ وہ میری نظر سے پوشیدہ نہیں تھا لیکن قادری صاحب کی رائے پڑھ کر مجھے یقین ہوا کہ میں اپنی رائے میں منفرد نہیں، لکھتے ہیں:۔

" علامہ آزاد مورخ بھی ہیں اور نقاد بھی اور مورخ و نقاد کا پہلا فرض صداقت، انصاف اور بے تعصبی ہے، لیکن آزاد کی یہ عجیب عادت ہے کہ اپنی رائے کی تائید میں یا اپنے مفروضات کو ثابت کرنے کے لئے یا اپنے پسندیدہ و ناپسندیدہ شخص کی مدح و ذم کی خاطر کبھی واقعات فرض کر لیتے ہیں، کبھی خلاف واقع نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ اس کام کے لئے اسلوب بیان بڑا

ہ ۱ ...... اسی وقت موچھوں پر تاؤ دیکر بولے، کون ہے آج سوا سید انشا کے جو کچھ کہے اسے عقل سے، آیت سے ثابت کر دے" ص ۲۹۴ " سعادت علی خان نے کہا کہ انشا جب کہتا ہے ایسی بات کہتا ہے کہ نہ دیکھی ہو نہ سنی ہو، یہ موچھوں پر تاؤ دیکر بولے کہ حضور کے اقبال سے یا قیامت تک ایسی ہی کہے جاؤں گا کہ نہ دیکھی ہو نہ سنی ہو" ص ۲۹۵ (باقی)

دلچسپ اور عجیب اختیار کرتے ہیں، گویا بے تعصبی کے ساتھ انصاف کرنے پر تلے ہوئے ہیں، لیکن لکھتے لکھتے کبھی درمیان میں کبھی اخیر میں چٹکی لے لیتے ہیں، آب حیات اور دربار اکبری میں اس کا زیادہ موقع تھا، وہیں یہ باتیں خوب نظر آتی ہیں" ص ۴۲۹

مصحفی نے انشا سے مناظرے اور مباحثے میں مات اور تاؤ کھا کر کہا تھا کہ

ع واللہ کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے۔ یہ مصرع مصحفی کی شکست خوردگی کا اعلان کرتا ہے، لیکن آزاد نے سچ مچ انشا کو بھانڈ اور نقال اور محفلوں میں ناچنے گانے اور مسخرے پن سے نقلیں کرنے والا بنا دیا، چوں کہ عالم بے عمل کو اس گدھے سے تشبیہ دی جاتی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں "کمثل الحمار یحمل اسفارا" کوئی شخص کسی عالم بے عمل کے متعلق یہ کہے کہ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اس کے دُم نکل آتی ہے اور ہاتھوں اور پاؤں کے پنجے کھر بن جاتے ہیں اور وہ رینکنے لگ جاتا ہے وغیرہ تو اس سے صرف اتنا ظاہر ہوگا کہ اس شخص کے تخیل کی افراط مشبہ کو عین مشبہ بہ دیکھ رہی ہے،

آزاد نے کلیات انشا کے جن اشعار اور مصرعوں سے اپنی افسانہ گوئی میں مدد لی ہے وہ حسب ذیل ہیں:—

(۱) پگڑی تو نہیں ہے یہ فرانسیس کی ٹوپی

(۲) نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی — نہ سم کی نہ تال کی نہ سُر کی
یہ تاریخ کہی ہے کسی لُر کی — جو یلی علی نقی خان بہادر کی

(۳) لگا چھپر کھٹ میں چار پھیئے اچھا تو نے جوڑے کے گجرا
تو موج دریائے چاندنی میں وہ ایسا چلتا تھا جیسے بجرا

(بقیہ نوٹ) آب حیات کے ان دو اقتباسوں میں موچھوں پر تاؤ دینے کا جو مذکور آیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات ان زمانوں کے ہیں جن میں انشا چار ابرو کی صفائی نہیں کرتے تھے، انشا کے معاصر شوق رامپوری صاحب تکملۃ الشعراء کا بیان بھی نظر میں ہونا چاہیے کہ "آزاد مشرب آزاد مذہب وارستہ، بطور آزاداں با صفائے چار ابرو می ماند" دستور الفصاحت خاتمہ ص ۱۰۴

(۴) اجناس کی فرد پر یہ اجنا کیسا ‏ یاں ابر لغات کا گرجنا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو چیز اُگے ‏ لیکن یہ نئی ایج اُلجھنا کیسا، اسی ساتھ کی تین اور رباعیاں

(۵) ایک ملکی کھڑا دروازے پہ کہتا تھا رات ‏ آپ تو بھیتر رہے جاپاڑہ رہے باہر رہے ہیں

(۶) میں ترے صدقے نہ رکھ اے مری پیاری روزہ ‏ بندی رکھ لے گی ترے بدلے ہزاری روزہ

(۷) دولت بنی ہے اور سعادت علی بنا ‏ یارب بنا بنی میں ہمیشہ بنی رہے

(۸) رات وہ بولے مجھ سے ہنس کر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں ‏ میں ہوں ہنسوڑا در تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

آزاد کی تخلیقی تخیل کی داد دینی ہو تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ اشعار میں سے کوئی ایک شعر لے کر بطور خود اس پر کوئی افسانہ تراشنے کی کوشش کی جائے، پھر اس کا آزاد کے افسانے سے مقابلہ کیا جائے، لامحالہ آزاد کا فسانہ دلچسپی میں سبقت لے جائیگا۔ رسالہ "پریم" لاہور بابت جون سنہ ۵۴ء میں مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی رامپوری کا ایک مضمون "انشا کا روزنامہ" کے عنوان سے شایع ہوا ہے" . . . . . یہ روزنامچہ ترکی زبان میں ہے اور پنجشنبہ ۱۸ ربیع جمادی الاول ۱۲۲۳ھ سے شروع ہو کر جمعہ ۲۵ ربیع جمادی الآخرہ سال مذکور پر ختم ہو جاتا ہے . . . . . ترکی کے اندر بھی بہت سے لفظ عربی و فارسی کے راہ پا گئے ہیں وہی مجھ ہندی کی کچھ کچھ رہنمائی کرتے ہیں، ان کے علاوہ جگہ جگہ انشا نے اردو کے مکالمے اور اپنے یا مخاطب کی زبان کے لفظ جوں کے توں نقل کر دیے ہیں، ان سے بھی کسی قدر مدد ملتی ہے . . . روزنامچے کا خلاصہ حسب ذیل ہے" اس خلاصے کا ایک لطیفہ یہ ہے:-

"یکشنبہ ۵ جمادی الآخرہ۔ نواب سعادت علی خان کے حضور میں ایک مصور کتاب پیش ہوئی، اس کی کسی تصویر میں مصور نے صاحب تصویر کے سر پر بے ڈھنگی سی پگڑی بنائی تھی، اسے دیکھ کر آفریں علی خان بے اختیار بول اٹھے "یہ تو پگڑی نہیں فرانسیس کی ٹوپی ہے"۔

انشا اردو میں لکھتے ہیں" میں نے آہستہ آہستہ یہ پڑھا، مصرع:-

پگڑی تو نہیں ہے یہ فرانسیس کی ٹوپی، حضور نے سن لیا اور فرمایا صاحب چلا کر کیوں نہیں پڑھتے دیکھو میاں آفریں علی خان تم پر یہ مصرع ہوا ہے، انھوں نے کہا، پیر و مرشد کیسا مصرع

فرمایا، ہم کیا جانیں، انھوں نے کہا ہے مصرع "پگڑی تو نہیں ہے یہ فراسیس کی ٹوپی" میں نے کہا یہ عجیب زمین نکلی، حضور کی زبان سے ارشاد ہوا ہے، غلام کو ان سے کیوں پھنساتے ہیں، اکثر اتفاق ہوتا ہے کہ کہنے والے کا قصد نہیں اور بات موزوں ہو جاتی ہے،

اس کے بعد نثر کی عبارت ہے جس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اس زمین میں غزل کہنے کی فرمائش کی، جس پر میں نے یہ شعر موزوں کئے، اس کے بعد وہی غزل درج ہے، جو کلیات انشا (ص ۹۵) میں چھپ چکی ہے، مگر روزنامچے میں ایک تو یہ شعر زیادہ ہے ؎

مت بھول کلاہ چتری اپنے یہ ہیں تو　　　چٹ کر گیا ایسے کوئی چھتیس کی ٹوپی

دوسرے مطبوعہ غزل میں ایک شعر اس طرح ہے ؎

سو چکٹی ہوئی ہے یہ منغض کہ جہاں میں　　　ایسی تو نہ ہوگی کسی سائیس کی ٹوپی

روزنامچے میں پہلا مصرع یوں لکھا ہے ؎ سو چکٹی ہوئی یہ مُتعَفّن کہ جہاں میں

میری رائے میں میلی کچیلی اور تیل میں چکٹی ہوئی ٹوپی کو منغض کہنے کے کوئی معنے نہیں، صحیح لفظ متعفن ہی ہے، چنانچہ کلیات انشا کے اس قلمی نسخے میں بھی جو ۱۲۴۱ء کا مکتوبہ ہے روزنامچے ہی کے مطابق مصرع نقل ہوا ہے۔ روزنامچے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل کس زمانے میں اور کیوں لکھی گئی، مولانا آزاد دہلوی نے اس غزل کے متعلق یہ لکھا ہے:-

"اکثر غزلیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عالم میں سعادت علی خان کی زبان سے ایک مصرع نکل گیا، اس کی غزل کا پورا کرنا ان کا کام تھا، ایک دفعہ سعادت علی خان نے کہا کہ "پگڑی تو نہیں ہے یہ فراسیس کی ٹوپی" تمام غزل دیکھو ان کی غزلوں میں" ص ۲۸۶

روزنامچے سے اس کے برخلاف یہ پتا چلتا ہے کہ خود انشا نے یہ مصرع برجستہ کہا تھا اور وہ بھی آفرین علی خان کے ایک اردو جملے کو معمولی سے تغیر کے ساتھ موزوں کر کے، چوں کہ کلیات میں خود انشا نے عنوان غزل میں لکھ دیا ہے کہ "مصرع اول گفتۂ حضور است" اسی پر اعتماد کر کے آزاد نے آب حیات میں مذکورہ بالا بیان دے دیا"

حاصل یہ کہ آزاد نے انشا کو جس عینک سے دیکھا ہے اس کا ایک شیشہ ہے۔

ع داللہ کے شاعر نہیں تو بھانڈ ہے بھڑوے۔ اور دوسرا شیشہ ہے۔ "ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعرانہ گفتہ۔ اگرچہ آزاد کی طبعی سنجیدگی اور مسلم علمیت کو ان دونوں اقوال سے دکھ پہنچتا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ "نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ" کا گلشن بیخار" جب دیکھتا ہوں تو خار نہیں کٹار کا زخم دل پر لگتا ہے، سید موصوف کے حال میں لکھتے ہیں "ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعرانہ گفتہ" (ص ۲۸۵) لیکن میں تفصیل سے لکھ چکی ہوں کہ آزاد کن اسباب کی بنا پر مصحفی اور شیفتہ کے مذکور بیانات کی تردید نہ کر سکے۔

قتیل کے خلوص میں اشتباہ

دریائے لطافت میں انشا اور قتیل نے ایک دوسرے کے متعلق جو تعریفی اور توصیفی لفظ استعمال کیے ہیں وہ "لطائف السعادت کی وجہ تالیف" کے ذیل میں لکھے جا چکے ہیں لیکن بعض ایسے خارجی شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر شبہہ ہوتا ہے کہ قتیل نے جو انشا کی تعریف و توصیف کی ہے اس میں خلوص نہیں ہے، ذیل میں رقعات قتیل کے چند ایسے اقتباس دئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انشا قتیل کو اپنا نہایت مخلص دوست سمجھتے تھے، انھیں اپنے یہاں اکثر و بیشتر مہمان رکھتے تھے اور ہر تقریب میں شریک کر لیتے تھے، گویا انشا کا گھر قتیل کا اپنا گھر تھا، مثلاً :-

جلد اول، رقعات قتیل قلمی، کتب خانہ حبیب گنج۔

رقعہ ۲۷۔ "راقم بروز شنبہ کہ سیزدہم بود بخانۂ میر انشاء اللہ خان آمدہ بودم دو شبانہ روز آنجا بسر کردہ امروز بحضور مرشد زادہ رسیدم۔ ...... تقریب رفتن من بخانۂ خان صاحب موصوف این بود کہ دختر کوچک شان پسر زائیدہ بود، روز سہ شنبہ ہنگامۂ چھٹی بود، ڈومنی ہا در زنانہ خواندہ بودند، اتفاق نشد کہ من بروم بروز پنجشنبہ کہ من رفتم نباے مجلس بیرون گذشتہ بودند......"

جلد دوم۔ رقعات قتیل قلمی۔

رقعہ ۴۔ "روز جمعہ کہ برات رخصت شد مخلص و برخوردار میر محمد تقی نزد انشاء اللہ خان صاحب

رفتیم دو شبانہ روز مصدع اوقات شریف ایشاں بودیم"

رقعہ ۱۷۔ "ملاذا امروز از خدمت خان صاحب یعنی میر انشاء اللہ خان صاحب مرخص شدہ در حضور اقدس آمدہ ام"۔

رقعہ ۷۵۔ "کرمفرما سلامت، ہمیں وقت مندو اسباب ش بر سر کہار یا مزدور ہمراہ رفتم نزد مخلص باید فرستاد، دیگر آں کہ برائے خانصاحب وقبلہ انشاء اللہ خان صاحب چنیں تقاضا فرمودہ کہ صیغہ پیش از شب عروسی خواندہ شود، زیادہ از چار کس در مجلس نباشند یعنی مخلص وجناب آغا صاحب ومیر غلام علی خاں صاحب لہٰذا گزارش دادہ می آید کہ فردا وقت عصر بسواری ٹانگن یا میانہ این جا تشریف باید آورد لیکن سواری از خانۂ خود بگیرند، مادہ فیل سرکار از دو روز گشت است سہ گھڑی شب رفتہ فردا صیغہ خواندہ خواہد شد امروز با آدمی ہمراہ رفتم باید کرد، اگر حکم شود رفتم فردا حاضر شود، دیگر آں کہ خان صاحب را در مجلس رسم تحصیل زر بعد شربت خورایندن از جانب داماد خوش نمی آید، برائے ہمیں چار کس قرار دادہ اند، لیکن ملازمان فکر یک روپیہ ہم امروز نکنند، فردا ہمراہ باید آورد کہ بعد شربت خوردن بکار آید، زیادہ خیریت"

معدن الفوائد معروف بہ رقعات مرزا قتیل:۔

رقعہ ۱۵۔ "فردا من وقاضی صاحب وامیر صاحب تا حویلی نو کہ چھاونی تعمیر شود خواہیم رفت، تا شام آنجا می مانیم این صاحبان بہ خانہ مراجعت خواہند کرد۔ من بخانۂ میر انشاء اللہ خان بسر خواہم کرد"

رقعہ ۳۵۔ "امروز خانۂ میر انشاء اللہ خان صاحب میروم فردا آں جا خواہم بود"

لیکن رقعہ ۱۳۶ کے پیش نظر قتیل کا خلوص مشتبہ ہو جاتا ہے:۔

رقعہ ۱۳۶۔ دیروز کہ سیزدہم جمادی الاولی روز چہار شنبہ سنہ ۱۲۲۶ھ بود ..... خان سر بور کا احوال یہ ہے کہ وہ دو مہینوں سے "برطرف" ہو گئے ہیں، اور سبحان قلی بیگ راغب نے جو چالیس برس سے ان کا دوست ہے انھیں سارے شہر میں "رسوا" کیا ہے یعنے چند ہجویں ان کی کہی ہیں اور جا بجا انھیں نقل کرلیا گیا ہے، اور اس نے اس کے سوا دوسرا کام یہ کیا کہ شہر کے بعضے عزیزوں کی ہجویں کہہ کر خان موصوف کے پاس بھیجیں، اس "عزیز" نے ان ہجوؤں کو بے تامل طرف ثانی کے نزدیک اس خیال سے بھیج دیا کہ

کہنے والے کو زود کوب کریں (کہ گوبندہ را شلاق بکنند) وہ جب اس بات سے آگاہ ہوئے، تو سبحان قلی بیگ کو بلا کر پوچھا کہ اے عزیز تو نے اپنے آپ کو کیا سمجھا تھا جو یہ رویہ اختیار کیا، اب تیرے ساتھ کیا سلوک کریں سبحان قلی بیگ نے کہا کہ مجھ میں اور صاحب میں کون سا دنیاوی معاملہ ہے جس کی وجہ سے ہجو کروں، اس قدر کہہ کر قرآن سر پر رکھا کہ اگر میں نے ایک مصرع بھی صاحب کی ہجو میں کہا ہے تو قرآن مجید میری کمر توڑ دے (قرآن مجید کمر مرا بزند) چوں کہ ان دنوں میں نے انشاء اللہ خان کی ہجو کی ہے اور وہ میرا بال بیکا نہیں کر سکتا (چوں من ایں روزہا ہجو انشاء اللہ خان کردہ ام و او نمی تواند کہ یشم مرا بکند) اس لئے بزدلی سے یہ طریقہ نکالا ہے کہ اپنے عزیزوں کی ہجو کہہ کر میرا تخلص داخل کیا ہے تاکہ بزرگ اور بزرگ زادے میرے درپئے آزار ہو جائیں، چوں کہ خان موصوف نے بعض گوشہ نشین بے گناہوں اور دوسرے بزرگوں اور اشرافوں کی ہجو کی تھی سب کو راغب کی باتوں پر یقین آگیا کہ یہ ہجویں "خان مزبور" نے کہی ہیں، اور اچانک اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ خان موصوف کے سر پر بلائے عظیم نازل کریں، یہ "مرد" اس خبر سے سٹ پٹایا (ایں مرد ازیں خبر دست و پاچہ شدہ) اپنے بیٹے اور دوسرے آشناؤں کو ان عزیزوں کے پاس بھیج کر بہت عاجزی اور زاری سے پیش آیا اور ایمان اور آبرو کی قسمیں کھا کر اس بلا سے محفوظ رہا (بایمان موکدہ واسلاف عرضیہ ازیں بلیہ محفوظ ماند) اگر آصف الدولہ کا دور ہوتا تو ڈنڈے لگائے جاتے (اگر دور آصف الدولہ می بود کیسما (کذا) کتک زدہ بودند) جناب عالی دام اقبالہ کے خوف سے کسی کی مجال نہیں کہ کسی کے گھر کو آدمی بھیج کر اس کو بے عزت کریں۔"

قتیل نے اس نجی خط میں اس امر کی گواہی دی ہے کہ "خان موصوف ہجو بعضے بیگناہان گوشہ نشین و دیگر اجلہ واہالی کردہ بود" یہ انشا پر سخت ترین الزام ہے، لیکن کسی معاصر تذکرے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، راغب نے انشا کی برطرفی کی مجبوری یعنے سعادت علی خان کے انشا پر عتاب سے فائدہ اٹھا کر انہیں کے عزیزوں کو ان کے خلاف بھڑکایا تھا، حالانکہ انشا اور راغب چالیس برس کے دوست تھے۔

اور اگرچہ قتیل نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن میر قدرت اللہ خان قاسم کے تذکرہ مجموعۂ نغز سے انکشاف

۱ہ "ہولا جولی بکر: یعنی دست و پاچہ مشو، اے گھبراؤ نہیں۔" محاورات بیگمات از انیاز علی عرشی صاحب ادب اردو، جولائی تا دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء۔

ہوتا ہے کہ راغب انشا کا شاگرد تھا[1]، اور تاریخ شعر و ادب میں ایسے باغی شاگردوں کی کمی نہیں۔

کیا انشا بے گاہ گوشہ نشینوں اور بزرگوں اور اشرافوں کی ہجو کرتے تھے۔

یہ سچ ہے کہ "انشا اور انکے دوستوں" حکمت علی خان برکت اللہ مشتاق علی خان مشتاق" اور "مرزا عظیم بیگ اور ان کے دوستوں حکیم ثناء اللہ خان فراق اور میر قدرت اللہ قاسم کی جماعتوں نے ایک دوسرے کی ہجویں کہی تھیں، اور یہ بھی سچ ہے کہ فایق نے انشاء اللہ کی ہجو کہی تھی، ع فایق بے حیا چو ہجوم گفت۔ الخ، اور مرزا بکیس کی ایک رباعی جس میں "انشاء اللہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ عیار الشعراء اور مجموعۂ نغز میں ملتی ہے، عیار الشعراء کی عبارت یہ ہے "مرزا محمد بکیس، بزرگانش از سرزمین ایران وخود در بلدۂ عظیم آباد سکونت پذیراست دارد، شاعر مقرری فارسی است، و دراں مشق بلیغ بکار برده دیوانے مکمل ترتیب نموده این دو ابیاتش که در ہجو انشاء اللہ خان انشا خلف حکیم ماشاء اللہ خان گفته بسبب مجبوری که حتی المقدور از ہجو نویسی بالکل دست کش ہستم و دیگرے از تصنیف اشعار ہندوی ایں دست نداوی ہمیں رباعی مرقوم کلک نیاز سلک گردانید،

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ ؎ سب کہتے ہیں ایک ہوں گے انشاء اللہ
باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ ؎ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

---

[1] مجموعۂ نغز ص ۲۶۶ "راغب تخلص جوانے است نہور التیام مرزا سبحان قلی بیگ وے مرد سپاہی پیشہ بہ اندیشہ است، ہمیشہ بخوبی معاش بسری برد و بہر دو زبان سخن موزوں می کند، در فارسی نسبت شاگردی بشاعرے از شعرائے ایران زمین دارد و ریختہ خود از نظر میر انشاء اللہ خان انشا میگذراند اگرچہ مسقط الراس خاک پاک ہندوستان است، اما موطن آباو اجدادش سرزمین ایران بہرحال ایں دو بیت از دے بخاطر ماندہ ؎

رشک چمن جو گیا آج ہمارے پاس سے ؎ اپنے یہاں بر رنگ گل اڑ گئے کچھ حواس سے
موہنہ ڈوپٹے میں چھپایا اوس نے ؎ دل کو پردے میں لبھایا اوس نے

(رباعی)

یہ عبارت میں نے جوں کی توں عیار الشعراء کے قلمی نسخے سے جو انجمن ترقی اردو علی گڑھ کی ملک ہے نقل کی ہے، اس میں جو لفظ کٹے ہوئے ہیں انھیں خود مصنف نے کاٹا ہے، یعنے مصنف کو یقین نہیں ہے کہ یہ رباعی انشا کی ہجو میں کہی گئی ہے، لیکن "کلام انشا" مرتبہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے مرتبین مرزا محمد عسکری اور محمد رفیع فاضل دیوبند نے کسی حوالے کے بغیر لکھا ہے کہ "ان (بیکس) سے اور انشا سے نہ معلوم کب اور کس بات پر چل گئی تھی وہ قصہ تو معلوم نہیں، مگر بیکس نے جو اُن کی ہجو میں ایک رباعی کہی تھی، وہ اب تک تذکروں میں موجود ہے، تعجب اور افسوس ہے کہ انشا کی طرف سے جو چھیڑ چھاڑ ہوئی ہوگی اس کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ہے، رباعی ......" مقدمہ ص ۔ ح

ان مرتبین کا مفروضہ یہ ہے کہ جب کسی نے انشا کی ہجو کی تھی، اس کو انشا ہی نے چھیڑ کر ہجو گوئی پر آمادہ کیا تھا اور اس مفروضے کا مذکور کسی تذکرے میں نہ ہونے پر انھیں تعجب اور افسوس ہے!

"مجموعۂ نغز میں ہے "بیکس ۔ مرزا محمد عظیم آبادی کہ نیا گانش از ایران زمین بودند شعر فارسی بسیار می گوید، و در زمین ریختہ ہم گاہے رخش ہمت می پوید، ایں رباعی در ہجو بزرگے گفتہ واللہ اعلم کہ چرا ازاں رنجہ گشتہ، رباعی، ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ، سب کہتے ہیں زیادہ ہونگے انشاء اللہ الخ ص ۔ ۱۲۹ ۔"

ظاہر ہے کہ مرتبین کلام انشا کا یہ جملہ کہ "نہ معلوم کب اور کس بات پر چل گئی تھی وہ قصہ تو معلوم نہیں،" "واللہ اعلم چرا ازاں رنجہ گشتہ" کا ترجمہ ہے، پھر بھی لفظ "بزرگے" کو انشا سے مطابق کئے بغیر گویا انشا کی سوانح عمری لکھنے کا حق ادا نہیں ہوتا تھا،

عظیم بیگ سے اختلاف کی وجہ خود قاسم نے انشا کی زبان سے یوں بیان کی ہے کہ "میری ان بے روپشیوں کی ذمے دار صرف مرزا کی بے پرواہیاں ہیں کہ ہمارے اشعار سر تک نہیں ہلاتا

(بقیہ نوٹ)

۵ مرزا محمد باقر منیر (عقد ثریا ے مصحفی ص ۳۰)

"قرینہ یہ ہے کہ انھوں (راغب) نے انشا اور رنگین دونوں سے اصلاح لی ہے" (قاضی عبدالودود صاحب، نوائے ادب، جنوری ۱۹۵۱ ص ۳۱)

اور اپنے آپ کو سب سے اونچا سمجھتا ہے"۔ (ماجرائے کہ بمشاعرۂ مرزا میڈ ڈ حضرت دہلی رو داد، مجموعۂ نغز ص ۸۱ - ۸۲)

نایق نے لفظ بد کو جمہور کے خلاف مشدد باندھا تھا، انشا نے اس پر بجا طور پر اعتراض کیا، اس پر نایق نے ہٹ دھرمی سے انشا کی ہجو کی، اور مصحفی کے متعلق کلیہ یہ ہے کہ "مصحفی کو جہاں بھی زک ہوئی ہے اور جب بھی انھوں نے خفتیں اٹھائی ہیں تو پہل انھیں کی طرف سے ہوئی ہے" تحقیقی نوادر ص ۲۰۔

قاضی عبدالودود صاحب "مصحفی اور انشا" مطبوعہ اردو ادب بابت جنوری و اپریل سنہ ۱۹۵۱ء میں لکھتے ہیں:-

"وہ تذکرہ نگار جو مصحفی سے ان کے قیام دہلی کے زمانے میں واقف تھے ان کی مسکین نہادی، مرتبہ شناسی کی تعریف کرتے ہیں، لیکن ان کی طبیعت کا اصلی رنگ اس وقت ظاہر ہوا جب یہ لکھنؤ آئے اور گرم و منتظر، تنہا، پروانہ وغیرہ ان کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے (ص ۳۰۰ھ) قصیدہ ۲۸ میں جو مصحفی نے اپنی نسبت کہا ہے کہ "بشر ہوں میں بھی شریر" ان کی تصانیف کے بالاستیعاب مطالعے اور ان کے حالات پر غور کرنے سے کچھ غلط نہیں معلوم ہوتا (ص ۳۱ھ) میں ناصر (سعادت خاں ناصر مصنف "خوش معرکۂ زیبا" آغاز سنہ ۱۲۶۱ھ اتمام سنہ ۱۲۶۳ھ) کی طرح معارضے کے تین دور قرار دیتا ہوں، پہلے دور کی ابتدا مصحفی کی "گردن" والی غزل سے ہوئی۔ انشا نے اس پر خود غزل لکھی، مصحفی کی غزل پر اعتراضات کئے اور بعض اشعار میں ان کی تضحیک کی، لیکن یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس دور کا جو کچھ کلام ہم تک پہنچا ہے اس میں ایک مصرعہ بھی فحش نہیں، جھگڑے میں تلامذۂ مصحفی بھی شریک ہیں اور استاد کی طرف سے انشا کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں، خود انشا کے اشعار میں غلطیاں نکالتے ہیں، مصحفی کا اپنے شاگردوں کو اس کی اجازت دینا کچھ مناسب حرکت نہ تھی، جو کچھ کہنا تھا خود کہتے، سلیمان شاگرد انشا نے اگر مصحفی پر کچھ اعتراض کئے تو ان کی بات اور ہے وہ مصحفی اور انشا دونوں کے آقا تھے اور بادشاہ وقت کے بیٹے (ص ۳۲ھ)"

انشا اور مصحفی کے معرکوں کے بارے میں ناصر کے بیان پر اعتماد کرنے سے پہلے دو امر نظر میں

ہیں ضرور ہونے چاہئیں، ایک یہ کہ ناصران معرکوں کا حال ان کے وقوع کے پورے پچاس سال بعد
لکھ رہا ہے۔ دوسرا تذکرۂ ناصر کی تصنیف کا زمانہ انشا کی وفات کے تیئس۳ سال اور مصحفی کی وفات
کے بیس۲۰ بائیس۲۲ سال بعد کا ہے اور ظاہر ہے کہ اس عرصے میں واقعات کس قدر مسخ ہو سکتے ہیں،

مولوی حیدر علی سندیلوی سے ملاقات

جناب مولوی حیدر علی صاحب کی بہت تعریف سن کر جو معقولیوں
کے جید عالم ہیں مجھے ان کی ملاقات کا اشتیاق تھا۔۔۔۔۔۔۔ حسن اتفاق سے مولوی صاحب
موصوف کسی ضرورت سے لکھنؤ تشریف لے آئے۔۔۔۔۔۔ راقم یہ مژدہ سنتے ہی جلد سوار ہو کر
آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔۔۔۔۔۔ اپنا غیر منقوط قصیدہ جس کا نام "طور الکلام" ہے سنایا،
جناب معظم نے اسے سن کر اس ہیچ مداں کی بے حد تعریف کی۔۔۔۔۔۔ میں نے عرض کیا کہ سنا ہے کہ
جناب عربی، فارسی اور ہندی تین زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ ارشاد کیا کہ میر انشا اللہ
خاں درست فرماتے ہیں کہ میں ان تینوں زبانوں میں کچھ کہہ لیتا ہوں، لیکن چوں کہ انسان اپنی
زبان پر اور زبانوں سے زیادہ قدرت رکھتا ہے اور جو بھروسا اپنے ملک کے لہجے پر ہوتا ہے
وہ غیر ملک کی زبان پر نہیں ہوتا، اس وجہ سے التماس ہے کہ جن پر مجھے اطمینان ہے وہ ہندی شعر
ہیں، میں نے کہا اس سے اچھا کیا ہے، کچھ فرمائیں آپ نے کمال مہربانی سے وہ قصیدہ جو ان
دنوں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں موزوں فرمایا تھا سنایا، اس کا صلہ ان کو
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عطا فرمائے گا۔۔۔۔۔۔ تفریح طبع کے لئے اس کا ہر مصرع زعفران
کا ایک قطعہ تھا، جی میں آیا کہ اس کو خمسہ کردوں تاکہ دنیا میں یادگار رہے۔۔۔۔۔۔
۔۔۔ یہاں فن ایراد (تنقید) کے طالبوں کے فائدے کی غرض سے اس قصیدے کی دو بیتیں
نقل کرتا ہوں،

رسول حق کا محمد نبی خیر انام ✤ اے فخر کون و مکان تجھ اوپر درود و سلام
ہے امر ہم کو بھی صلوا و سلموا التسلیم ✤ ہے امتثال امر کا واجب اے مومناں مدام

کچھ دنوں بعد الماس علی خان بہادر کے ساتھ سندیلہ جانے کا اتفاق ہوا، پھر مولوی صاحب

موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ مخمس سنایا، آپ کی نازک پسند طبیعت نے بہت پسند کیا، اور اسی وقت اس کی نقل لے لی، یہ سمع خراشی اس غرض سے کی گئی کہ بعضے عقل کے دشمن اس وہم میں گرفتار ہیں کہ فاضل آدمی شعر کو اپنی علمیت کے پائے سے پست جان کر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ورنہ تھوڑی سی توجہ سے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں (اس جملے میں ان لوگوں کا بھی جواب ہے جن کا سخن تکیہ ہے کہ "انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا" مولفہ) یقیناً ان کا کلام شعرا کے کلام سے بہتر ہوگا۔ اور چند بے ربط شعر جیسے کہ قصیدۂ مذکور کے ہیں ان بزرگوں کی زبان سے سن کر ان کو معانی کا سمندر اور نوادر کا خزانہ خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ شاعری روح القدس سے نسبت کے بغیر ناممکن ہے، مرزا رفیع اُمّی ہوگا تو بھی شعر اس فصاحت اور بلاغت سے کہیگا اور قصیدۂ مذکور کا مصنف اس علم و فضل کے باوجود ناسمجھی سے قدم اٹھائے یہ عبرت کا مقام ہے اور سب سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کے طالب علموں کے اعتقاد میں آپ میرزا ہیں، آپ نے فارسی لہجہ اصل ایران سے سیکھا اور زبان اردو بھی شاہ جہاں آباد میں سیکھی" (ص ۸۱ - ۸۰، ترجمہ کیفی)

سندیلوی کو اپنے ملک کی زبان ہندی اور اس کے لہجے پر اطمینان تھا، ان کے معتقد اور شاگرد ان کی زبان کو ٹکسالی سمجھ کر سیکھتے تھے اگر دریائے لطافت میں اردو کے لغت اور محاورے اور مصطلحات اور علم صرف و نحو کے مصنف انشا، سندیلوی کی غلطیوں سے چشم پوشی کر لیتے تو اردو کے بہت بڑے غدار ٹھہرتے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کو اس کا بہت رنج و غم ہے کہ "غیر مصحفی تو رہے ایک طرف یہ ایک بیچارے عالم کی جان کو آگئے اور اسی نمونے کا ہاتھ مارا جو دہلی میں میر سجاد اور مرزا جان طپش پر مار چکے تھے، یہ واقعہ خود ان کی زبانی سنئے فرماتے ہیں "میں نے مولوی حیدر علی سندیلوی کی تعریف سنی تھی الخ"

مرزا فرحت نے اسی قدر واقعے کا ذکر کیا ہے جو قصیدے کی دو بیتوں پر ختم ہوتا ہے اور سندیلوی کے قصیدے پر ایراد کی غرض جو انشا نے بیان کی ہے حذف کر دی ہے یعنی "یہ سمع خراشی اس غرض سے کی گئی کہ الخ" "سیاہ کردن کاغذ بہ نقل مذکور ازیں جہت است کہ بعضے خرد دشمناں الخ" ص ۷۴ اورنگ آبادی نسخہ۔

اردو دانی کے ہر مدعی کو اس کا صحیح مقام سمجھانے کے لئے انشا کا یہ اقدام ناگزیر تھا، علاوہ اس عبرت انگیز واقعے کو انشا نے ایک ایسی کتاب میں جوان کی حسن نیت کے مطابق اردو کے خزانے میں "دولت ابدمدت ہے اور" ہر آئینہ خالی از ضیافت طبع معاصرن و طالبانے کہ بعد از ین بوجود آیند نباشد" محفوظ کر دیا، اس واقعے پر مرزا فرحت کا غم وغصہ بے جا ہے، مرزا فرحت کی تصنیف "انشا کا شروع سے آخر تک یہی انداز ہے انکی ذات نسبت ہیں انشا کی زندگی" اپنی ابتدا کے لحاظ سے اس زمانے کے شعرا کے لئے ایک مصیبت اور انتہا کے لحاظ سے دنیا والوں کے لئے عبرت تھی، انشا نے ہر مقابلہ کرنے والے کو پیس ڈالا اور بالآخر خود زمانے کی چکی میں بری طرح پس گئے" ص ۳

انشا کی شاعرانہ زندگی اپنی ابتدا کے لحاظ سے کن شاعروں کے حق میں مصیبت تھی اور انتہا کے لحاظ سے دنیا والوں کے لئے کیوں عبرت ہے ان امور کا قطعی اور مصنفانہ فیصلہ کرنے کے لئے خود انشا اور ان کے معاصر کافی تحریری ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں، اگر انشا نے ہر مقابلہ کرنے والے کو پیس ڈالا تھا تو یہ ان کی اعلی قابلیتوں اور انھیں منوانے کی اعلی صلاحیتوں کی دلیل ہے، لیکن ڈیڑھ صدی پہلے زمانہ انشا کو بری طرح پیسنے میں کامیاب ہوا یا نہیں اس کا علم تاریخ زبان وادب اردو کے ہر طالب علم کو ہے۔ لیکن کم از کم سنہ ۱۹۴۳ء میں جو مذکور تالیف کی اشاعت کا سال ہے انشا کو بری طرح پیس ڈالنے کی ایک اور کوشش کی گئی ہے۔

جن سوانح نگاروں نے انشا کو ٹھول مسخرہ پھکڑ باز مشہور کر رکھا ہے، ان کی نظر انشا کی صرف ہجووں اور فحش اشعار پر ہے اور انھیں کو وہ انشا کی ساری عمر کی کمائی سمجھتے ہیں، وہ انشا کو دریائے لطافت کے مصنف کی حیثیت سے اور ان کے کلیات میں سنجیدہ کلام کو نہ دیکھ سکے، اس کے اہم وجوہ میں اپنے مضمون "ترمیم کی ابتدا میں جو" اردو ادب" بابت اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا ہے لکھ چکی ہوں،

ایک اور اہم حقیقت کو انشا کے بعض سوانح نگار اس سے واقف ہونے کے باوجود ایسا نظر انداز کر جاتے ہیں گویا وہ اس سے واقف ہی نہیں اور بعض کو سرے سے اس حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے انشا کو الزام دینے میں دریغ نہیں ہوتا، یعنے دریائے لطافت میں دروانہ سوم

حادی ذکر بعضے فصیحان" میں انشا نہایت تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ معاصرین کی زبان دانی پر اعتراض کرنے میں ان کی غرض دغایت کیا ہے، سندیلوی پر اسی "دریائے لطافت کا دانۂ سوم" میں تنقید ہوئی ہے، اور انشا نے اس کی جو وجہ بیان کی ہے وہ اوپر لکھی جا چکی ہے، میری نظر میں اردو ادب میں انشا سے پہلے کا کوئی ایسا ناقد نہیں ہے. جس نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ اس کو دوسروں کے کلام پر تنقید کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس تنقید کا تعلق صرف ناقد اور اس شاعر سے ہے جس پر تنقید ہوئی ہے یا اس کا تعلق سماج یعنے اردو دانوں سے ہے، میر ہوں یا میر سوز، سودا ہوں یا درد، یا ان کے بھائی اثر اگر اپنی مقبولیت سے بے جا فائدہ اٹھاکر زبان میں من مانے تصرف کرنے لگ جائیں تو انشا پر اور ہر اس شخص پر جس کو اللہ نے ان تصرفات کو پرکھنے کی استطاعت دی ہے لازم ہو جاتا ہے کہ انھیں ٹوکے سندیلوی نے اس مصرع ہے امتثال امر کا واجب اے مومنان مدام کی بحر مجتث مثمن مخبون مقصور میں "امتثال امر" کے لفظ کو لیا کھپایا ہے. جیسے کوئی مور کو طوطے کے پنجرے میں بند کرنے کی کوشش کرے، اور انشا نے اس کوشش کا مذاق اڑایا ہے، قاضی عبدالودود صاحب اپنے مضمون "مصحفی اور سودا" میں لکھتے ہیں:— (اردو ادب، اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء ص ۱۶۰)

"مصحفی تذکرۂ ہندی میں سودا کو غزل میں صائب اور قصیدے میں خاقانی کہہ چکے ہیں، لیکن اس قصیدے کی بیت ثالث میں یہ کہتے ہیں کہ اسے مضمون آفرینی سے بالکل سروکار نہیں

مضمون و معانی سے نہیں بہرہ کچھ اس کو ؎ سچ پوچھو تو اردو کی فقط صاف زبان ہے

اور چوتھے شعر میں اس کی شاعری کے ایک مفروضہ نقص کا ذکر کیا ہے کہ اس میں معنی پر الفاظ کا ظلم ہوتا ہے ؎

سو اس میں بھی تو غور سے دیکھے تو بہت جا ؎ معنی ستم لفظ سے فریاد کناں ہے

لیکن اس کی کوئی مثال دینے کی جگہ وہ یہ کہتے ہیں کہ سودا مطبوع طبائع ہے، میرے لئے اس بات کا زبان پر لانا مناسب نہیں، اگر سودا مقبول نہ ہوتا تو خدا جانے اور کیا کیا اس کے حق میں کہتے"

یہی انشا اور مصحفی کی فطرتوں کا بنیادی فرق ہے، انشا بھی سودا کے کمال شاعری کے قایل ہیں لکھتے ہیں "ملک الشعرائے زبان اردو مرزا محمد رفیع متخلص بہ سودا الخ" (ص ۳۲) "مرزا رفیع

امّی باشد و شعر بہ آں فصاحت و بلاغت بگوید" (ص ۷۲) لیکن جب دیکھتے ہیں کہ انھوں نے کوئی لفظ "خلاف اردو" یا "خارج از اردو" لکھے ہیں تو انھیں برابر ٹوکیں گے، ان کے نزدیک اردو کے مفاد میں سودا کی شخصیت خلل انداز نہیں ہو سکتی اور صاف صاف لکھیں گے کہ "خنجر در استعمال مرثیہ گویاں با نون مختفی بسیار می آید بلکہ مرزا رفیع ہم در مرثیہ .... خنجر بر وزن خبر بستہ .... اگرچہ نزد فصیحان این لفظ را اعتبارے نیست و عوام اردو نیز مستعمل نمی کنند لیکن برائے مثال خالبند مرزا رفیع نوشتہ، زبان اردو خیال نباید کرد" (ص ۷) ". .... تھوڑی، مرزائے مذکور خلاف اردو بار ابستہ با گوری .... قافیہ کردہ" (ص ۳۲) "دیگر فصیحان ... مرزا رفیع در سخن گفتن وہ حرف زدن گو در شعر بہ ضرورت وزن و قافیہ چند لفظ خارج از اردو نیز آوردہ" (ص ۷۲)

اردو زبان کے جس شاعر یا ادیب کو اردو کے تحفظ سے زیادہ "خلاف اردو" اور "خارج از اردو" لفظ استعمال کرنے والوں یا ان کے معتقدوں کا لحاظ ہوتا ہے اس کا بس اتنا ہی اعتبار ہوتا ہے کہ اگر وہ کبھی کسی واقعی نقص کا بھی ذکر کرے گا تو وہ "مفروضہ نقص" ہی سمجھا جائے گا، چنانچہ مصحفی نے اگر کہا ہے کہ سودا کے اشعار میں معنی سنم لفظ سے فریاد کناں ہے تو ہمیں یہ شبہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ مصحفی کی نظر میں اس کی کوئی مثال یا مثالیں نہیں تھیں، اس قول کی تصدیق میں ہمارے لئے انشا کی دی ہوئی مثالیں کافی تھیں، پھر بھی کہنا پڑا کہ "مصحفی نے سودا کے ایک مفروضہ نقص کا

۱۔ "خنجر کو نون مختفی کے ساتھ مرثیہ گو بہت استعمال کرتے ہیں، بلکہ مرزا رفیع نے بھی ایک مرثیے میں خنجر کو خبر کے وزن پر باندھا ہے ؂

خنجر سن اس کو گلے شہ کے لگ لہو رویا ؏ غبار تن پہ جو تھا اپنے اشک سے دھویا

اگرچہ فصیحوں کا یہ لہجہ نہیں اور عوام بھی اس طرح استعمال نہیں کرتے، لیکن نون سے مخلوط خے کی مثال میں مرزا رفیع کی سند سے لکھا گیا، اسے اردو زبان نہیں خیال کرنا چاہیے" "تھوڑی" کو مذکور مرزا نے اردو کے خلاف رے سے باندھا ہے اور "گوری" کے ساتھ قافیہ کیا ہے" "دوسرے فصیح .... سخن گوئی اور گفتگو میں مرزا رفیع ہیں، اگرچہ وہ وزن و قافیہ کی ضرورت سے شعر میں بعض ایسے لفظ لے آئے ہیں جو اردو سے خارج ہیں" (ترجمہ کیفی کچھ تصرف کے ساتھ)

ذکر کیا ہے۔" انشا نے سودا پر اسی لئے اعتراض کیا ہے کہ وہ" مطبوع طبائع" ہے، اس لئے اس کی غلطیوں کے رواج پا جانے کا قوی امکان ہے، اگر سودا مقبول خلائق نہ ہوتا تو دریائے لطافت میں اس کی فصاحت اور بلاغت اور اس کی بے احتیاطی اور بے راہ روی دونوں کا مذکور نہ ہوتا، اسی ضمن میں دردانۂ سوم کے یہ جملے شعر و ادب کے ہر مصنف کی نظر میں ضرور ہونے چاہئیں:۔

"بعض فصیحوں پر تنقید میرؔ اور سوداؔ

بعضوں کی یہ رائے ہے کہ ہر شہر میں شاعروں کا کلام اور لوگوں سے زیادہ فصیح ہوتا ہے اور بعضے محققوں کی یہ رائے ہے کہ شعر میں وزن کی پابندی اور قافیہ [اور ردیف] کی رعایت اکثر فصاحت کی مانع ہوتی ہے، چنانچہ میر محمد تقی سلمہ القدیر جو دوسرے طبقے کے ریختہ گویوں میں سب سے ممتاز ہیں، مینہ کو میش کے وزن پر ایک شعر میں باندھتے ہیں، اس کا یہ تلفظ ان کے شعر کے اول مصرعے میں وزن بحر کو قائم رکھنے کی غرض سے ہوا ہے، اسی طرح بھیچک بجائے بھچک بمعنی حیران ان کے ہاں آیا ہے، مرزا محمد رفیع متخلص بہ سودا ایک جھیک والے قصیدے میں کٹک بمعنی لشکر محض قافیے کی ضرورت سے استعمال کر گئے ہیں ...... اہلِ تحقیق کا قول یہ ہے کہ جو لوگ لفظ کی فصاحت کی سند شعرا کے کلام سے لیتے ہیں غلطی پر ہیں، اور یہ جواب بھی غلط ہے کہ شعرا تمام آدمیوں میں زیادہ فصیح ہیں، وہ بعضے ایسے الفاظ ضرورت شعر سے مجبور ہو کر عمداً شعر میں باندھ جاتے ہیں جو ان کے شہر کی زبان کے خلاف ہیں، جواب کے ضعف پر یہ دلیل ہے کہ شعرا بے شک اپنے شہر کی زبان خوب جانتے ہیں اور لاعلمی سے ناآشنا لفظ کلام میں نہیں استعمال کرتے [یعنی محض ضرورت شعری سے استعمال کرتے ہیں] لیکن ان کے شاگرد اور مقلد جو دوسری جگہ رہتے ہیں کیا جان سکتے ہیں کہ اردو داں دہلوی شاعر نے جو یہ لفظ اپنے شعر میں استعمال کیا ہے اردو زبان کا ہے یا اور کہیں کی زبان کا اور یہ کہ اسے ضرورت سے عمداً اپنے کلام میں جائز رکھا ہے یا بے ضرورت اجتہاد کیا ہے، بلکہ ہوگا یہ کہ وہ بیچارہ استاد کے شعر میں جو کچھ دیکھے گا اس سب کو اچھا سمجھے گا اور اپنے ہمسروں سے کج بحثی کرے گا اور آخر کار اسے خجالت اٹھانی پڑ گئی اسی طرح جس طرح کہ ہم لوگ جو کچھ مغل کے کلام میں دیکھتے ہیں اسی کو فارسی سمجھ بیٹھتے ہیں اگرچہ اس میں کئی لفظ سریانی وغیرہ کے ملے ہوئے ہوں،

اس بحث سے میرا عندیہ یہ نہیں ہے کہ اردو کے فصیح تر شعرا یعنی مرزا رفیع دہلوی مرحوم اور میر صاحب عالی قدر میر محمد تقی صاحب کی شان کو گھٹایا جائے اگرچہ موخر الذکر آگرہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے وہاں کا لہجہ اور برج اور گوالیار کے الفاظ گفتگو میں لے آتے ہیں بلکہ میں ان صاحبوں کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے کئی نامعقول الفاظ ترک کردئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

جو شاعر یا ادیب انشا کے ان اصولوں کی مذمت کرتے ہیں اور انھیں ذاتیات سے تعبیر کرتے ہیں وہ شعر و ادب میں ایسی ہی آزادی چاہتے ہیں جیسی کہ غالب کی تخیل میں زاہدوں کو جنت میں حاصل ہے۔ رباعی

گردیدن زاہداں بجنت گستاخ وین دست درازی بہ ثمر شاخ بہ شاخ

چوں نیک نظر کنی زروے تشبیہ ماند بہ بہائم و علف زار فراخ

"یعنی زاہدوں کا بہشت میں بیباک پھرنا اور جا بجا ٹہنیوں پر پھلوں کے لئے ہاتھ مارنا اگر غور کرکے دیکھو تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک وسیع چراگاہ ہے اور اس میں ڈھور ڈانگر چرتے پھرتے ہیں" یادگار غالب، رباعیات

قاضی عبدالودود صاحب کے دو مضامین (۱) "مصحفی اور سودا" اور (۲) "مصحفی اور انشا" کے متعلق جو ادو ادب بابت اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء اور جنوری و اپریل سنہ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئے ہیں میں یہ کہنا ضروری سمجھتی ہوں کہ یہ مضمون "تحقیقی نوادر" کے ایک مضمون "انشا کے شورش پسند حریف" کی گویا شرح ہیں، تحقیقی نوادر دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء میں شایع ہوئی اور غالباً مارچ سنہ ۱۹۵۰ء سے پہلے یہ کتاب قاضی صاحب کی خدمت میں پہنچ چکی تھی، وہ اپنے خط مورخہ ۲ رمئی سنہ ۱۹۵۰ء میں لکھتے ہیں "آپ کا خط اور اس کے بعد آپ کے مقالات کا مجموعہ تحقیقی نوادر ملا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کی کتاب محنت اور غور و فکر سے لکھی گئی ہے، اسے سرسری نظر سے پڑھنا اس پر ظلم کرنا ہے، اس کا وقت تو خیر نکالیا جائے گا کہ کتاب غور سے دیکھی جائے لیکن پوری کتاب پر مفصل تنقید لکھنے کا وقت نکالنا مشکل ہے، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک مقالے "انشا کے شورش پسند حریف" کے متعلق تفصیل کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کروں اور باقی مقالات کے متعلق مجملاً لکھوں، مقالۂ مذکور کی مفصل تنقید آپ تک

دو ہفتوں کے اندر پہنچ جائے گی۔

پھر قاضی صاحب نے چار ہی دن بعد ۶ رمئی کو مفصل "تنقید" لکھ بھیجی جو فلسکیپ سائز کے تقریباً دو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، اس میں حسب ذیل مختلف جملے لکھے گئے ہیں:-

ص ۹ سطر ۹ "یہ فیصلہ کہ انشا نے کبھی پہل نہیں کی منصفانہ نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ غلطی اوروں کی بھی رہی ہو"

" ۹ ۷ "انشا اور ان کے حریفوں میں کبھی عالمانہ بحث نہیں ہوئی، بحر رجز اور بحر رمل میں تمیز نہ کرنا قابل ملامت سہی، لیکن تمیز کرنا کوئی فخر کی بات نہیں، مصحفی اور انشا میں جو نزاع ہوئی اس میں کسی فریق نے اپنے علم و فضل کا ثبوت نہیں دیا"

" ۱۱ ۱۶ "میرا قیاس ہے کہ پہلا اور دوسرا تذکرہ آزاد نے دیکھا تھا گو آب حیات کی تصنیف کے وقت دونوں میں سے ایک بھی پیش نظر نہ تھا"

" ۱۱ ۱۸ "مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ سید انشا کی سفارش سے مصحفی سلیمان شکوہ کے یہاں پہنچے، یہ بھی تسلیم کہ مصحفی شاہ زادے کے استاد نہ تھے"

" ۱۳ "آپ کی کسی غلطی پر مجھے اتنی حیرت نہیں ہوئی جتنی اس پر کہ آپ نے اس قصیدے "کیا حضرت سودا نے کی اے مصحفی تقصیر" الخ کو سودا کی طرف منسوب کیا ہے، اس قصیدے کی تمہید نثر میں صراحتاً مرقوم ہے کہ سودا کے کسی شاگرد کا لکھا ہوا ہے"

" ۱۸ ۱ "یہ آپ نے ٹھیک لکھا ہے کہ آزاد نے کچھ باتیں اپنی طرف سے بھی ملا دی ہیں، مگر یہ واضح رہے کہ انھوں نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ اپنے مطالب اس قصیدے سے لے رہے ہیں"

" ۲۲ ۳ "گرم و منتظر پر مصحفی نے ایک قصیدے میں بھی ناز کیا ہے اور مخالفین کو دھمکایا ہے کہ یہ تمہاری خبر لیں گے، میں آپ سے بالکل متفق ہوں کہ مصحفی اتنے مسکین نہ تھے جتنا سمجھے جاتے ہیں" وغیرہ۔

لیکن قاضی صاحب نے اپنے مطبوعہ مضامین میں "تحقیقی نوادر" کے محاسن کا ذکر بالکل نہیں کیا صرف عیب کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے :-

"آسی مرحوم، تحقیقی نوادر کی مصنفہ اور صاحب انتخاب سودا، اس قصیدے کو سودا کی تصنیف سمجھتے ہیں، لیکن تمہید اور خاتمے کی عبارتوں سے قطع نظر خود اس قصیدے سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ سودا کا لکھا ہوا نہیں" اردو ادب، اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء ص ۱۷۵۔

حالاں کہ میں اس مضمون کی اشاعت کے پورے پانچ مہینے پہلے قاضی صاحب کو لکھ چکی تھی کہ میں اپنی اس غلطی کو مانتی ہوں، لیکن میں نے اس قصیدے سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ اپنی جگہ اٹل ہیں، میرے اس دعوے کی دلیل خود قاضی صاحب کے مضمون ہیں، جن اصحاب کے پاس تحقیقی نوادر ہے وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ قاضی صاحب نے اپنے مضامین میں تحقیقی نوادر کے کل مطالب جوں کے توں لکھے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ میرے مضمون میں اجمال ہے اور قاضی صاحب کے مضامین میں تفصیل، مثلاً بر بندال بن راقم نے اپنے قصیدے میں مصحفی کا ایک شعر لکھا تھا ؎

سچ پوچھو تو اردو کی فقط صاف زبان ہے ؎ معنی ستم لفظ سے فریاد کناں ہے

تو قاضی صاحب نے مصحفی کا مکمل قصیدہ اکاون شعر کا نقل کر دیا، یا مثلاً مصحفی کے ایک اور شعر کا حوالہ دیا گیا تھا ؎

شانے پہ میرے مہر نبوت نہیں نہیں ؎ کرتا میں صاف دعوی وحی پیمبری

تو قاضی صاحب نے اس قصیدے کے پورے پندرہ شعر لکھ دئے مثلاً مصحفی کا ایک اور شعر راقم نے لکھا تھا ؎

آ دیں نہ کریں مجھ سے فن شعر میں ہیجہ ؎ سودا نہیں بیٹھے تو ہیں سودا کی جگہ میر

تو قاضی صاحب نے بیاسی شعر کا قصیدہ لکھدیا وعلی ہذا القیاس

صاحب مخزن الغرائب اور انشا

صاحب مخزن الغرائب قتیل کے شاگرد تھے[1]، بے نقط عبارتیں لکھنے میں انشا کے کمال کو توانا، لکھتے ہیں "عبارات بے نقط در عربی مشتمل بر مطالب مقرری چار چار ورق می نویسد و تفسیر چند سورہ بہ ہمیں زبان غیر منقوطہ نوشتہ بود" لیکن ساتھ ہی اتنا شوشہ چھوڑ گئے کہ "از شعرائے معاصرین باحدے سر فرو نمی آرد کسے کہ ادراک بہ از خود می داند و در تحقیق لفظ و ترکیب عبارات و حسن و قبیح کلام خود از و مضایقہ ندارد فخر الشعراء میرزا محمد حسن قتیل است" حالاں کہ انشا نے صاف صاف الفاظ میں "خطبۂ دریائے لطافت" میں لکھا ہے کہ "چوں بندہ راہیشتر بانظم سروکار ماندہ واورا بانظم و نثر ہر دو چند سطرے کہ می نویسم نگاہ داشتن آں نیز موقوف بر پسند اوست" واضح ہے کہ انشا کو زیادہ تر فارسی نظم سے اور قتیل کو فارسی نظم اور نثر دونوں سے سروکار رہا ہے اس لئے چند سطریں نثر کی جو انشا لکھیں گے ان کو بحال رکھنا قتیل کی پسند پر موقوف ہے، یہ قول اگر کسر نفسی کی وجہ سے نہیں بلکہ حقیقت بھی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ انشا صرف اپنی فارسی نثر میں قتیل کی کاٹ چھانٹ کو گوارا کر لینے پر آمادہ تھے، اس کے مقابلے میں مخزن الغرائب کے قول میں کس قدر عمومیت ہے" در تحقیق لفظ و ترکیب عبارت و حسن و قبیح کلام خود از و مضایقہ نمی کند" یعنے قتیل اگر انشا کی فارسی نظم و نثر کے الفاظ، ترکیب عبارات اور حسن قبیح کلام میں اصلاح دیتے تھے تو بھی انشا اس کو قبول کر لیتے تھے، یہ قول انشا کے بیان کی تردید کرتا ہے۔

انشا کی تنقیص

اس خصوص میں صاحب نشترِ عشق، صاحب مخزن الغرائب پر سبقت لے گئے ہیں، فرماتے ہیں:-

"عاشقی در نشتر عشق (۵۵۰ الف) بذیل قتیل نوشتہ، روزے سعادت یار خان رنگین ......

---

[1] "اوستادی افصح الفصحا، و ابلغ البلغاء میرزا محمد حسن المتخلص بہ قتیل کہ واقعی کشتہ راہ دوست است، در صناعت براعت کلام اگر رئیس قنبر داں زندہ بودے بشاگردیش اقرار نمودے در جزالت و سلاست عبارت اگر حکیم خاوراں زندہ گشتے بملک الشعرائی او را بر داشتے و فصاحت و بلاغت کسب کردے ...... نہایت یار باش و دوست پرست و ظریف است سی سالست کہ فقیر با یشاں فرط محبت و اخلاص (باقی)

ہنگام معاودت از لکھنؤ برائے دیدن راقم تشریف آوردو عندالاذکار مرزائے موصوف (قتیل) قسمیہ بیان می فرمود کہ نوبتے انشاء اللہ خان مرحوم کہ از یاران مرزائے موصوف بود و با خود ہا مزاح و خوش طبعی ہم می شد در دو سہ روز بخوض و تامل بسیار دو سہ فقرۂ نثر بی نقط تلاش نمودہ رقعہ بمرزا قتیل نوشت صبح آں چوں با خود ہا ملاقات گردید آں مرحوم از راہ اختلاط با مرزا گفت کہ " دیدی چہ قسم رقعہ نوشتم و چہ فقرہ ہائے معنی یاب بے نقط بہم رسانیدم ؟ حالا مقدور تو نیست کہ در جواب آں دم زنی و بپاسخ آں بر نگاری" ایشاں فی الفور قلم برداشتند و تفسیر بے نقط سورہ ہائے قرآنی کہ بہ آں مغفور از بر بود و می خواندند در عرصۂ یک نیم پاس بنہایت روانی و سلامت بہتر از عبارت سواطع الالہام بہ ضبط تحریر در آوردند" دستور الفصاحت ، خاتمہ ، ص ۱۰۶

قتیل کے بارے میں انشا لکھتے ہیں :-

" رنگین کو زیادہ تر زنان پردہ نشین سے واسطہ رہا ہے ، اپنی تالیف کی ہوئی کتاب کی ایک فصل میں ان کے کچھ مصطلحات لکھے ہیں بلکہ ایک دیوان اس گفتگو میں نظم کر کے دیوان ریختی سے جو اس کی

(بقیہ نوٹ) - وارد و بسا اتفاق افتادہ کہ در یکجا بودہ ایم ، آنچہ یارانہ از راہ شوخی و ظرافت بغیری کند اگر تحریر آں نماید ضحکہ و فضیحتے خودم است ؎

گر ہمہ سنگ و ر ہمہ چوب است ؛ ہرچہ از دوست می رسد خوب است

بلا تصنع درین زمان تحط الرجال ذات او از غنائم روزگار است" (مقدمہ تذکرہ مخزن الغرائب قلمی کتب خانہ حبیب گنج -)

۲؎ " انشا کے کچھ نئے حالات اور غیر مطبوعہ کلام " میں جو رسالہ اردو میں شائع ہوا تھا (اکتوبر سنہ ۵۴ء) آسی لکھنوی لکھتے ہیں کہ " مولف مخزن الغرائب نے یہ لکھ کر مجھ کو سخت حیرت میں ڈال دیا ہے کہ وہ (انشا) قتیل کو اپنے سے بہتر جانتے تھے اور ان سے دبتے تھے ۔

مولف کی رائے میں انشا کے متعلق مخزن الغرائب کے بیان کو بہت احتیاط سے قبول کرنا چاہئے کیوں کہ ذیل کے جملے قتیل کے اس اجمال " چوں خان صاحب موصوف ہجو بعضے بے گناہان گوشہ نشین

ایجاد ہے موسوم کیا ہے حق یہ ہے کہ ریختی میں شعر ہندی کی ابتدا خان مذکور ہی سے کی ہے، راقم آثم ان مصطلحات کو ان کی شرحوں کے ساتھ یہاں نقل کرتا ہے کیوں کہ میرے بے ریا اور باصفا دوستوں میں سے ہے اور راقم کو باوجود ہیچ مدانی کے مسلم الثبوت اور زبان ریختہ کے حال و ماضی کے شاعروں سے بہتر سمجھتا ہے، ایسی صورت میں افسوس کی بات ہے کہ یہ نادر کتاب اس دوست کے ذکر سے[1] جو سراپا محبت اور اتفاق ہے خالی چھوڑ دی جائے" دریائے لطافت اورنگ آبادی ص ۹۸

---

[1] دریائے لطافت اصل میں تین شاعروں کی تصانیف کا مجموعہ ہے، انشا اور رنگین اور قتیل علی الترتیب، قتیل کو اس کتاب کی تصنیف میں شریک کر لینے کی وجہ انشا نے خطبۂ کتاب میں لکھ دی ہے۔ (باقی)

(بقیہ نوٹ) و دیگر اجلہ و اہالی کردہ بود ہمہ را گفتہ سبحان قلی بیگ یقین حاصل شد" کی تفصیل یہ ہے:-

"...... باز ہم پائے پدر بدہلی رفتہ با محمد بیگ خان ہمدانی معرزمی بود. .... و درجی نگر برسر حرفے با میرزا اسمٰعیل بیگ خان برادر زادہ محمد بیگ خان ہمدانی در افتاد و کٹار کشیدہ بطرفش دوید ہر چہ بزبان آمد بجا و بیجا مضایقہ نکرد، جان و حرمت اور اجدش نگہبان شد والا در کشتہ شدن او جائے تامل نبود، بالجملہ از آں طرفہا باز بلکھنؤ آمدہ مدتہا از مخصوصان ...... میرزا سلیمان شکوہ بود از بسکہ پر نازک مزاج است از آنجا ہم دمغ شدہ برخاست و رفاقت الماس علی خان بہادر گزید بعد چند روز .... سعادت علی خان ...... او را در سلک مقربان خودش سرفراز فرمود، ہر دو وقت شریک طعام با آنجناب می باشد .... باایں ہمہ شجاعت و جلادت کہ در عرصۂ رزم از و مذکور گشتہ در بزم خود را کمتر از یک طفل نامرد حساب می کند برائے ہر کس نوائے برمی آرد، دریں صورت اگر طرف ثانی سکوت کرد خیر و اگر شروع بہ شتام نمود می خندد و او را برسر غضب می آرد، با آدم کم رتبہ ایں معاملہ دارد و ہفت ہزاری رامی گزارد کہ خلاف طبعش حرف زند، نواب مرزا قاسم علی خان پسر نواب سالار جنگ را برسر شعری رو بروئے جناب عالی ذلیل کرد. ...... چند سال پیش ازیں مصحفی ریختہ گو را آں قدر رسوائے کوچہ و بازار کرد کہ اگر غیرت می داشت خود را می کشت (باقی)

اس کے برخلاف رنگین کہتے ہیں کہ انشانے دو تین دن کے کافی غور و خوض کے بعد دو تین فقروں کا ایک خط

(بقیہ نوٹ) جو پچھلے صفحوں میں قارئین کی نظر سے گزر چکی ہے، اور رنگین کے مصطلحات کو دریائے لطافت میں جوں کے توں نقل کرنے کی وجہ انشانے متن کتاب میں لکھی ہے، رنگین کے ان مصطلحات کا ذکر میر غفر غبینی نے بھی کیا ہے"..... ایک اور کتاب بنائی ہے، اس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے....." (ص ۵۳)
(باقی)

(بقیہ نوٹ) - برخر سوار کردن باقی مانده بود دگر ہیچ ذلتی بنود کہ نصیب آں بیچارہ نشد" الحاصل عجب کسے است خدا یش سلامت دارد" انشا کی محسن کشی، احسان فراموشی، منت ناشناسی، مغلوب الغضبی مردم آزادی، خود بینی اور بوالعجبی کی اس سے مختصر اور واضح تصویر کیا کھینچ سکتی ہے، انشا کے خلاف غالباً اس تذکرے میں سب سے زیادہ مواد فراہم ہوگیا ہے، یہ تذکرہ اگرچہ سنہ ۱۲۱۸ ھ م ۱۸۰۳ء میں ختم ہوگیا ہے لیکن نہیں معلوم کہ اس کے مذکورہ مطالب کا معاصرین میں کس درجہ اشتہار ہوا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد علی نے انشا کے بہت سے نئے حالات پیش کئے ہیں، لیکن چوں کہ انھوں نے انشا کے جو کردار لکھے ہیں ان کی معاصر تذکروں سے تصدیق نہیں ہوتی، کافی چھان بین کے بغیر قابل قبول نہیں، مخزن الغرائب میں انشا کا احوال پڑھنے کے بعد ایک ہی خیال جو ذہن میں قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انشا کی ذات نہایت خطرناک اور مجسم بلا تھی، اور لکھنؤ کی سوسائٹی میں ان کا وجود ناگزیر بھی نہیں تھا کیوں کہ ایسے لوگ بھی جنھیں انشا خود اپنے سے قابل مانتے تھے وہاں موجود تھے، انشا کا ایک حرف پر مارنے مرنے کے لئے ڈٹ جانا، اور ایک شعر کے متعلق اختلاف کی بنا پر ایک نواب کو ذلیل کر دینا اور اپنی نازک مزاجی کی وجہ سے اپنے ہر محسن سے برداشتہ خاطر ہو جانا اور خواہ مخواہ راہ چلتوں سے الجھنا اور ان کی گالیاں کھا کر بے مزہ نہ ہونا وغیرہ آپ نے پڑھا، مولوی عبدالقادر چیف رامپوری کے روز نامچے کا ایک جملہ بھی پڑھئے" اگرچہ دے بہ شعر و شاعری مشہور است لیکن بدالتست من فن ہم نشین شدن بجائے رسانیدہ بود کہ یکتائے زمانہ اش دریں کار او را تواں گفت...... میان رنداں پیر مغان و در حلقہ مشائخاں شیخ صنعاں بود" دستور الفصاحت، خاتمہ، ص ۱۰۶

خط قتیل کو لکھا دوسری صبح کو جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو اس مرحوم نے قتیل کو بے تکلفی سے کہا۔

(بقیہ فوٹ) سنہ ۱۹۴۳ء میں جو دستور الفصاحت کی اشاعت کا سال ہے، عظمی عرشی صاحب اس کتاب کو رنگین کی تصنیف نہیں مانتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ ان مصطلحات کے جامعِ اول خان آرزو ہیں، چنانچہ لکھا ہے "رنگین زحمت و کلفت ناکشیدہ قصد ناموری و شہرت کردہ است غفر اللہ لہ" (خاتمہ ص ۹۷، حاشیہ) لیکن اردو ادب بابت جولائی دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء میں "محاورات بیگمات" کے عنوان سے جو مضمون شائع کرایا ہے اس میں اس بحث کے خاتمے میں لکھتے ہیں "یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ ان الفاظ کا جامع اول رنگین ہی ہو ......" دریائے لطافت (ص ۹۰) میں انشا نے لکھا ہے کہ "اور ایک کتاب بنائی ہے اس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے ..." اس کتاب سے مراد بالیقین یہی دیباچہ دیوان ریختہ ہے، چوں کہ دریائے لطافت کا سال اختتام ۱۸۰۷ء ہے اس بنا پر دیباچے کو اس سے پہلے ہی مرتب ہو چکنا چاہئے، اس لئے جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ نوادر الالفاظ کا یہ نسخہ اس سال سے پہلے کا مکتوبہ ہے۔ اس وقت تک قطعی فیصلہ رنگین کے خلاف نہیں کیا جا سکتا، سردست ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت موجود نہیں، اس لئے مسئلے کو لاینحل چھوڑ دینا مناسب نظر آتا ہے"۔ ص ۱۰۳

میری دانست میں رنگین کو ان مصطلحات کا اصل مصنف قرار دینے میں انشا اور صاحب دستور الفصاحت یکتا کی گواہیوں کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے، انشا کی گواہی تو گزر چکی، یکتا کی گواہی یہ ہے "رسالہ منثر در محاورۂ زبان نسائیز خوب نوشتہ است" عرشی صاحب کے مضمون "محاورات بیگمات" کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب خانۂ رامپور میں خان آرزو کے اردو لغت "نوادر الالفاظ" کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس میں یہ سب محاورے ردیف وار درج ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ "نوادر الالفاظ" میں ان محاوروں کی تشریحیں فارسی میں ہیں اور دیوان رنگین کے دیباچے میں یہی تشریحیں اردو میں لکھی گئی ہیں، چوں کہ آرزو سنہ ۱۷۵۶ء اور رنگین سنہ ۱۸۳۵ء میں فوت ہوئے اس لئے یہ محاورے اصلاً آرزو کے تسلیم کئے جائیں گے، لیکن یہ محاورے "نوادر الالفاظ" کے اسی ایک نسخے میں پائے جاتے ہیں، علاوہ ان (باقی)

دیکھا! میں نے کیسا خط لکھا ہے، اور کیسے معنی یاب فقرے بہم پہنچائے ہیں، اب تیری مقدور

(بقیہ نوٹ) ۔ تشریحوں کی فارسی آرزو کے درجے سے جگہ جگہ فروتر نظر آتی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ کسی کاتب نے "نوادرالالفاظ" میں یہ اضافے کئے ہوں' اس قلمی نسخے کے خاتمے میں یہ عبارت ہے "تمام شد رسالۂ عجائب غرائب اللغات تصنیف سراج الدین علی خان آرزو، بخط آرزو، سنہ ۱۵ جلوس والا" لیکن یہ عبارت اصل کے کاتب کی لکھی ہوئی نہیں ہے اور اس میں کتاب کے بخط آرزو ہونے کا ذکر قطعاً غلط ہے، اس لئے اس کے سنہ کا بھی کیا اعتبار کیا جاسکتا ہے، نتیجہ یہ کہ نہ رنگین کو ان محاوروں کا مصنف ہونے سے محروم کرسکتے ہیں اور نہ یہ مسئلہ قطعی طور پر حل ہوتا ہے کہ مذکور قلمی نسخے میں یہ محاورے کیوں کر داخل ہوئے۔

یہ سب بحثیں اس لئے پیدا ہوئیں کہ کسی کی توجہ آج تک اس طرف نہیں ہوئی کہ دریائے لطافت کا "دردانہ پنجم" (در بعضے گفتگوہائے مصطلح زنان خوش اختلاط رنگین کلام پردہ نشین شہر و پیش عدمتان ایشان زینت درج تسطیر است) اصل میں عین بعین دیوان رنگین کا دیباچہ ہے۔ "...... رنگین نبذے از مصطلحات شاں (زنان پردہ نشین) در فصلے از کتاب تالیف نمودہ خود نوشتہ راقم آثم ایں اصطلاحات را باشرح ہا دریں جا نقل میکند...... تمام شد تحریر رنگین لفظاً و معنیً حالا چند لفظ از طرف خود می نویسم......" اس کے نقل کرنے میں انشانے یہاں تک امانت داری سے کام لیا ہے کہ اگر کہیں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کیا ہے تو اس کا ذکر کردیا ہے، مثلاً "لفظ خلیفہ جی بمعنی زن درس دہندہ و داری و خاصی و پیاری بمعنی زناخی در کتاب خان مذکور نیست، راقم مناسب دیدہ ذکر کردہ" پھر بھی ایک امر تصفیہ طلب رہ جاتا ہے کہ جب انشا کہتے ہیں کہ "تمام شد تحریر رنگین لفظاً و معنیً" یعنے "یہاں تک جو محاورے درج ہوئے وہ اور انکے معنے سعادت یار خان رنگین کے لکھے ہوئے ہیں" (ترجمہ کیفی ص ۱۸۳) تو دیباچۂ رنگین میں ان کے علاوہ اور محاورے جو لکھے ہوئے ہیں انھیں کس نے زیادہ کیا، ممکن ہے کہ دریائے لطافت کی تالیف کے سنہ تک دیباچۂ رنگین میں اسی قدر محاورے درج تھے جتنے کہ دریائے لطائف میں درج ہیں اور رنگین نے بعد میں ان زاید محاوروں کا اضافہ کیا ہو جو دیباچۂ رنگین اور نوادر الالفاظ میں ملتے ہیں۔ (باقی)

نہیں کہ اس کے جواب میں دم مار سکے اور اس کا جواب لکھ سکے، قتیل نے فوراً قلم برداشتہ قرآن کی

(بقیہ نوٹ) یا یہ زاید محاورے الحاقی ہیں، نسخۂ نظامی میرے پیش نظر نہیں ہے، میرا ماخذ دیوان رنگین ریختی کا وہ دیباچہ ہے جس کو رسالہ اردو بابت اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء میں مخدومی مولوی عبدالحق صاحب نے ایک پرانے مطبوعہ نسخے اور کتب خانۂ حبیب گنج کے ایک قلمی نسخے سے مرتب کر کے شایع کیا ہے، عرشی صاحب نے رنگین کے دیباچے کو نسخۂ نظامی سے نقل کیا ہے،

عرشی صاحب کے مضمون سے اس امر کی وضاحت نہ ہوسکی کہ نوادر الالفاظ میں مصطلحات کی وہی ترتیب ہے جو نسخۂ نظامی میں ہے، یا کسی ایک نسخے کے مصطلحات کی ترتیب کے مطابق دوسرے نسخے کے مصطلحات مرتب کئے گئے ہیں، اگر دوسری صورت ہے تو کس نسخے کے مصطلحات کی ترکیب کو بحال رکھا گیا ہے۔

ردیف الف میں ذیل کے پندرہ محاورے دریائے لطافت میں نہیں ہیں:-

" اپنی ایڑی دیکھ، اپنی والی پر آگر آؤں، آپ بیتی، اپنے دلوں سے صاف ہے اوشلک لگائی، انوٹھی بات ہے، اتراتی ہے، انگلیٹ، اندروالا نہیں سمجھتا، ایڑی چوٹی پر سے واروں، اوسے چیلوں کو دوں، ایسا کیا شہر شملہ پڑا ہے، آئے دن روٹھتی ہے، اوگھٹتی ہے، اسے علی کی سنوار

عرشی صاحب نے نسخۂ نظامی اور نوادر الالفاظ سے جو محاورے نقل کئے ہیں ان میں " ان گنا برس" نہیں ہے، لیکن یہ محاورہ دریائے لطافت اور رسالہ اردو میں ہے، نوادر الالفاظ اور نسخۂ نظامی میں ایک محاورہ " اسے چیلوں کو دوں" ہے جو دریائے لطافت اور رسالۂ اردو میں نہیں ہے، اور " اچھوانی" نوادر الالفاظ میں نہیں ہے، حاصل یہ کہ دیباچۂ رنگین اور دریائے لطافت میں اٹھارہ اور دریائے لطافت اور نوادر الالفاظ میں سولہ محاورے مشترک ہیں،

ردیف ح، خ میں ذیل کے چار محاورے نسخۂ نظامی میں زیادہ ہیں:-

خیلاپن ہے، حرفت بازہ ہے، حامی بھری ہے، خدا سمجھے تجھ سے، اور یہ چاروں محاورے نوادر الالفاظ میں بھی نہیں ہیں، یعنے ردیف ح، خ میں نوادر الالفاظ اور دریائے لطافت مشترک ہیں، " خدا سمجھے" یہ محاورہ دریائے لطافت کے دردانۂ چہارم (در آراستگی تاج بیان بگوہر شرح مصطلحات دہلی) میں درج ہے۔ (باقی)

کی سورتوں کی جو انھیں از بر تھیں اور جنھیں وہ پڑھا کرتے تھے بے نقط تفسیر ڈیڑھ گھنٹے میں لکھ ڈالی اس تفسیر کی عبارت نہایت رواں اور سلیس اور فیضی کی سواطع الالہام کی عبارات سے بہتر تھی۔
عاشقی کو اس امر کا احساس ہے کہ یہ روایت اس قدر حقیقت کے خلاف ہے کہ اس کو کوئی بھی بیان کرے خواہ وہ یار رنگین قسم کھائے بغیر چارہ نہیں، عاشقی نے یہ روایت اس وقت لکھی ہے جب کہ انشا "مرحوم" اور قتیل "مغفور" ہو چکے تھے، انشا کی وفات سنہ ۱۸۱۸ء میں ہوئی اور قتیل کی وفات سنہ ۱۸۲۴ء میں، اس لحاظ سے عاشقی نے یہ واقعہ سنہ ۱۸۲۴ء کے بعد قلم بند کیا ہے، علاوہ عاشقی کے اس قول سے کہ انھوں نے نشتر عشق سنہ ۱۲۲۴ھ م ۱۸۰۹ء میں شروع اور سنہ ۱۲۳۳ھ م ۱۸۱۷ - ۱۸۱۸ء میں ختم کیا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عاشقی نے سنہ ۱۸۱۸ء کے بعد اس میں کوئی اضافے نہیں کئے (" القصہ در سنہ یکہزار و دو صد و بست و چہار ہجری بہ تسوید ایں روضۂ دلکشا مصروف گردید .... در سنہ یک ہزار و دو صد و سی و سہ ہجری ...... اختتام رسانید .... در سنہ

(بقیہ نوٹ) رسالۂ اردو میں ایک اور لفظ "خوزادی" بمعنی صاحب زادی ہے جو نوادر الالفاظ اور نسخہ نظامی دونوں میں نہیں ہے، دریائے لطافت کے دردانہ پنجم میں بھی یہ محاورہ نہیں ہے ردیف نون میں ذیل کے محاورے دردانہ پنجم میں نہیں ہیں :-
نگوڑی ناٹھی ہے، نہوڑے نہیں بھاتے، ننم تنا، ان میں سے نگوڑا ناٹھا، دردانۂ چہارم میں درج ہے، بقیہ آٹھ محاورے نوادر الالفاظ، رسالہ اردو، نسخہ نظامی اور دریائے لطافت میں مشترک ہیں۔
ذیل میں میں نے مذکورہ صرف تین ردیفوں کے مشترک لفظ بالمقابل لکھ دئے ہیں ان پر ایک سرسری نظر یہ جاننے کے لئے کافی ہے کہ نوادر الالفاظ کے کاتب نے رنگین کی اردو تشریح اور انشا کے فارسی ترجمے کو گڈمڈ کر کے شاید اپنی انفرادیت قایم رکھنے کے لئے ایک تیسری زبان بنائی ہے جو عرشی صاحب کو لازمی طور پر "آرزو کے درجے سے جگہ جگہ فروتر نظر آتی ہے (باقی)

یکہزار و دو صد و سی و سہ ہنگام تحصیلداری چیکڑہ سکندرآباد متعلقہ ضلع علی گڑھ صورت اتمام پذیرفت۔

(بقیہ نوٹ)

ا

رنگین (جو عبارت اس طرح ( ) کی قوسین میں ہے وہ رسالہ اردو میں زیادہ ہے اور جو اس طرح [ ] کی قوسین میں ہے وہ نسخہ نظامی میں زیادہ ہے۔)	انشا (دریائے لطافت دردانہ پنجم)	نوادر الالفاظ
۱ المست۔بہت مست	مست و سرشار	بے نہایت مست و سرشار
۲ ات گت۔بے حد و نہایت	بے حد و نہایت	بے حد و بے شمار
۳ ادھل گئی۔بدکار ہو گئی	بدکار شد	بدکار شدہ دیگر را اختیار کرد
۴ اشغلا اٹھایا ہے۔طوفان اٹھایا ہے	اشغلا۔طوفان	اشغلہ۔طوفان و توطیہ و تمہید
۵ آٹھ آٹھ آنسو روئی۔زار زار روئی	زار زار بگریست	زار زار گریہ و رقت می کند
۶ اوپر والا ہوا۔چاند ہوا (اوپر والا۔چاند)	ماہ نو طلوع نمود و صرف ماہ را نیز اوپر والا گویند	ماہ نو شد
۷ اوپر والیاں۔چیلیں	غلیو ازاں۔	مراد از زغن باشد
۸ اوجلی۔دھوبن کو کہتی ہیں	زن گازر	مراد از دھوبن یعنی زن گازر باشد
۹ اچھوانی۔کئی ایک دوائیں ہوتی ہیں کہ زچہ کو بعد لڑکا جننے کے جوش کرکے پلاتی ہیں۔	مراد از دوائے چند است کہ بعد بار نہادن بہ زنان جوش دادہ بخورانند۔	× × ×

(باقی)

(دستور الفصاحت، دیباچہ مصحح ص ۹۱-۹۲) بلکہ مذکورہ قسمیہ بیان سے نشترِ عشق میں اس کے ختم

(بقیہ نوٹ)	ا	
رنگین	انشا	نوادر الالفاظ
۱۰ رہلی گہلی پھرتی ہے ۔ خراماں و نازاں پھرتی ہے	نازاں و خوش خوش می گردد	نازاں و خراماں و مصاحب شدہ می خرامد۔
۱۱ اوڑ جائے ۔ مرجاوے	مرجائے	بمیرد
۱۲ آتوجی ۔ پڑھانے والی کو کہتی ہیں۔	زن درس دہندہ و خلیفہ جی نیز	زنانے کہ دختراں وغیرہ را می خواند و سبق می دہد
۱۳ ایک آنکھ نہ بھایا۔ ذرا پسند نہ آیا (ذرا)	ایک ذرا نہ بھایا	یک ذرہ خوش نیامد و پسند نیفتاد
۱۴ ان گنا مہینا ہے ۔ آٹھواں مہینا ہے	عبارت از ماہ ہشتم	ماہ ہشتم از حمل گذشتہ یعنی ماہ ہشتم است
۱۵ ان گنا برس ۔ آٹھواں سال	سال ہشتم	× × ×
۱۶ اکل کھری ہے۔ دو چار میں مل نہیں بیٹھی ہے (اور بد خلق ہے)	زنے کہ تنہا نشستہ باشد و صحبت زناں خوش نمی آید	تنہائی می خواہد، در مجلس در دو سہ چار نمی نشیند و کسے دیگرے را نمی خواہد۔
۱۷ الاچی و دوگانہ، زناخی و دوست و سہ گانا و گوئیاں ۔ یہ سب لفظ ایک معنی رکھتے ہیں، الاچی اس کو کہتی ہیں کہ جو باہم الاچی کے دانے ہم دیگر کھاتی ہیں (اور الاچی کہلاتی ہیں) اور	دراصل ہمہ یک معنی باشد لیکن بقدر اختلاف نام حالات اینہا نیز مختلف است، الاچی آں ست کہ زنان دانہائے الاچی باہم خوردہ ملقب باین لقب شوند، دوگانا ایں باشد کہ دو زن باہم بادام	ایں ہمہ الفاظ یک معنی دارد، الاچی . . . . دوگانا زنان باشد کہ بادام دو مغز باہم خوردہ دوگانا می شوند و دوست می نامند زناخی آں زن باشد کہ استخوان سینۂ مرغ را باہم می شکنند و آں را شکستہ باہم زناخی می شوند (باقی)

کئے جانے کے چھ سال بعد کے ایک اضافے کا پتا چلتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہو سکتا

(بقیہ نوٹ)	۱	
رنگین	**انشا**	**نوادر الالفاظ**
دوگانا وہ کہ جو بادام توام کو ایک ایک کھا کر دوگانا ہوتی ہیں اور زناخی اس کو کہتی ہیں کہ سینۂ مرغ میں سے ایک ہڈی نکلتی ہے اس کو توڑ کر باہم زناخی ہوتی ہیں اور دوست نیز بدستور اسے کہتے ہیں کہ جو دوگانا کی دوگانا ہوتی ہے اگرچہ کمال محل رشک ہوتا ہے لیکن بپاس خاطر دوگانا کے اس کو سہ گانا کہتی ہیں اور گوئیاں اصطلاح اہل پورب کی ہے، یہ لفظ اگرچہ اردوے معلے میں ٹکسال باہر ہے اور بیگمات کے نزدیک بھی معیوب ہے (لیکن حال ہی میں از راہ تمسخر کے اکثر ان کی زبان پر آجاتا ہے [مگر ان سب باتوں سے مراد یہ ہے کہ اکثر باہم چپٹی کھیلنے والیوں کے یہ رشتے ہوتے ہیں] ۸۔ اور دابگینی۔ ترکنی کو کہتے ہیں کہ جو محلوں میں اہتمام کرتی ہے۔	دوگانا خورند و ہر یکے با دیگرے دوگانا گفتہ شود زناخی عبارت است از زنے کہ با زن دیگر استخوان سینۂ مرغ کہ آنرا زناخ و جناخ نیز گویند بشکنند تا ہر دو یک دیگر را زناخی گفتہ ندا دہند۔ دوست و داری و خاصی و پیاری نیز مثل آں۔ و سہ گانا زنے کہ دوست دوگانا باشد ہر چند محل رشک است لیکن بپاس خاطر دوگانا او را سہ گانا گویند گوئیاں اصطلاح اہل پورب است ایں لفظ اگرچہ داخل اردو نیست و نزد بیگمات صحت ندارد لیکن درین روزہا از راہ تمسخر بر زبان آنہا جاری است، خلاصہ ایں کہ این ہمہ الفاظ زنانے باشد کہ باہم شغل مساحقت دارند، لفظ خلیفہ جی یعنی زن	اے باہم دوست می شوند، دوست نیز بدستور گر سہ گانا آن زن را گویند کہ دوگاناں را دوگانا می شود یعنی دوست، کمال محل رشک است لیکن بپاس خاطر دوگانا یا بجہت خوش طبعی از راہ طعن و طوفان و تہمت نیز سہ گانا می گویند، گوئیاں۔ اصطلاح پورب است این لفظ اگرچہ اردوے معلی نیست لیکن درین ایام از راہ تمسخر بر زبان اکثر عورات جاری است، حاصل کلام، مراد ازیں نامہا این است کہ اکثر ایں رشتہ و رسمہا باہم زنان خبیث و تماشائی و اوباش می شوند کہ خود را در فصاحت و بلاغت ممتاز دارند، زن ترکنی باشد کہ در محل مبارک اہتمام و پاسداری و گنگک داری باو تعلق دارد۔ (باقی)

ہے کہ اس اضافے کی خبر رنگین کو بھی تھی جن کی وفات ۸۰ برس کی عمر میں سنہ ۱۲۵۱ھ م ۱۸۳۵ء میں

(بقیہ نوٹ)	ا	
رنگین	انشا	نوادرالالفاظ
	درس دہندہ و داری وخاصی وبیاری بمعنی زناخی درکتاب خان مذکور نیست، راقم مناسب مقام دیدہ ذکر کردہ۔ زنے از ترکستان کہ در خانۂ سلاطین وامرا اہتمام نماید وآزاد در ہندی ترکنی نیز گویند	
	ح، خ	
۱ حف نظر۔ اس مقام پر بولتی ہیں یعنی نظر بد دور ۲ خیلا ہو۔ داہی ہو ۳ خشکا کھاؤ۔ جاؤ اور خوش رہو۔	درمقام چشم بد دور استعمال پذیرد نیز زبان ایں فرقہ باشد، زن بے شعور وبد سلیقہ بروید وخوش باشید	درمقام نظر بد دور شدن می گویند یعنی واہی است بروید وخوش باشید

ہوئی، نہیں معلوم کہ عاشقی کا انتقال کب ہوا، اگر وہ رنگین کے بعد مرے ہیں تو ممکن ہے کہ نشتر عشق

(بقیہ نوٹ)	ن	
رنگین	انشا	نوادر الالفاظ
۱ نوج اور رج ۔ دونوں ایک معنی رکھتے ہیں یعنی خدا نخواستہ یا خدا نہ کرے کے مقام پر بولتی ہیں	دونوں ایک معنی رکھتے ہیں یعنی خدا نہ کند رج پنجابی است در اردو بسیار کم و نوج کثیر الاستعمال	ہر دو یک معنی دارد یعنی خدا نخواستہ یا خدا نکردہ براں مقام می گویند
۲ نناویاں ۔ چڑیلیں (نناویاں، پچھلپائیاں، چڑیلیں)	ننا ویا ۔ پچھلپائیاں کہ عبارت از چڑیلہا باشد۔	نناویں، پچھلپائیں ۔ اے ڈائن و چڑیل
۳ ناگن ۔ گدی کے اوپر کے بالوں میں ایک بھونری ہوتی ہے ۔ اس کو کہتے ہیں۔	بھونری کہ در زیر موہاے سر بالاے قفا می باشد۔	بھونری کے بر موہاے گدی می شود آں را می گویند
۴ نکھ کی چوڑیاں ۔ ایک قسم کی چوڑیاں بہت عمدہ ہوتی ہیں [انھیں کہتی ہیں]	قسم عمدہ از اقسام چوڑیہا	قسم چوڑی ست و بسیار عمدہ می باشد آں را می گویند۔
۵ ناک چوٹی گرفتار ہے ۔ صاحب غیرت ہے اور نخوت و پندار میں گرفتار ہے۔	سخت غیور و نازک طبع و متکبر است	نخوت و غرور دارد و دماغ و نیز در آلائش مبتلا را گویند۔
۶ ناک چنے چبوائے ۔ کمال اذیت دی، مردوں کی زبان پر بھی ہے ۔	آزار بسیار رسانید، مرداں نیز بہ ہمیں معنی بر زبان دارند	کمال اذیت و تکلیف دادہ و کار مشکل کردہ

میں یہ اضافہ سنہ ۱۸۳۵ء کے بعد کا ہو۔

(بقیہ نوٹ)

ن

رنگین	انشا	نوادر الالفاظ
۷ ناک نہ رہی - عزت وحرمت نہ رہی	غیرت نہ ماند	حرمت وآبرو، عزت واعتبار برباد رفت بے
۸ ننگی شمشیر ہوں - بے محابا اور نڈر ہوں	بے محاباہوں وصاف گونیز	محابا و بے ترس و بے پرواہوں (یہ جملہ غمازی کر رہا ہے کہ میرا ماخذ دیوان رنگین کا اردو دیباچہ ہے)

انشا کی فارسی تشریحیں شاہد ہیں کہ انھوں نے واقعی رنگین کی اردو تشریحوں کا لفظاً ومعنًی فارسی میں ترجمہ کیا ہے، بلکہ انشا کی فارسی میں رنگین کی اردو سے زیادہ اختصار وجامعیت ہے، اور اگر مشترک محاوروں کی ترتیب پر نظر کی جائے تو اس میں تقدیم وتاخیر حسب ذیل ہوئی ہے: —

باب الف																		
دریائے لطافت	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸
نوادر الالفاظ	۱	۴	۲	۵	۷	۹	۸	۶	×	۱۵	۱۰	۱۴	۱۱	۱۲	×	۱۶	۱۷	۳
رسالۂ اردو	۴	۳	۱	۵	۶	۱۰	۷	۹	۱۱	۸	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۲

یعنے دریائے لطافت میں پہلا لفظ "المست" ہے تو نوادر الالفاظ میں بھی پہلا لفظ "المست" ہے لیکن رسالۂ اردو میں "المست" چوتھا لفظ ہے

(باقی)

رنگین کا تسمیہ بیان اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب بے تکا ہے، انشا نے دو تین دن کے کافی

(بقیہ نوٹ) وعلی ہذا القیاس، اور جو لفظ مذکور اٹھارہ لفظوں کے علاوہ ہیں وہ مذکور الفاظ کے شروع، درمیان اور آخر میں آگئے ہیں۔

باب ح، خ

دریائے لطافت	۱	۲	۳
نوادر الالفاظ	۱	۲	۳
رسالۂ اردو	۱	۲	۳

باب ن

دریائے لطافت	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
نوادر الالفاظ	۵	۶	۴	۷	۱	۲	۳	۸
رسالۂ اردو	۱	۳	۲	۴	۵	۶	۷	۸

ظاہر ہے کہ دریائے لطافت اور نوادر الالفاظ اور رسالۂ اردو میں باب ح، خ میں محاوروں کی ترتیب یکساں ہے اور باب الف میں رسالۂ اردو کے تقریباً نصف محاورے ترتیب میں دریائے لطافت کے محاوروں کے مطابق ہیں، یعنے ساتواں محاورہ دونوں میں "اپر والیاں" ہے اور رسالۂ اردو میں بارھویں سے اٹھارھویں تک وہی ترتیب ہے جو دریائے لطافت میں گیارھویں سے سترھویں لطیفے تک ہے، باب نون میں رسالۂ اردو اور دریائے لطافت کے پونے محاوروں کی ترتیب مطابق ہے، لیکن نوادر الالفاظ کے کاتب نے خواہ مخواہ باب الف اور نون میں محاوروں کو مقدم اور موخر کیا ہے اور جب تک نوادر الالفاظ کے محاوروں کی اولیت ثابت نہ ہو اصل ترتیب میں تصرف کا الزام رنگین پر نہیں آسکتا،

اگرچہ نوادر الالفاظ کے "محاورات بیگمات" کی تحقیق اور تنقید کا لطائف السعادت سے کوئی تعلق نہیں

(باقی)

غور و خوض کے بعد دو تین معنی یا ب فقروں کا ایک خط قتیل کو لکھا، صبح جب قتیل سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ اب تیری مقدرت نہیں کہ اس کے جواب میں دم مار سکے، حال آں کہ انشا قتیل کے بچپن کے دوست تھے اور ان کے علمی کارناموں اور صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے بلکہ انھیں اپنی فارسی نثر میں کاٹ چھانٹ کی اجازت دیتے تھے تو لامحالہ انشا نے وہ رقعہ اس قدر محنت سے لکھا تھا کہ ان کی دانست میں قتیل جیسا ادیب بھی کافی غور و خوض کے بعد ہی اس رقعہ کا جواب لکھ سکتا تھا، اور قتیل کی بے نقط عبارتیں لکھ سکنے کی صلاحیت کا اندازہ لگانے میں انشا کو جو "قصیدۂ بے نقط در منقبتِ حضرت امیر المومنین المسمیٰ بہ طور الکلام" اور "مثنوی فارسی بے نقط اور "دیوان اردو بے نقط" اور "سلک گوہر" قصۂ اردو بے نقط" کے مصنف ہیں کبھی مغالطہ نہیں ہو سکتا تھا۔

رنگین کے متعلق ایک اور امر نظر میں رہے کہ وہ مصحفی کے بھی شاگرد تھے "..... در ایام آغاز شوق شعر تا در دہلی بود شعر خود را از نظر شاہ حاتم علیہ الرحمۃ می گزرانید، حالانکہ بفضل الٰہی در نظم کلام ترقی و امتیاز تمام پیدا کردہ از راہ انصاف دیوان خود را از اول تا آخر بہ نظر مولف در آوردہ، کلامش بسیار کم اصلاح بر آمد......" (تذکرہ ہندی ص ۱۰۱)

عاشقی نے انشا کے اس قول کو کہ "دیدی چہ قسم رقعۂ نوشتم الخ" انشا کا "مزاح" اور "خوش طبعی" اور "اختلاط" قرار دے کر قارئین کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کوئی متین اور سنجیدہ قول نہیں ہے بلکہ انشا کا مقصد صرف قتیل کو چھیڑنا تھا، ع

اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی ادب میں قرآنی سورتوں کی بے نقط تفسیر کا اضافہ ہو گیا،

(بقیہ نوٹ) میں نے ان کے متعلق اپنے خیالات اختصار کے ساتھ اس لئے قلم بند کر دئے ہیں کہ قتیل اور انشا کے تعلقات کے مذکور میں رنگین کے دیباچے کا بھی ذکر آ گیا ہے، اور اس دیباچے کے متعلق مزید تحقیق کرنے والوں کے لئے غالباً میرے یہ خیالات مفید ثابت ہوں گے۔

سوال از آسماں جواب از ریسماں

قتیل کی بدحواسی بھی عجیب ہے کہ انشا نے اپنے بے نقط رقعے کا جواب مانگا تو انھوں نے قرآن کی سورتوں کی بے نقط تفسیر لکھ ڈالی، علاوہ عاشقی نفسیات سے اس قدر ضرور واقف ہیں کہ جب انھوں نے قتیل کی تفسیر کو فیضی کی سواطع الالہام سے بہتر کہہ دیا ہے تو سخن فہم بھی اور سخن نافہم بھی "خموشی" اختیار کریں گے، اور یہ نتیجہ غلط ہے کہ ہر وہ عالم جو "ترجمان القرآن" جیسی تفسیر لکھ سکتے ہیں وہ "غبار خاطر" جیسے رقعات بھی لکھ سکتے ہیں۔

عاشقی کی عبارت "تفسیر بے نقط سورہ ہائے قرآنی کہ بہ آں مغفور از بر بود و می خواندند" سے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ قتیل نے "عرصہ یک نیم پاس" میں پورے قرآن کی تفسیر لکھ ڈالی تھی اور وہ حافظ قرآن بھی تھے۔

بہرحال شواہد موجود ہیں کہ انشا کے احباب اور معاصرین میں قتیل اور ان کے معتقدوں شاگردوں اور ہم خیالوں کی ایک ایسی جماعت ضرور تھی جو اپنی مجلسوں میں یا آپس میں شرب البیہو د کی طرح انشا کی فرضی خامیوں اور کمزوریوں کا ذکر کر کے مست ہو جاتی تھی، ذیل میں چند مزید مثالیں درج ہیں:۔

جلد دوم رقعات قتیل قلمی، کتب خانہ حبیب گنج:۔

رشتہ داروں سے بدسلوکی

رقعہ ۱۴۱- "برادر عم زاد میر محمد تقی کہ ملازماں او رادر الہ آباد دیدہ باشند بتاریخ بست و پنجم ذی الحجہ ایں جا وارد شدہ بود، فردا کہ بست و چہارم محرم است روانہ بریلی خواہد شد، انشاء اللہ خان صاحب ہیچ نپرسیدند کہ چکارہ است"

۱؎ "سنہ ۱۰۰۲ھ میں یہ تفسیر لکھی کہ علم و فضل کے ساتھ زور طبع اور جدت فکر کا زمانہ ہے (عمر ۴۰ سال) ۷۵ جز کی کتاب، تمام بے نقط قریب ایک ہزار بیت کا دیباچہ ہے، اس میں اپنا، باپ کا، بھائیوں کا اور تحصیل علم کا حال ہے، بادشاہ کی تعریف اور قصیدہ لکھا ہے، ۹۹ فقرے کا خاتمہ ہے کہ دائے مطلب بھی ہے اور ہر فقرہ تاریخ اختتام" دربار اکبری ص ۳۷۵ (باقی)

مخلص روز اول ہشت روپیہ طعام برائے او فرستادم و دیر و زپانزدہ روپیہ سکہ خود شیر میر تقی خرچ راہ داد، میر تقی بیچارہ بقدر مقدور در مہمانداری قصور نکرد"

شرم حاضراں و ضبط جزع و فزع انشا کی طبیعت میں کم تھا

رقعہ "۲۲" از واردات تازہ چہ بگویم وحتمل کہ از میر یوسف علی ملازماں ہم شنیدہ باشید یعنے پسر آغا صاحب کہ دو سالہ بود و مثل طوطی حرف میزد و کبک آسا ایں طرف و آں طرف می خرامید قضا کرد و کوہ غم بلکہ آسمان بلا بر سر ایشاں ریخت، لیکن چوں شرم حاضراں و ضبط جزع و فزع در طبیعت بسیار دارند ازیں سبب حالے کہ بحسب ظاہر بر میر انشاء اللہ خان صاحب طاری بود بر ایشان نیست، لیکن از ہمیں جزع نہ کردن حالت دیگر دریافت می شود کہ زہرہ سنگ آب می شود..........."

(بقیہ نوٹ) آسی لکھنوی لکھتے ہیں کہ " یہ روایت کتنی ہی معتبر اور راوی کیسا ہی ثقہ سہی مگر مجھے کسی طرح اول تو یہی یقین نہیں آتا کہ انشا کسی چیز میں قتیل سے کم تھے اور قتیل کی عربی ایسی تھی اور وہ سواطع الالہام سے بھی اچھی عبارت لکھ لیتے تھے اور انشا منھ دیکھتے رہ جاتے تھے، دوسرے دو واقعے ہیں جن میں انھوں نے قتیل کو وہ کھری کھری سنائی ہیں جنھیں دیکھ کر یقین آجاتا ہے کہ قتیل کسی صورت میں انشا کے مدمقابل نہ تھے، میرے پاس کلیات انشا کا ایک نسخہ سنہ ۱۲۴۰ھ یا سنہ ۱۲۴۸ھ کا لکھا ہوا موجود ہے جو لکھنؤ میں لکھا گیا اور اس حساب سے وہ انشا کے انتقال سے سات برس یا زائد از زائد پندرہ برس بعد کا ہے اور اس کو جس شخص نے خریدا ہے اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ عبارت پہلے صفحے پر موجود ہے کہ " ایں کتاب بقیمت دہ روپی خریدا شد چرا کہ ہنوز رائج نیست" اس دیوان کے دوسرے ورق پر یہ واقعہ لکھا ہے جو انشا کے بیان پر مبنی ہے کہ " یک روز بعد نماز بہ تلاوت قرآن مجید مشغول بودم الخ"............ اسی طرح ہائے ہوز اور حائے حطی کا جھگڑا بھی دیکھئے..............."

قتیل کا اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ ع چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی ، ایک بات پر دہ مشکل سے قائم رہتے تھے مثلاً :-

مخزن الفوائد ، رقعہ ۵ ، "خط در ڈاک جناب عالی تلف نمی شود" پھر کہتے ہیں ، رقعہ ۸ "خط احدے در ڈاک انگریزی تلف نمی شود واگر مکتوب الیہ کہ خط برائے اوست ہم بجائے حرکت کند باز خط را ضایع نمی کنند یا بمکتوب الیہ می رسد اگر در ہماں قرب وجوار تردد دارد والا بہر کہ نوشتہ است پس میدہند ، بخلاف ڈاک جناب عالی کہ ہمیشہ در چہار خط دو بباد می رود "

(بقیہ نوٹ) " کلام انشا مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی اتر پردیش الہ آباد ، سنہ ۱۹۵۲ء " کے صفحہ لک پر غالباً اسی نسخے کا ذکر کیا گیا ہے ۔ لیکن اس میں صرف سنہ ۱۲۸۴ھ کا ذکر ہے ، معلوم نہ ہو سکا کہ آسی نے "سنہ ۱۲۸۴ یا سنہ ۱۲۸۸" کیوں لکھا ہے ، آسی نے جو لطیفے لکھے ہیں ان پر میں تبصرہ کر چکی ہوں ،

عاشقی کے قسمیہ بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انشا کے متعلق روایتوں کو رنگین سے منسوب کرنے کا دستور آزاد کے زمانے تک جاری رہا ، چنانچہ آزاد نے رنگین اور انشا کی جن چار ملاقاتوں کا ذکر آب حیات میں کیا ہے ، اور جن کا ماخذ نا معلوم ہے ، ان کی ابتدا یوں کی ہے "سعادت یار خان رنگین ان کے بڑے یار تھے اور دستار بدل بھائی تھے ، چنانچہ سید انشا خود کہتے ہیں

عجب رنگینیاں ہوتی ہیں کچھ باتوں میں اے انشا ؔ ؛ بہم مل بیٹھتے ہیں جب سعادت یار خاں اور ہم

خان موصوف کہا کرتے تھے کہ لکھنؤ میں سید انشا کے وہ رنگ دیکھے جن کا خیال کر کے دنیا سے جی بیزار ہوتا ہے ، الخ " ص ۲۹٦

انشا کے لڑکے

میرے پیش نظر کلیات انشا کا جو نسخہ ہے وہ ماہ فروری سنہ ۱۸۷۶ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا ہے، اس کے صفحہ ۳۰۴ پر قطعۂ تاریخ رحلت الماس علی خانؒ ہے جو حسب ذیل ہے:-

رفت الماس علی خاں طرف ملک بہشت — وائے ویلا زچنین حاتم دوراں افسوس
قائم اللیل وسحرخیز وانیس الفقراء — کس بنو داست چنین قاری قرآں افسوس
شصت سال است کہ اوقات شریفش آں بود — آوخ آوخ زچنیں مرد مسلماں افسوس
صبح درماتم او چاک گریباں کردہ — گشت مکروہ تر از شام غریباں افسوس

سال تاریخ وفاتش زخرد جستم گفت
حیف اے آہ از الماس علی خاں افسوس
۱۲۲۳ھ

اور صفحہ ۲۳۶ پر الماس علی خان بہادر کی مدح میں ایک قصیدہ ہے، اس کا مطلع ہے ؎

اندریں عصر اگر حضرت لقمان باشد — بہر یک لقمۂ ناں تابع دوناں باشد

اس قصیدے کے دو شعر ہیں ؎

ذاکر اللیل وسحرخیز انیس الغرباء — ہم چنیں کے بجہاں قاری قرآن باشد
چہل سال است کہ اوقات شریفش اینست — کس ندیدم بعبادت کہ بدینساں باشد

یہ شعر اس امر کا ثبوت ہیں کہ یہ قصیدہ "قطعۂ در تاریخ رحلت" کے بیس برس پہلے سنہ ۱۲۰۳ھ میں لکھا گیا تھا۔ کلیات میں بلحاظ ترتیب اس قصیدے سے پہلے جو قصیدۂ میمیہ در مدح الماس علی خان بہادر ہے، اس کو بلحاظ سنہ موخر ہونا چاہئے تھا۔ کیوں کہ اس میں تعالی اللہ کی پیدایش کا ذکر ہے جو سنہ ۱۲۰۹ھ میں ہوئی، لیکن اساتذہ کے دواوین میں یہ نقص عام ہے:-

از قدم بوست شرف روزے کہ حاصل ساختم — سوئے خانہ سر نمودم مرکب خود را زمام
پس ہماں روز وہماں ساعت ہماں لحظہ بہ فور — جائے گہ ناگرم کردہ بے قعود وبے قیام
تا کمر را واکنم خوش مژدہ آمد بگوشش — شد مبارک باد ہر سو گشت شایع ایں کلام

منجلی آئینۂ امید من شد واں مثال — صورت آم گرفت و در پذیرفت ارتسام

عمرہا شد دود مانم بے چراغ افتادہ بود — زیں تاسف دود برمی خواست از راہ مشام

بود انشاء اللہ اینک حق تعالی از کرم — داد فرزندے بمن او را تعالی کرد نام

راستی ایں است گر حال درستی داشتم — می فرستادم بخدمت چیز کے آش و طعام

چوں چنیں با ہیچ نہجے لایق و موقع نہ بود — کردم انشا ایں قصیدہ آمدم بہر سلام

اور انشا کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ تعالی اللہ خان کی وفات آٹھ برس کی عمر میں جمعرات ۲۸ ذی حجہ سنہ ۱۲۱۷ھ مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۰۲ء میں ہوئی :-

پنجشنبہ اور بست و ہشتم ذی حجہ تھی — دو گھڑی دن سے تم اپنی کر گئے منزل کوطے

یہ تمھارے کوچ کی تاریخ بابا نے کہی — اے تعالی اللہ صاحب صد ہزار افسوس ہے

بیاز حق مگذر اے سیاہ روگردوں — جفانہ بود بر ال ماہ ہشت سالہ روا

اس لحاظ سے تعالیٰ اللہ کی ولادت سنہ ۱۲۰۹ھ کے آخر میں ہوئی ہے،

انشا کے ایک اور فرزند سید اشکر اللہ کا انتقال چہار شنبہ ۵ ذی حجہ سنہ ۱۲۲۲ھ مطابق ۳ فروری سنہ ۱۸۰۸ء میں ہوا، قطعۂ تاریخ رحلت فرزند دلبند سید اشکر اللہ اسکنہ فی مہد جنانہ وبمنہ واحسانہ،

گشت خارستاں گلستاں اشکر اللہ ایں چہ شد — ایں چہ شد اے جان بابا ایں چہ بود آہ ایں چہ شد

صبح من بدتر تر (کذا) از شام غریباں گشتہ است — آوخ آوخ وائے از یاد سحرگاہ ایں چہ شد

یک ہزار و دو صد و بست و دوم از ہجرتت — حالیا کاں یوسف من رفت در چاہ ایں چہ شد

چہار شنبہ پنجم ذی حجہ ایں رو داد گشت — آفتابم شد نہاں در ابر ناگاہ ایں چہ شد

سال تاریخ جدائی واد ریغا گفت و رفت — اشکر اللہ آں پسر کو بود چوں ماہ ایں چہ شد
۱۲۲۲ھ

حاصل یہ کہ انشا کے دو لڑکے تھے ایک سید تعالی اللہ خان جس کی پیدائش سنہ ۱۲۰۹ھ میں اور وفات سنہ ۱۲۱۷ھ میں ہوئی دوسرا سید اشکر اللہ خان جس کی پیدائش کا سنہ معلوم نہیں لیکن اس کی وفات سنہ ۱۲۲۲ھ میں ہوئی،

لیکن رقعات قتیل کے رقعہ ۱۳۶ میں جو پنجشنبہ ۱۴ جمادی الاولی سنہ ۱۲۲۶ھ م ۶ جون سنہ ۱۸۱۱ء میں لکھا گیا ہے ایک اور لڑکے کا ذکر آیا ہے :—

"چوں خان موصوف ہجو بعض بے گناہانِ گوشہ نشیں و دیگر اجلّہ و اہالی کردہ بود، ہمہ را بہ گفتۂ سبحان قلی بیگ یقین حاصل شد کہ ایں ہجو ہا گفتۂ خان مزبور است، و دفعتہً مستعد آں شدند کہ بلائے بر سر خان موصوف نازل بکنند، ایں مرد دست و پاچہ شدہ، داماد و پسر خود و دیگر آشنایانِ خویش را نزد طرف ثانیہا فرستادہ بہ الحاح و زاری پیش آمدہ، بہ ایمان مؤکّدہ و احلاف عرضیہ ازیں بلیّہ محفوظ ماند"

اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۲۶ھ میں انشا کے ایک فرزند زندہ تھے اور ان کی عمر اتنی کافی تھی کہ وہ اپنے بہنوئی اور اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ شہر کے "اجلّہ و اہالی" کے پاس پہنچ کر اپنے باپ کی بے گناہی اور راغب کی فساد انگیزی کا ثبوت دے سکتے تھے

اس میں بھی کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا کہ تعالی اللہ انشا کا پہلا لڑکا تھا۔ انشا کے کلام میں اس کے ثبوت موجود ہیں مثلاً

عمرہا شد دود مانم بے چراغ افتادہ بود — زیں تأسف دود بر می خواست از رہ مشام
بود انشاد اللہ اینک حق تعالی از کرم — داد فرزندے بہ من او را تعالی کرد نام
(ص ۲۳۵)

دیوان غزلیات صفحہ ۱۶۲ :—

جلد اچھا ہو یہ تعالی اللہ — یہی انشا کے گھر کی پونجی ہے
تیری بخشش ہوئی خداوندا — میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے
ہیں ترے صدقے بس یہی میرے — دل و جان و جگر کی پونجی ہے

اور تاریخ وفات میں لکھتے ہیں :—

کجاست آں ہمہ روشن جبیں تعالی اللہ — ذخیرۂ ہمہ عمر شفیق من!

"ذخیرۂ ہمہ عمر" سے ظاہر ہے کہ تعالی اللہ کی وفات تک کوئی اور لڑکا نہیں ہوا تھا اور اگر سال دو سال کے بعد بھی دوسرا لڑکا ہوا تھا اور وہی تھا جو سنہ ۱۲۲۶ھ میں زندہ تھا تو اس کی عمر پندرہ یا سولہ سال کی ہونی چاہیے۔ واضح ہے کہ شکر اللہ کی عمر وفات کے وقت خواہ کتنی ہی کم ہو لیکن (۱۲۲۲ — ۱۲۱۷ = ۵)

پانچ سال سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی، آزاد لکھتے ہیں کہ "قتیل کے رقعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۲۵ھ میں وہ موقوف ہو کر خانہ نشین ہوئے تھے مگر معلوم نہیں کہ یہ آخری خانہ نشینی تھی یا اس کے بعد پھر بحال ہو گئے تھے" آب حیات ص ۲٦۹

قاضی عبدالودود صاحب لکھتے ہیں کہ "انشا کا معزول ہو کر پھر بحال کیا جانا میں نے کہیں نہیں دیکھا اور نہ خود آزاد کو اس پر اصرار ہے معزولی ربیع الاول سنہ ۱۲۲٦ھ میں ہوئی (نوائے ادب)

تو یہی لڑکا جو "انشا کا نوجوان بیٹا" تھا موقوفی اور خانہ نشینی کے زمانے میں فوت ہو گیا تھا، موقوفی اور خانہ نشینی کی مصیبت پہلے سے تھی ہی، تازہ مصیبت یہ ہوئی کہ نوجوان بیٹا مر گیا۔ ع

سمند یاس پہ اک اور تازیانہ ہوا

جزع و فزع" کے سب مدارج سنہ ۱۲۱۷ھ اور سنہ ۱۲۲۲ھ میں طے ہو چکے تھے، اب صرف یہ باقی رہ گیا تھا کہ اس صدمے سے حواس میں فرق آجائے، صاحب دستور الفصاحت لکھتے ہیں کہ "آخر آخر مجنوں شدہ چند سال گزشتہ بودند کہ بہماں مرض در گزشت، خدایش بیامرزد" آزاد لکھتے ہیں کہ "تازہ مصیبت یہ ہوئی کہ تعالی اللہ خان نوجوان بیٹا مر گیا، اس صدمے سے حواس میں فرق آگیا، ایک دن سعادت علی خان کی سواری ان کے مکان کی طرف سے نکلی، کچھ غم و غصہ، کچھ دل بے قابو، غرض سر راہ کھڑے ہو کر سخت و سست کہا، سعادت علی خان نے جا کر تنخواہ بند کر دی، اب جنون میں کیا کسر رہی"

آزاد کے بیان میں غلطی صرف اس قدر ہے کہ انھوں نے "نوجوان بیٹا مر گیا" کی جگہ "تعالی اللہ خان نوجوان بیٹا مر گیا کہا، اب جس کسی کے پیش نظر وہ قلمی نسخہ ہے جو قاضی صاحب کے پیش نظر ہے تو وہ بلا زحمت کہہ سکتا ہے کہ سنہ ۱۲۲٦ھ میں قتیل نے جو رقعہ لکھا ہے اور اس میں انشا کے جس زندہ پسر کا ذکر ہے اگر وہ مر جائے تو وہ "تعالی اللہ" تو نہیں ہو سکتا، لیکن آزاد کے اس قول سے بھی کہ "نوجوان بیٹا مر گیا" انکار ممکن نہیں،

انشا کے دماغ میں شعر گوئی کی جو صلاحیتیں تھیں ان میں اتنا نظم خانہ نشینی اور موقوفی اور نوجوان بیٹے کی موت نے کہاں باقی چھوڑا تھا کہ وہ اس سانحے کو نظم کر دیتے، لیکن یہ نتیجہ قطعی نہیں

ہوسکتا، ممکن ہے کہ کسی قلمی نسخے میں یہ تاریخ بھی مل جائے یا اس کے متعلق معاصرانہ شہادتیں فراہم ہوجائیں

"شاعر" آگرہ بابت جولائی سنہ ۱۹۵۰ء میں قاضی عبدالودود صاحب نے ایک مضمون "تعالی اللہ خان خلف انشا" کے عنوان سے اور دوسرا مضمون "نوائے ادب" بمبئی بابت جنوری سنہ ۱۹۵۱ء میں "کچھ انشا کے بارے میں" کے عنوان سے لکھا ہے، میں نے "تعالی اللہ" اور "اشکر اللہ" کے بارے میں معلومات انھیں مضامین سے لئے ہیں۔

قاضی صاحب کو جن مقامات میں سہو ہوا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

آ "تعالی اللہ خان خلف انشا" ("شاعر" آگرہ)

(۱) قاضی صاحب: "اس نسخے میں تعالی اللہ خان سے متعلق کئی نظمیں ہیں جن میں سے تین انشا کی اور ایک ایک قتیل اور کسی غیر معروف شاعر سلطان کی ہے"۔

میری دانست میں پہلی تاریخ انشا کی لکھی ہوئی نہیں ہوسکتی کیوں کہ اس کے بعض شعر یہ ہیں:-

نور چشم سید انشا کہ بود	نام او سید تعالی اللہ خاں
طوطی شکر شکن در گفتگو	والدین خویشتن را جان جاں
حال سوز والدین او مپرس	ہم چوں شمع آہ می سوزد زباں
تار داماں گل صفت صد پارہ جیب	ہمچو سنبل بس پریشاں حال شاں
سال تاریخش زہاتف خواستم	گفت بر برگ گلم آمد خزاں

یہ صحیح ہے کہ شاعر کبھی اپنے کو اپنا غیر تصور کرتا ہے لیکن "سید تعالی اللہ خان کے ماں باپ کے سوز کا حال نہ پوچھ، آہ میری زبان شمع کی مانند جل رہی ہے" اس جملے میں "آہ زبانم، ہمچو شمع می سوزد" کا قایل "والدین تعالی اللہ" میں سے یک نہیں ہوسکتا، اور وہ اپنے لئے ضمیر جمع غائب نہیں استعمال کرے گا۔ ع ہم چوں سنبل بس پریشاں حال شاں

علاوہ انشا یوں کبھی نہ لکھتے کہ "سید انشا کی آنکھوں کا نور جس کا نام سید تعالی اللہ خاں تھا جہاں سے گزر گیا"، بلکہ یوں لکھتے کہ "میری یا ہماری آنکھوں کا نور الخ" مثلاً

چہ کردی اے فلک فتنہ گر دریغ دریغ	چہ کردی آہ کہ کشتی چراغ خانۂ ما

چرا قرار دل ما زما جدا کر دی   بہ وادی غم و حیرت گذاشتی تنہا

کجاست آں ہمہ روشن جبیں تعالی نام   ذخیرہ ہمہ عمر شفیق من انشا

لیکن تعالی اللہ کی پذیرائی میں حوریں کہیں گی کہ افسوس تعالی اللہ انشا سے جدا ہو گیا ؎

بہ خلد رفت و بر آمد خروش از حوراں   کہ "وائے وائے تعالی جدا شد از انشا"

اسی طرح ہاتف نے کہا ہے نہ کہ تاریخ نویس شاعر نے کہ "میرے گلاب کی پتی پر خزاں آگئی"

اس لحاظ سے پانچ تاریخوں میں سے پہلی تاریخ کسی نامعلوم شاعر کی اور اس کے بعد کی دو تاریخیں انشا کی اور ایک تاریخ قتیل کی اور آخری تاریخ سلطان کی کہی ہوئی ہے۔

(۲) قاضی صاحب فرماتے ہیں "بر برگ گلم آمد خزاں" اور "اے تعالی اللہ صاحب صد ہزار افسوس ہے" کے نیچے ۱۲۱۷ ھ مرقوم ہے لیکن مقدم الذکر سے تو یہ نکلتا ہے، موخر الذکر سے ۱۲۲۸ ھ مستخرج ہوتا ہے" وائے وائے تعالی جدا شد از انشا" کے اعداد بھی ۱۲۱۷ ہیں مگر اس کے نیچے کوئی ہندسہ نہیں" "آہ و صد آہ زاندوہ جگر ہا بشگافت" میں اگر "آہ" اور "صد" کے درمیان کا "و" کاتب کا اضافہ سمجھا جائے تو باقی ماندہ حروف سے ۱۲۲۱ نکلتا ہے، ورنہ ۱۲۲۷، اس کے نیچے بھی ۱۲۱۷ ھ لکھا ہے، "اے آں کہ بخلد آمدی ہم چو شمال" کے اعداد ۱۲۰۳ ھ ہیں اگر "ک" از روئے کرم کے ۲۰ بڑھائے جائیں تو ۱۲۲۳ ہوتا ہے، "راہ دراز ؛ گرم آمدہ بنوش ایں آب زلال" سے ۱۲۱۸ مستخرج ہوتا ہے اور "اے عزیز حیدر ؛ وے آل نبی و پاک و معصوم تعالی" سے بھی یہی نکلتا ہے، ان تینوں کے نیچے ۱۲۱۷ مرقوم ہے، میرے نزدیک ان تمام سنین میں ۱۲۱۷ مرجح ہے، چوں کہ تاریخ وفات ۲۸ ذی حجہ ہے اور عمر ۸ برس کی ہے ولادت ۱۲۱۰ کے اوایل یا ۱۲۰۹ کے اواخر ہوئی ہوگی"۔

معلوم ہوتا ہے کہ شمار اعداد میں گڑبڑ ہو گئی ہے ورنہ ع اے تعالی اللہ صاحب صد ہزار افسوس ہے سے ۱۲۱۸ اور ع آہ و صد آہ ز اندوہ جگر ہا بشگافت سے ۱۲۱۸ اور ع اے آں کہ بخلد آمدی ہم چو شمال سے ۱۱۹۷ بر آمد ہوتے ہیں، اور "چو" میں صرف "چ" کے تین عدد لئے گئے ہیں۔

(١) اے، ت ع ال ی ال لٰہ، ص اح ب، ص د، ہ زا ر، اف س و س، ہ ے = ١٢١٨

(٢) اہ، و، ص د، اہ، ز، ان دوہ، ج گ ر ہ ا، ب ش گ اف ت = ١٢١٧

(٣) اے، ان، ک ہ، ب خ ل د، ام دی، ہ م، چ، ش م ال = ١١٩٧ + ٢٠ (ک) = ١٢١٧

پانچ تاریخوں میں سے سلطان کی ایک تاریخ میں تین مادے ہیں اس طرح جملہ سات مادے ہوئے، ان میں سے چار مادوں سے عدد ١٢١٧ اور تین مادوں سے عدد ١٢١٨ نکلتے ہیں:-

سنہ ١٢١٧

(١) نامعلوم شاعر "گفت بر برگ گلم آمد خزاں"

(٢) انشا کہ "دلے وائے تعالی جدا شد از انشا"

(٣) قتیل "آہ وصد آہ ز اندوہ جگر ہا بشگافت"

(٤) سلطان "اے آں کہ بخلد آمدی ہمچو شمال" + ک

سنہ ١٢١٨

(١) انشا "اے تعالی اللہ صاحب صد ہزار افسوس ہے"

(٢) سلطان راہ دراز، گرم آمدہ بنوش ایں آب زلال

(٣) " اے عزیز حیدر، وے آل نبی وپاک ومعصوم نعال

١١ "کچھ انشا کے بارے میں" (نوائے ادب، بمبئی)

قاضی صاحب لکھتے ہیں "رقعات قتیل کے جو دو مطبوعہ مجموعے ہیں ان میں سے کوئی خط ایسا نہیں جس میں معزولی کا سنہ مندرج ہو، امامی کے مرتبہ مجموعے کے رقعہ ١٣٥ سے جو پنج شنبہ ١٤ رجمادی الاولی کا مرقومہ ہے یہ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ دو ماہ قبل برطرف ہوئے تھے، اس خط میں سنہ نہیں دیا، لیکن جنتری کی طرف رجوع کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ سنہ ١٢٢٦ھ ہے، سنہ ١٢٢٤، سنہ ١٢٢٥ اور سنہ ١٢٢٧ھ میں ١٤ رجمادی الاولی علی الترتیب منگل، اتوار اور منگل کو پڑتی ہے۔" رقعہ ١٣٥، ٢ ربیع الاول سنہ ١٢٢٥ھ کو لکھا گیا تھا نہ کہ جمعرات ١٤ رجمادی الاولی کو اور اس رقعہ ١٣٥ میں انشا کے بارے میں کچھ نہیں ہے، انشا کی معزولی کا ذکر رقعہ ایک سو چھتیس (١٣٦) میں ہے نہ کہ رقعہ ایک سو پینتیس (١٣٥) میں اور پھر رقعہ ایک سو چھتیس میں سنہ نہیں ہے، لیکن جنتری سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ١٢٢٦ھ میں جمادی الاولی کی چودھویں تاریخ جمعرات کو پڑتی ہے۔

فائدہ :—

رقعات قتیل (مرتبہ خواجہ امامی تلمیذ قتیل مطبوعہ مطبع مصطفائی سنہ ۱۲۵۹ھ) میں رقعوں کی ترتیب
سنین کے لحاظ سے نہیں ہے، یعنے ان رقعوں میں سب سے پہلا رقعہ جس میں سنہ ملتا ہے وہ اٹھارواں ہے، رقعہ ۱۸،
۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۲۲۷ھ، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ انیسواں [۱۹] رقعہ سنہ ۱۲۲۷ھ کے بعد کا ہے بلکہ
اس کی تاریخ ہے، رقعہ ۱۹، ۱۶؍ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ وعلی ہذا القیاس۔ رقعہ ۱۴۱۔ ۱۲؍صفر سنہ ۱۲۲۸ھ
رقعہ ۱۴۲۔ ۱۰؍ربیع الاول سنہ ۱۲۲۴ھ، رقعہ ۱۵۶۔ ۲۹؍جمادی الاول سنہ ۱۲۲۸ھ

اس لئے جن خطوط میں سنہ درج نہیں ہیں ان کے متعلق جب تک جنتری کی طرف رجوع نہ کیا
جائے پتا نہیں چلتا کہ ان کا صحیح مقام کیا ہے، رقعات قتیل مرتبہ خواجہ امامی کے جن رقعوں سے
انشا کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے وہ حسب ذیل ہیں:—

رقعات۔ ۶، ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۲۰، ۳۵، ۷۱، ۷۶، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۷۰

رقعہ ۸۰ میں انشا کے جس روزنامچے کا ذکر آیا ہے اغلب ہے کہ وہ ترکی روزنامچہ ہو:—

"خطے کہ ملفوف خط خانگی خانصاحب قبلہ میر انشاء اللہ خان صاحب فرستادہ ام وبہ صاحب
نرسیدہ، نرسیدنش از مجبوریہا، سترش این است کہ خان صاحب روزیکہ من این خط بخدمت
شاں رسانیدہ ام دو خط نوشتہ بودند یکے متضمن احوال خود کہ ہر روز می نویسند وآنرا در ڈاک
سپردہ بودند ودوم مشتمل بر ہنڈوی پنجاہ روپیہ بدکان مہاجن فرستادند، از اتفاقات
عباداللہ خانساماں خانصاحب خط فقیر را در خط ہنڈوی ملفوف کرد کہ باحتیاط تمام برسد یا
سہو واقع شد، چوں قاعدۂ فرقۂ مہاجن است کہ خط ہنڈویہا بعد جمع شدن روانہ می نمایند،
یک ہنڈوی را زود تر روانہ نمی سازند، ازیں جہت سہ چار روز بدکان مہاجن ماند، ودر
چہار روز ہرکارۂ مہاجن بلکھنؤ رسید وآں جا رسیدہ خدا داند کہ مہاجن چہ وقت باکرم
علی خان صاحب پدر زن خان صاحب خبر کرد، بالجملہ اکرم علی خان صاحب خط ندکور بہ برخوردار
کامگار میر محمد تقی خان سپردہ اند اگر فرستادہ باشند فہو المطلوب والا خدا بخش را در حویلی
اسمعیل گنج فرستادہ باید طلبید، ودیروز ہم خطے در لف خط خان صاحب فرستادہ
ام آنرا ہم برخوردار خواہند رسانید یا صاحب خود بطلبند" ص ۹۵ - ۹۹

"تحقیقی نوادر"

میری یہ تالیف ۱۹۴۹ء کے دسمبر کی اکیسویں کو پہلی بار شایع ہوئی تھی، اب اس کا دوسرا اڈیشن زیر طبع ہے اور اس میں دریائے لطافت کے متعلق مزید اور جدید مضامین شامل ہیں تحقیقی نوادر کا سائز وہی ہے جو پیش نظر کتاب کا ہے، پہلے اس میں ایک سو اسّی صفحے تھے مگر اب تین سو صفحے ہوں گے، جن قارئین اور کتب فروش اصحاب کو "تحقیقی نوادر" کے نسخوں کی ضرورت ہے وہ مولفہ کو اطلاع دیں۔

"تحقیقی نوادر" کے متعلق دنیائے اردو کے مشاہیر کی آرا، بترتیب حروف تہجی:۔

۱۔ آل احمد سرور، پروفیسر اردو لکھنؤ یونی ورسٹی۔ ۲۴ جنوری ۱۹۵۰ء

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ یہ مضامین چھپوا دئے، انشا، دستور الفصاحت اور دریائے لطافت پر آپ کی تحقیق نہایت مفید ہے۔"

۲۔ "اردو" رسالہ کراچی۔

"آمنہ خاتون صاحبہ کو اردو زبان وادب سے خاص لگاؤ ہے، اور یہ مضامین جو انھوں نے شایع کئے ہیں ان کے ادبی اور تنقیدی ذوق کے شاہد ہیں۔ ...... انشا کے متعلق مولفہ نے بڑی گہری تحقیقات کی ہے، آزاد کے فسانہ نما بیانات اور غلط رجحانات سے جو عام طور پر غلط فہمیاں اور غلط واقعات پھیل گئے ہیں ان کی تاریخی شواہد اور نیز اندرونی شہادتوں سے تردید کی ہے، ان کا یہ کام ادبی تحقیق میں بہت قابل تعریف ہے، ان میں سے ایک "انشا کے شورش پسند حریف" ہے، جس میں ان معرکوں میں جو انشا اور مصحفی کے درمیان پیش آئے انشا کو حق بجانب اور مصحفی کو قابل الزام ٹھہرایا ہے جس سے آزاد نے جو ڈراما آب حیات کے صفحات پر جمایا ہے وہ درہم برہم ہو جاتا ہے، دوسرا مضمون "انشا کے مربی" ہے۔ اس میں الماس علی خان اور

ایک دوسرا مضمون دستور الفصاحت مولفہ سید احمد علی یکتا لکھنوی پر ہے جس کا ایک حصہ مولوی امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے اپنے مقدمے کے ساتھ شایع کیا ہے، مولفہ نے اس کی ترتیب اور حواشی اور اصل کتاب پر تنقید لکھی ہے، اس میں دریاے لطافت کی تالیف وغیرہ کے متعلق بعض امور معرض بحث میں آگئے ہیں، ایک اور مضمون دریاے لطافت کے ترجمے اور اس کی غلطیوں کے متعلق ہے، یہ سب مضمون بڑی محنت اور تحقیق سے لکھے گئے ہیں"۔

۳۔ امتیاز علی خان صاحب عرشی، ناظم سٹیٹ لیبریری رامپور۔ ۲ فروری سنہ ۱۹۵۰ء

"تحقیقی نوادر نے مسرور کیا، ...... آپ کی گہری فکر اور عالمانہ نگارش کا مداح ہوں"۔

۴۔ حامد حسن قادری، پروفیسر اردو، سینٹ جانس کالج آگرہ۔ ۲۲ فروری سنہ ۱۹۵۰ء

"میں نے کیفی کا ترجمہ نہیں دیکھا .... آپ کا تبصرہ بلاشبہ دریاے لطافت کی بقا کے لئے ناگزیر تھا۔ مگر آپ کا تبصرہ کہاں کہاں طلبہ کی رہنمائی کرے گا، ضرورت ہے کہ ترجمے پر نظر ثانی ہو، غلطیاں درست ہوں پھر نصاب تعلیم میں شامل ہو آپ کے اور سب مضامین میں نے پڑھ لئے ہیں، ہر جگہ آپ نے خوب خوب داد تحقیق دی ہے، آپ کی اور ڈاکٹر صدیقی کی طرح مجھے بھی بال کی کھال نکالنے کا شوق ہے، اس لئے مجھے آپ کے تجزیوں میں بہت لطف آیا، انشاپر ضرور کام کیجئے ڈاکٹریٹ ملی رکھی ہے"۔

۵۔ سلیم جعفر، مرتب "گلزار نظیر" میرپور خاص، سندھ پاکستان۔ ۱۹ ستمبر سنہ ۱۹۵۰ء

"میں نے کتاب بغور پڑھی، آپ تنقید میں ایک نئی طرز کی موجد ہیں، اس سے پہلے شاید ہی کسی نے اپنے نظریات کی صحت کو اس طرح تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا ہو، لٹن اسٹریچی ...... (LYTTON STRACHEY) نے فن سوانح نگاری کا رخ اس طرح بدل دیا کہ

موضوع سوانح عمری کے حالات کی بنیاد تاریخی شہادت پر رکھ دی۔ میرے نزدیک فن سوانح نگاری میں جو مرتبہ اسٹریچی کا ہے فن تنقید میں وہی آپ کا ہے۔"

۶۔ سید احتشام حسین شعبۂ اردو لکھنؤ یونی ورسٹی، ۱۳؍ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء

"آپ نے جس محنت اور دلچسپی سے کام کیا ہے وہ اپنی آپ مثال ہے، یقین مانئے میں آپ کے مضامین سے بہت متاثر ہوا........ آپ نے جس محنت سے دریائے لطافت کے ترجمے پر نظر ثانی کی ہے وہ ہر تحقیق کرنے والے کے لئے قابل رشک ہے"۔

۷۔ (ڈاکٹر) سید عبداللہ پروفیسر اردو پنجاب یونیورسٹی، ۱۱؍ مارچ سنہ ۱۹۵۰ء

"موصوفہ کا نام اور کام میرے لئے محتاج تعارف نہیں، اس سے قبل بھی ان کے چند مضامین میری نظر سے گزرے ہیں، علمی تحقیق کے سلسلے میں ان کی صلاحیتوں کا پہلے ہی معترف تھا، اب اس مجموعے کے مطالعے سے میری رائے ان کے عمدہ تحقیقی کام کے بارے میں پختہ سے پختہ تر ہوگئی ہے، حق یہ ہے کہ اس مجموعے کی اشاعت سے بعض ایسی غلط فہمیاں دور ہوئی ہیں جن کو اب تک اردو شاعری کی تاریخ میں مسلمات اور حقایق سمجھا جاتا تھا۔

مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ انشا کے متعلق جتنی معلومات ان مقالات میں جمع ہوگئی ہیں وہ کسی اور تصنیف میں یک جا نہیں ملیں گی۔ میری رائے میں دوسرے مضامین بھی بہت سی نئی معلومات سے پر ہیں۔ اور ہر لحاظ سے قدر کے لائق ہیں.......... محترمہ ان کاوشوں اور تحقیقی کوششوں کے لئے لائق مبارکباد ہیں"۔

۸۔ (ڈاکٹر) سید محی الدین قادری زور، پرنسپل چادر گھاٹ کالج۔ حیدرآباد دکن ۲۷؍ اپریل سنہ ۱۹۵۰ء کو آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن حیدرآباد سے نشر کیا گیا۔

"تحقیقی نوادر ان علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے جو آمنہ خاتون صاحبہ نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں اور اس کے بعد تاریخ ادب اردو کے مختلف موضوعوں پر لکھے ہیں، ان میں زیادہ مضامین میر انشاء اللہ خان انشا سے متعلق ہیں، انشا کے حالات اور تصنیفات کی آمنہ خاتون صاحبہ نے اپنے مضامین اور امتحانی ضروریات کے پیش نظر بہت گہرا مطالعہ کیا ہے، اور اس

خصوص میں ان کی تحریریں ماہرانہ حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔"

۹۔ عباس شوستری (مہرین) پرنسپل اورینٹل کالج لاہور۔

"مجموعۂ تحقیقی مضامین" نوشتۂ خانم آمنہ خاتون لکچرر مہارانی کالج میسور را مطالعہ کردم حقیقتاً خانم مذکور زحمت کشیدہ تا چنین معلومات گران بہا تقدیم خوانندگان نمودہ است، زمانیکہ در کلاس B.A شاگرد بندہ بود احساس میکردم کہ استعداد مخصوص بہ کاوش وتحقیق دارد ویقین داشتم کہ اگر بکوشد در آیندہ خواہد توانست کہ خدمت شایان بہ ادبیات بلند وامید وار بودم کہ چنین خدمت بزبان فارسی خواہد کرد ولی ایشان اردو را ترجیح دادند زیرا کہ زبان مادری وبومی ایشان است والحق خدمتے کردہ اند کہ شایستۂ ستایش وہمہ گونہ تشویق است، انشاء اللہ در آیندہ یکی از نویسان نامی وگرامی ہندوستان خواہند شد، در خصوص "مجموعۂ تحقیقی مضامین" دوستم آقای دکتر سید عبداللہ شرحی نوشتہ ورای خویش را اظہار کردہ اند وچونکہ استاد زبان اردو میباشند نظریہ ایشان البتہ اہمیت دارد ودرست میباشد، بندہ بارای ایشان کامل اتفاق دارم ومیخواہم از خود چیزی بافزایم خداوند آمنہ خاتون را کامیاب گرداناد۔"

۱۰۔ عبدالقادر سروری، پروفیسر اردو، جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۲۰ فروری سنہ ۱۹۵۰ء

"کتاب کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، ایک دو مضامین میں نے اس سے پہلے دیکھے تھے، باقی مضامین بھی دیکھے، کافی محنت اور ذوق سے لکھے گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ آپ کی اس پہلی تصنیف پر میں مبارکباد دیتا ہوں توقع ہے کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔"

۱۱۔ عبدالماجد دریابادی۔ ایڈیٹر صدق

"یہ خاتون موصوفہ کے گیارہ مقالوں کا مجموعہ ہے جو عموماً زبان وادب اردو ہی کے کسی شعبے پر ہیں، بعض کا تعلق فارسی زبان سے بھی ہے، دو ایک ایسے بھی ہیں جن میں لسانی تحقیق کے بجائے تاریخی جرح وتعدیل کا پہلو غالب ہے، (جرح وتعدیل کا پہلو غالب ہے) ایسا شاید کوئی بھی نہیں جو بغیر پوری تلاش اور پورے احساس ذمہ داری کے یوں ہی تفریحاً یا دفع الوقتی

کے لئے لکھ ڈالا گیا ہو بڑا ہو یا چھوٹا ہر مضمون لکھنے والی کی کاوش دماغ، متانت قلم و ذوق سلیم کا آئینہ دار ہے .... اردو کے قواعد وغیرہ کے سلسلے میں جو داد تحقیق دی گئی ہے وہ بینشک لائق داد ہے اور دریائے لطافت کے اردو ترجمے (شایع شدہ انجمن ترقی اردو) اور دستور الفصاحت کی ترتیب و تحشیہ پر جو فاضلانہ تنقیدیں ہیں انھیں پڑھ کر تو حیرت و عبرت دونو ہوتی ہے، نمبر دس پر جو مقالہ "اکبرالہ آبادی اور پردہ" پر ہے وہ بڑی حد تک معقول و متوازن و منصفانہ ہے ...... کتاب بحیثیت مجموعی ہر اردو زبان کے متعلم کے کام کی ہے مبتدی تو کم لیکن متوسط اور منتہی اس سے پورا فائدہ اٹھا سکیں گے۔"

۱۲۔ (قاضی) عبدالودود صاحب، بیرسٹرایٹ لا، پٹنہ - ۲ر مئی ۱۹۵۰ء

"آپ کی کتاب محنت اور غور و فکر سے لکھی گئی ہے، اسے سرسری نظر سے پڑھنا اس پر ظلم کرنا ہے۔

۱۳۔ "ماہِ نو" کراچی

"موصوفہ کو اردو ادب اور زبان سے متعلق تحقیق و تفتیش سے گہرا شغف ہے .... اس مجموعے میں کئی مضمون انشا کے بارے میں ہیں جن میں موصوفہ نے اردو کے تحقیقی ادب میں گراں قدر اضافے کئے ہیں، دریائے لطافت کا جو اردو ترجمہ شایع ہوا ہے اس کے بعض سقم بھی موصوفہ نے پیش کئے ہیں، ...... غرض تحقیق کا جو معیار اس مجموعے میں نظر آتا ہے اس پر مصنفہ کو مبارک باد دینی پڑتی ہے۔"

۱۴۔ "معارف" اپریل ۱۹۵۰ء اعظم گڈھ

"ان مضامین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ کا علمی و ادبی ذوق سنجیدہ اور اردو زبان و ادب پر ان کی نظر گہری اور وسیع ہے، تنقیدی مضامین خصوصیت کے ساتھ مصنفہ کی وسعت و دقت نظر اور تلاش و تحقیق کا نمونہ ہیں، نئی پود میں عورتوں کا کیا ذکر مردوں میں بھی صحیح علمی مذاق کا فقدان ہے، ایسی حالت میں ایک خاتون کے قلم سے ایسے مفید علمی مضامین اور بھی لایق تحسین و آفریں ہیں۔ مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ آئندہ اردو زبان کے ادیبوں کی صف میں مصنفہ کی ممتاز جگہ ہوگی۔"

۱۵۔ نصیر الدین ہاشمی، ممتاز میاانش روڈ، لکڑی کاپل، حیدرآباد دکن ۶ر فروری ۱۹۵۰ء

"دریائے لطافت جس قدر اہم ہے۔ اسی قدر غیر دلچسپ کہی جا سکتی ہے، اس لئے اس پر تحقیقی کام کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے، آمنہ خاتون لایق ستائش ہیں کہ انھوں نے اس پر قلم اٹھایا اور پوری تلاش اور کاوش کے ساتھ داد تحقیق دی ہے۔

انشاء اللہ خان کے متعلق جو مضامین اس کتاب میں شامل ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا ڈاکٹری کا مقالہ کس قدر بلند پایہ کس قدر اہم، کس قدر تحقیقی ہوگا۔

اس پر تعجب ہوتا ہے کہ آپ میسوری متوطن ہونے کے باوجود کیسی رواں، شگفتہ اور فصیح اردو لکھتی ہیں، نہ صرف ریاست میسور بلکہ جنوبی ہند کو آپ پر فخر کرنا واجبی اور درست ہو سکتا ہے۔

۱۶۔ "نگار" لکھنؤ۔ مارچ ۱۹۵۰ء

"اس مجموعے کے تمام مضامین اردو ادب سے تعلق رکھتے ہیں اور کافی تحقیق اور جستجو کا نتیجہ ہیں۔

۱۷۔ "ہمایوں" لاہور۔ اپریل ۱۹۵۰ء

"موصوفہ کو تحقیق و تنقید کا بڑا ملکہ ہے اور وہ بڑی ژرف نگاہی سے حالات اور واقعات کی چھان بین کے علاوہ اپنے مفہوم کو سلجھا کر بیان کرنا بھی جانتی ہیں، اس کتاب کے ایک مقالے "انشا کے شورش پسند حریف" میں انھوں نے انشا کے بارے میں آزاد کی افسانہ طرازیوں اور رام بابو سکسینہ کی سطحی رائے کی جس قابلیت سے مسکت تردید کی ہے اس کی نظیر یں اردو کے تنقیدی ادب میں بہت کم ملیں گی۔ اپنے معاشرے کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے اس کتاب کے مطالعے کے بعد حیرت ہوتی ہے کہ ایک مسلمان خاتون نے سنجیدہ تنقید نگاری کا وصف کس خوبی سے پیدا کیا ہے، ہم انھیں اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہیں۔

۱۸۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان، پروفیسر جامعۂ عثمانیہ لالہ گوڑہ حیدرآباد دکن، ۲۹ فروری ۱۹۵۰ء

"میں آپ کو اس خالص علمی تحقیق پر مبارکباد دیتا ہوں جو موضوع آپ نے تحقیق کے لئے چنے ہیں وہ بظاہر چاہے کتنے ہی خشک کیوں نہ معلوم ہوں لیکن لسانیاتی نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت مسلّم ہے۔ اُمید ہے آپ اپنی تحقیق کا سلسلہ جاری رکھیں گی اور اسی طرح جنوبی ہند میں اردو کی خدمت انجام دیتی رہیں گی۔

لطائف السعادت غلط نامہ

کرم فرما جناب عرشی صاحب نے متن کے بعض لفظوں اور میرے بعض ترجموں کے متعلق جو رائے دی ہے میں نے اس غلط نامے میں آپ کے نام کے ساتھ لکھ دی ہے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
ب	۱۲	اصل سائز	دو تہائی سائز
ج	۷	میں ان کو صحیح ترجمے سمجھتی ہوں اختیار ہے کہ	میں ان کو صحیح ترجمے سمجھتی ہوں پھر بھی بقول عرشی صاحب "انسانی سہو و نسیان ایک بالمدار اور رواں دواں حقیقت ہے" اختیار ہے کہ
ج	۱۹	خوش معرکۂ انبیا	خوش معرکۂ زیبا
ط	۷	رند لاامالی	رند لاابالی
"	۱۰	(۱)	(۲)
س	۱۳	معالات	معاملات
ای	۱۹	کھائی	کھلائی
۲	۲۲	کھدکا	کھٹکا
۱۰	۱۰	پنہا است	پنہا نیست
"	۱۹	بہ جائے	بہ جاے
۱۲	۱۳	شریف کہ	شریف مکہ
۱۶	۲	مُحمّدِث	مُحمّدت
۱۸	۹	بار برادرے	بار بردارے
۱۹	۴	گوہر معنی کے خزانے	گوہر معنی کے سو خزانے
۲۱	۱۴	اصرار کیا یہ کہ	اصرار کیا کہ
۲۲	۵	مذکور	مذبور
"	۱۰	قلمی نسخے میں "درہیچ گونہ" ہے، عرشی صاحب کی دانست میں اس کی جگہ "ہیچ گونہ" ہونا چاہیے۔	
۲۳	۱۳	ایک سیر	آدھا سیر
"	۹	(یعنے شعلے ..... بہ گیا تھا	(یعنے شعلے ..... آگیا تھا)
۲۴	۱۴	بگھاریئے	بگھاریے
۲۷	۱۰	سامع بیچارے	تقریر کی اس خوبی سے سامع بیچارے
		فرمانیدہ	فرمایند

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲	۸	راہ دادن	راہ نہ دادن
۳۳	۱۵	والجار الجنب	والجار ذی القربیٰ و الجار الجنب
"	۲۰	یتفکرون خلق السموات	یتفکرون فی خلق السموات
"	۲۱	ربنا خلقت	ربنا ما خلقت
۳۵	۱	بتانا	دکھانا
"	۲	یا دوسرے	ورنہ دوسرے
"	۸	آج میں نے	آج سے میں نے
۳۶	۱۱	طعامہائے خوب خوب	طعامہاے خوب خوب
۳۸	۱۱	قلمی نسخے میں "وہاں ہیوں" ہے، عرشی صاحب کی دانست میں اس کی جگہ "اوہاں ہیوں" ہونا چاہیے۔	
۳۹	۷	سخت درگیرم	سخت درگیر آمدم
"	۱۰	سے کہا	کو حکم ہوا
"	۱۲	ایک دن	ایک دن حضور میں
۴۱	۶	خانۂ خالی فیر برنج	خانۂ خالی میں شیر برنج
"	۴	دنیا کے	دنیا بھر کے
"	۵	ایک روز	ایک روز میں
۴۳	۱۰/۱۱	اور اخلاق سے (کسی کو نہیں کہتے تھے کہ تم قابل خطاب نہیں) اتفاقاً	اور از راہ اخلاق (جیسی علی ہے) نہیں فرماتے تھے (کہ تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ) اتفاقاً (عرشی)
۴۴	۱۰	جائے	جاے
۴۵	۱	جیسا کہ پتھری	جیسا کہ مثانے کی پتھری
"	۳-۵	یہ واقعہ جرنیل مارٹین کی کوٹھی میں ہوا جس کو پیر و مرشد (سعادت علی نے میرے ولی نعمت (سلیمان شکوہ) کے لئے خرید کر اب	یہ جرنیل مارٹین کی کوٹھی کا واقعہ ہے، جسے میرے پیر و مرشد برحق (اور ولی نعمت نے (یعنی سعادت علی خان نے)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
		اصلاح سے رنگ دوس بریں بنادیا ہے اور فرح بخش کے خطاب سے سرفراز کیا ہے۔	خرید کر درست فرمایا ہے (اور) اب رنگ دوس بریں بناکر فرح بخش کے خطاب سے سرفراز کیا ہے (عرشی)
۴۵	۱۴	بٹھا رکھا ہے	بٹھا رکھا تھا
۴۶	۱۵،۵	منغض	منغص
۴۷	۱۰	منتیں مانی تھیں	بہت سی منتیں مانی تھیں
۴۸	۱	بیرون	بیرون
۴۹	۱	نور کو تازہ کرنے کے لئے	نور کو واپس لانے کیلئے
۵۰	۸	اکثر یہ	اکثر بہ
۵۲	۵	کیھے	کینھے
"	۱۱	قلمی نسخے میں "می نوسید" ہے اس کی جگہ "می نویسانند" ہونا چاہئے۔	
۵۴	۳	نوشتہ	نوشتہ
"	۷	لاے اعلی	ملاے اعلی
۵۵	۸	بندے کے دستخط کے ساتھ	بندے کی تحریر ہیں
۵۶	۱	یہ کنہ	بہ کنہ
۶۱	۲	دوسروں کے	دوسروں (کی ملوا دیں) کے
۶۵	۹..۱۰	آفرین علی خان کے جوان بیٹے مرزا آغاجان بڑے بالیاقت ہیں اور ان کی آپس میں محبت مشہور ہے۔	مرزا آغاجان بڑے بالیاقت جوان ہیں اور آفرین علی خان صاحب کے بیٹے اس وجہ سے مشہور ہیں کہ ان دونوں میں بے حد محبت ہے۔ (عرشی)

عرشی صاحب کی اصل عبارت یہ ہے "کیا آفرین علی خان قابل تولید تھے؟ میری دانست میں تو "از فرط محبت فیمابین" وجہ ہے "پسر آفرین علی صاحب مشہور است" کی۔ آپ بھی غور فرمائیں۔

۶۸، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، صفحوں کے یہ نمبر سہواً صفحے کے نیچے لکھ دے گئے ہیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۰	۴	ہی رہا	ہی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۱	۸	۱۲۹۶	۱۲۶۶
۷۲	۵	کتابت	کتاب
۷۵	۱۴	احمد عسلی	احمد علی
۷۶	۱	نحواص	غوّاص
"	۱۵	جاتے ہیں	جاتے
۷۹	۱۶	حضوت	حضور
۸۱	۱۶	۱	۱ اس حاشیے کا تعلق مکان فرح بخش سے ہے جس کا ذکر چھبیسویں لطیفے میں آیا ہے۔
۸۳	۱۰	قلمندان	قلمدان
۸۵	۱۷	اس سے لبس یہ	اس سے بس یہ
۸۸	۲	مصدر	مصدر
۹۸	۱	فنون	فنون
"	۱۱	سجابی	سحابی
۱۰۲	۴	زارسی	فارسی
"	۱۵	غزلیات	غزلیّت
"	۲۰	ہمادشماکو	اس لئے ہمادشماکو
۱۰۵	۱۱	فکر وعمل	فکر وتخیل
۱۰۶	۱۳	بیٹھے	سیٹھے
"	۱۹	عابد رنگار	عابد، نگار
۱۰۷	۱۸	جگر	جگہ
۱۱۴	۱۵	ساے	بیاسے
۱۲۶	۲۱	باقیامت	قیامت
۱۳۱	۴	مسند	مسنّد
"	۱۵	بہ خان	خانہ
"	۱۸	مزبور	مزبور
۱۳۳	۲	بے گاہ	بے گناہ
۱۳۵	۱۳	(ص ۱۳۱ ۴ میں	(ص ۱۳۱ ۴) میں
۱۴۰	۷	گفتن وہ	گفتنِ د
۱۴۴	۱۷	مثلاً	یا مثلاً
۱۴۵	۱۲	عبارت	عبارات
۱۴۶	۶	برزنگاری	برنگاری

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۶	۹	قتیل	رنگین	۱۶۵	۱	آدم	آدم
"	۲۱	گوشہ نشین	گوشہ نشین (باقی)	"	۱۳	جنّاثہ	جنّاتہ
۱۵۹	۴،۳	دریائے	دریاے	۱۶۶	۲۰	من ا	من انشا
۱۶۲	۲۰	.......”	.......؛ (باقی)	"	۲۳	پندرہ یا سولہ	سات یا آٹھ
۱۶۳	۳	مخزن الفوائد	معدن الفوائد	۱۷۵	۲۱	جرح و تعدیل کا پہلو غالب ہے (مکرر)	(ایک بار)
۱۶۴	۱۸	دوادے	دواوین				

ضمیمہ (۱)

متعلق "مولوی حیدر علی سندیلوی سے ملاقات" صفحہ ۱۳۶

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (علیگ) کے دو مضمون — ایک "کیا قتیل کا وطن فرید آباد تھا" نگار، بابت جون ۱۹۴۴ء میں اور دوسرا "مصحفی و عنبر کی بعض لغزشیں" نگار بابت اپریل ۱۹۴۷ء میں — شائع ہوئے تھے، مجھے یاد نہیں رہا کہ آرزو صاحب نے کس مضمون میں یہ عبارت لکھی تھی:-

"منیر علی خان حریق اپنے ایک عربی مکتوب میں مولوی حیدر علی کو لکھتے ہیں:-

"یا مخدومی انی ذہبت یوماً مع قدوۃ الفصحاء و زبدۃ البلغاء .... المسمی بمحمد حسن المتخلص بالقتیل فی دار السیّد الشریف الذکی المدعو بانشاء اللہ خان .... فقال السیّد قد وجدت قصیدۃ من قصائد مولانا حیدر علی وجعلت اشعارہا مخمسۃ قلت اقرأ فقرأ فاخذتہا عن السیّد وطالعتہا وتلقیت النظر الی ہذہ البیت ؎

سو ہے امر ہم کو بھی صلّوا و سلّموا التسلیم ؏ ہے امتثال امر کا واجب اے مومنان مدام

فتاملت فی المصراع الثانی وما فہمت وزنہا لقلّۃ المعرفت بعلم العروض، اسئل عنکم ان اعلمونی وزن ہذا المصراع وتقطیعہ"۔

انشا کا مخمس ہماری ایک بیاض میں موجود ہے جو ۱۲۲۰ھ کا مکتوب ہے"

اس خط سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولوی حیدر علی سندیلوی کو ان کی عروض دانی کی طرف "دریائے لطافت" کی تصنیف سے پہلے ہی ان کے معاصرین توجہ دلا چکے تھے، اور یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ منیر علی خان حریق کی تحریر میں انشا کی سیادت اور شرافت اور ذکاوت کو کس قدر نمایاں کیا گیا ہے، مذکور خط کا آزاد ترجمہ یہ ہے:-

مخدومی! میں ایک دن محمد حسن قتیل کے ساتھ سید انشا کے گھر گیا تھا، سید نے کہا کہ مجھے مولانا حیدر علی کے قصیدوں میں سے ایک قصیدہ ملا ہے اور میں نے اس کو خمسہ کر دیا ہے، میں نے کہا، پڑھیے، انھوں نے پڑھا تو میں نے سید سے وہ قصیدہ لے لیا اور اس کا مطالعہ کیا جب میری نظر اس بیت پر پڑی ؎

سو ہے امر تم کو بھی صلّوا و سلّموا التسلیم ؏ ہے امتثال امر کا واجب اے مومنان مدام

تو میں نے دوسرے مصرعے پر غور کیا، اس کا وزن میرے خیال میں نہ آیا، اس لئے کہ میں علم عروض سے بہت کم واقف ہوں، استدعا ہے کہ اس مصرع کا وزن اور اس کی تقطیع مجھے بتائیں۔

ضمیمہ (۲)

متعلق صفحہ ۸۸ سطر ۱-۲ - انشاء اللہ بن ماشاء اللہ بن نور اللہ

[illegible] العل[illegible] ۳ [illegible] سالہ سکنڈ ماسٹر، بورڈ ہائی سکول پشاور، صفحہ ۲ [illegible] تالیف ۱۹۰۲ [illegible]

مآخذ

آب حیات

آثار الصنادید

انشا مولفہ مرزا فرحت اللہ بیگ

انیس الاحباء از موہن لال انیس قلمی - لٹن لائبریری - علی گڑھ

ادبی خطوط غالب از مرزا محمد عسکری

پنجاب میں اردو از حافظ محمود شیرانی

تذکرۂ شعرائے اردو از میر حسن

تذکرۂ گلستان بے خزاں از سید قطب الدین باطن

تاریخ ادب اردو مترجمہ مرزا محمد عسکری

تحقیقی نوادر از ڈاکٹر آمنہ خاتون

تذکرۂ ہندی گویاں از مصحفی

جلوۂ خضر از صفیر احمد بلگرامی حصہ اول و دوم

دریائے لطافت مرشد آبادی

دریائے لطافت اورنگ آبادی

دریائے لطافت ترجمۂ کیفی

دستور الفصاحت از سید احمد علی یکتا

داستان تاریخ اردو از پروفیسر حامد حسن قادری

دربار اکبری از محمد حسین آزاد

ڈاکٹر صدیقی صاحب کے مکاتیب مولف کے نام

رقعات قتیل قلمی جلد اول و دوم - کتب خانہ حبیب گنج

زندگانی بے نظیر از مولوی سید محمد عبد الغفور خان شہباز

سلک گوہر مرتبہ امتیاز علی خان عرشی

شعر العجم حصہ پنجم از شبلی

عیار الشعراء از خوب چند ذکا قلمی

عقد ثریا از مصحفی

غالب از غلام رسول مہر

قواعد العروض از قدر بلگرامی

قواعد گلکرسٹ

قرآن مجید

کلیات انشا

کلیات غالب فارسی

کلام انشا - مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی - الہ آباد

گلزار ابراہیم -

گلشن بے خار از مصطفےٰ خان شیفتہ

گلشن فیض از ضامن علی جلال

مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز ترجمہ اردو مولوی عبداللہ صاحب

مقالات حالی حصہ اول

مخزن الغرائب قلمی کتب خانۂ حبیب گنج

مجموعۂ نغز از قدرت اللہ خاں قاسم

مقدمہ شعر و شاعری از حالی

معدن الفوائد معروف بہ رقعات قتیل

لغت اردو از فوربس

لغت اردو از گلکرسٹ

نور اللغات

وضع اصطلاحات از وحید الدین سلیم

یادگار غالب از حالی

رسالے

اردو اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء

اردو . اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء

اردو ادب - اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء

اردو ادب - جنوری و اپریل سنہ ۱۹۵۱ء

اردو ادب - جولائی تا دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء

پریم - لاہور جون سنہ ۱۹۴۵ء

جامعہ - جنوری سنہ ۱۹۳۳ء

شاعر - آگرہ - جولائی سنہ ۱۹۵۰ء

نوائے ادب - جنوری سنہ ۱۹۵۱ء

نگار - مارچ سنہ ۱۹۵۴ء

نگار - مارچ سنہ ۱۹۵۵ء